سید عبدالقادر جیلانی

زُبدۃُ التّحقیق

(مسئلہ افضلیت کا تحقیقی جائزہ)

﴿تصنیف﴾

سیّد عبدالقادر جیلانی

☆☆☆☆☆

نام کتاب: زُبدۃُ التّحقیق

مصنف: سیّدعبدالقادر جیلانی

تعداد: دوہزار

اشاعت: شعبان المعظم ۱۴۳۱ھ بمطابق جولائی 2010ء

کمپوزنگ: انعام الحق قادری، عبدالرحمٰن

پروف ریڈنگ: علامہ سیّدمظہرحسین شاہ گیلانی

ھدیہ: 350روپے

(بحسنِ اہتمام)

انٹرنیشنل مسلم موومنٹ

دارالعلوم قادریہ جیلانیہ ۔ لندن

Phone:0044-208 5204121

۱۔ سیّدمظہرحسین شاہ گیلانی، دارالعلوم قادریہ جیلانیہ، والتھم سٹو، لندن
Ph:0044-7940225723.

۲۔ اشتیاق علی قادری، 50 Knotts Green Road, E10 6D Leyton, London.
Uk.Ph:0044-7944448954

۳۔ حافظ محمد عمران قادری، Sint Willi Brordusstraat, 53 1074 XK, Amsterdam. Holland.
Ph:0031-642977566

۴۔ عزیز حیدر قادری، قادریہ جیلانیہ پبلیکیشنز دارالعلوم قادریہ جیلانیہ، ٹینچ بھاٹہ، راولپنڈی فون:0300-5112339

۵۔ چشتی کتب خانہ، ارشد مارکیٹ، جھنگ بازار، فیصل آباد۔ فون:0323-7655155

۶۔ اسلامک بک کارپوریشن، اقبال روڈ کمیٹی چوک، راولپنڈی 051-5536111

۷۔ احمد بک کارپوریشن، اقبال روڈ کمیٹی چوک راولپنڈی 051-5558320

۸۔ عباسی کتب خانہ، جونا مارکیٹ جوڑیا بازار کراچی

۹۔ نظامیہ کتاب گھر، زبیدہ سنٹر 40 اردو بازار، لاہور 0301-4377868

۱۰۔ دارالعلم، سستا ہوٹل دربار مارکیٹ، لاہور

۱۱۔ قادری رضوی کتب خانہ، گنج بخش روڈ لاہور

۱۲۔ اسلامی کتب خانہ، کچہری روڈ، ایبٹ آباد فون 0346-9588990

۱۳۔ کتب خانہ، دربار عالیہ گولڑہ شریف

۱۴۔ درویش کتب خانہ، دربار عالیہ دھنکہ شریف لساں نواب مانسہرہ

۱۵۔ القلم بک سنٹر، صدر بازار ہری پور۔

انتساب

فقیر اپنی اس کاوش کو اپنے جدِ امجد وارثِ علوم مرتضویہ، واقفِ اسرار ربانی، محبوبِ سبحانی، غوثِ صمدانی، سلطان الاولیاء، غوث الثقلین، والئی بغداد، شہنشاہِ جیلان پیران پیر سیّد عبدالقادر جیلانی الحسنی والحسینی قدس سرہ النورانی کے اسم گرامی سے منسوب کرتا ہے، جن کی باطنی توجہات ہمیشہ شاملِ حال رہتی ہیں، جن کی فصاحت وبلاغت اور کمالاتِ علمیہ کے سامنے فصحاء وبلغاء انگشت بدنداں رہ جاتے تھے اور جملہ اقطاب واولیاء جن کے آستانِ فیض رساں پر کاسۂ گدائی لئے حاضر ہوتے ہیں اور علم وعرفان کی خیرات پاکر آسمان معرفت کے درخشندہ ستارے بنتے ہیں۔

حُسنِ ترتیب

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نوٹ: شعبہ پروف ریڈنگ نے انتہائی محنت، لگن اور توجہ کے ساتھ اس کتاب کی پروف ریڈنگ کی ہے، تاہم غلطی یا کوتاہی بشری تقاضوں میں شامل ہے۔ کسی جگہ آپ کو تحریر میں کمی بیشی یا پروف ریڈنگ کی غلطی یا عربی عبارت میں اعراب کی کوئی غلطی نظر آئے تو براہ کرم ادارہ کو آگاہ فرمائیں، ادارہ آپ کا شکر گزار ہوگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆ مسئلہ افضلیت میں متاخرین کے کئی مذاہب ہیں (امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ م ۳۸۸ھ)

☆ حضرت ابوبکر صدیق و علی مرتضٰی رضی اللہ عنہما میں سے کسی کو بھی افضلیت دینے والا گنہ گار نہیں ٹھہرے گا۔ (امام ابوبکر باقلانی اشعری شافعی رحمۃ اللہ علیہ م ۴۰۳ھ)

☆ تابعین میں سے دوسرے سنی متکلم امام زید بن امام زین العابدین بن امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔ (امام ابوالمنصو ر عبدالقاہر بغدادی اشعری شافعی رحمۃ اللہ علیہ)

☆ امام اعظم ابوحنیفہ ؓ نے امام زید ؓ کے دستِ اقدس پر بیعت فرمائی۔
(امام عبدالکریم شہرستانی رحمۃ اللہ علیہ)

☆ امام زید ؓ حضرت علی مرتضٰی ؓ کو باقی صحابہ کرام سے افضل جانتے تھے اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے محبت کرتے تھے (امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ)

☆ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، اہلسنت کے بعض علماء اور صوفیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم حضرت علی ؓ کی افضلیت کے قائل تھے (شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ)

اظہار تشکر

از قلم پیر طریقت حضرت پیر سیّد صابر حسین شاہ گیلانی قادری (ایم اے اُردو، فاضل فارسی)

تحقیق و تدقیق کی اعلیٰ ترین بلندیوں کو چھونے والی اس کتاب کا موضوع مسئلہ تفضیل ہے جس کے بارے میں جمہور اہل سنت کا موقف یہ ہے کہ امیر المومنین خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق ؓ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اُمت میں سب سے افضل ہیں۔ جسکی تصریح شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب تکمیل الایمان میں فرمائی ہے اور دیگر معتبرات اہلسنت سے اس مسئلہ کی وضاحت آپ اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے اور ہم بحمدہٖ تعالیٰ اس مسئلہ میں جمہور والا عقیدہ رکھتے ہیں۔ البتہ اس مسئلہ میں اختلاف تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے ہی چلا آرہا ہے۔

مثلاً: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا عقیدہ یہ تھا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے افضل خاتون جنت سلام اللہ علیہا ہیں۔ کچھ علماء کے نزدیک خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سب سے افضل ہیں کچھ کے نزدیک حضرت جعفر طیار ؓ کچھ کے نزدیک حضرت عبداللہ ابن مسعود ؓ۔ اور ایک بڑی تعداد جن میں اکثریت فقہاء صحابہ کرام کی تھی، حضور مولائے کائنات ؓ کو افضل مانتی تھی۔ اسی طرح ائمہ اہل بیت بھی مولائے کائنات ؓ کو افضل جانتے تھے۔ یہاں تک کہ امام اعظم ابوحنیفہ ؓ کی بیعت بھی حضرت امام زید بن علی ؓ کے ساتھ تھی جو مولائے کائنات کو افضل جانتے تھے۔ اور بعض علماء کرام کا تو یہ خیال ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو سرکار

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری حیات طیبہ میں شہید ہوئے وہ افضل ہیں۔

ان حقائق اور اختلاف کی موجودگی میں اجماع امت کا دعوی کیونکر کیا جاسکتا ہے۔لیکن اس کے برعکس وہ لوگ جو بغض علی رضی اللہ عنہ میں اپنا ثانی نہیں رکھتے انہوں نے اس ماحول کو غنیمت جانا اور سوچا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذات پاک کی آڑ لے کر بغض علی کی آگ کو مزید بڑھکایا جائے۔چنانچہ مسئلہ تفضیل پر "اجماع امت" کا ایسا پرتشدد دعوی کردیا کہ اختلافی رائے رکھنے والوں کو خارج از اہلسنت اور گمراہ قرار دیا۔

کاش! ان لوگوں کو واقعتہً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے محبت ہوتی تو انکا یہ اندازِ موازنہ نہ ہوتا کیونکہ عشق صدیق رضی اللہ عنہ رکھنے والا کبھی مولائے کائنات رضی اللہ عنہ سے بغض نہیں رکھ سکتا۔

بہرحال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسی پاک ذات کو بغض علی رضی اللہ عنہ کے لئے آڑ کے طور پر استعمال کرنا ناصبیوں کی پرانی ریت ہے۔سو دور حاضر کے ناصبیوں نے بھی ایسا ہی کیا اور اس ماحول میں خوب ناصبیت کا پرچار کیا اور اہلسنت کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی کوشش کی۔اور چند دلائل جو اپنے معنی و مراد پر ہرگز قطعیت کے مفید نہیں پیش کئے۔اور علمی و قلمی خیانت کے ریکارڈ قائم کئے۔دعوی اجماع توکردیا لیکن اجماع امت منعقد ہونے کا کوئی ثبوت پیش نہ کرسکے۔جبکہ مذکورہ بالا روایات موجود ہیں اور اجماع کا ثبوت نہیں تو یہ حضرات ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں کیا فتویٰ صادر کریں گے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو افضل سمجھتے ہیں۔

ان روایات سے یہ ثابت ہوا کہ کسی صحابی کو افضل سمجھنے کی بنیاد پر کسی بھی مسلمان کو رافضی یا خارجی ہرگز نہیں کہا جاسکتا ورنہ ان عظیم ہستیوں کے بارے میں کیا کہا جائے گا

بس اسی ضرورت کے پیش نظر ان عظیم القدر ہستیوں کی عظمت کے تحفظ کی خاطر حضرت مفکر اسلام نے قلم اٹھایا اور مسلک حق اہل سنت کی ترجمانی فرماتے ہوئے افراط و تفریط سے پاک تحقیق پیش فرمائی۔

بنیادی طور پر اس کتاب کا سبب تصنیف بعض غیر ذمہ دار لوگوں کے تعصب پر مبنی وہ فتوے ہیں جنکی زد میں صحابہ کرام، ائمہ اہل بیت رضی اللہ عنہم اور مشاہیر اہل سنت کی ذوات مقدسہ آتی ہیں۔وہ کونسی سنیت ہے جو اہل بیت اطہار و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عقائد کو شامل کئے بغیر سنیت کہلائے جبکہ معیار سنیت یہی حضرات ہیں ورنہ امام اعظم رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت کی سنیت مشکوک ہوجائے۔

یقیناً ان قدسی صفات ذوات کی سنیت کو مشکوک سمجھنا ہی دراصل اہل سنت نہ ہونے کی نشانی ہے۔یہ شر پسند گروہ مسئلہ تفضیل کی آڑ میں جن گھناؤنے اور خطرناک نتائج کی طرف دعوت دے رہا تھا اُمت کو ان بھیانک حالات سے بچانے اور اُمت کی دستگیری کیلئے حضرت دستگیر رضی اللہ عنہ کے شہزادے کو قلم اٹھانا پڑا اور واضح کرنا پڑا کہ مسئلہ تفضیل ظنی ہے قطعی نہیں، جمہوری ہے اجماعی نہیں اور نہ ہی یہ ضروریات دین کا مسئلہ ہے۔انشاء اللہ کتاب میں یہ بات دلائل کے ذریعے بالکل واضح ہوجائیگی۔

اس پرفتن اور بھیانک دور میں جہاں بدعقیدگی کے نئے نئے فتنے جنم لے رہے ہیں اور اسلام کی بنیادوں کو کھوکھلا کررہے ہیں۔وہاں سنی نما ناصبی علماء عالمانہ لباس و وضع قطع میں اختلاف و افتراق کی داغ بیل ڈال رہے ہیں۔حق کی بات کرنا اور پھر حق پر ڈٹ جانا خصوصاً اہل بیت کے حق میں کچھ کہہ دینا اس کے لئے کسی مرد حق شناس اور حق گفتار کی ہی ضرورت تھی جو رضائے حق کی خاطر بے خوف و خطر حق و باطل کو واضح کردے۔

اس عظیم مقصد کے لئے رب تعالیٰ نے حضور مفکر اسلام علامہ پیر سید
عبدالقادر شاہ جیلانی کا انتخاب فرمایا۔اس کتاب کا ایک ایک حرف اپنی صداقتوں کی
صدا دیتا نظر آئے گا،ایک ایک جملہ دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے گا اور قلب و
نظر کو باطل خیالات ونظریات کی اندھیری پگ ڈنڈیوں سے اٹھا کر حق کی روشن شاہراہ
پر ڈال دے گا۔اگر تعصب اور بغض کی عینک اتار کر اس کتاب کو پڑھا گیا تو انشاء اللہ
العزیز اذہان وقلوب کو یہ کتاب پاکیزگی عطا کرتی چلی جائے گی۔ یہ کتاب اس
موضوع پر ایک گرانقدر اضافہ ثابت ہوگی۔

کتاب کا پہلا ایڈیشن چھپنے کو ہے اس لئے میرے برادر مکرم ومعظم نے مجھے
حکم فرمایا ہے کہ جن حضرات نے اس کتاب کی تکمیل وتدوین اور پرنٹ کرانے کے
مختلف مراحل میں تعاون فرمایا ان کا شکریہ ادا کروں۔

مشائخ عظام اور علمائے کرام کتاب کی تالیف کے دوران مسلسل اپنی قیمتی
آراء سے نوازتے رہے۔جملہ مشائخ گولڑہ شریف کی دعائیں بھی شامل حال
رہیں۔بالخصوص آستانہ عالیہ گولڑہ شریف کے سجادہ نشین حضرت پیر سید عبدالحق شاہ
صاحب گیلانی مدظلہ العالی کی خاص توجہ شامل حال رہی۔زیب آستانہ حضرت پیر سید
غلام نظام الدین شاہ صاحب گیلانی (جامی صاحب) اپنی دعاؤں سے نوازتے رہے
اور کتاب کی جلد از جلد اشاعت کی خواہش کا اظہار فرماتے رہے۔

علاوہ ازیں جن سادات عظام اور علمائے کرام نے تعاون فرمایا،اُن میں
علامہ سید احمد حسین شاہ ترمذی،علامہ سید انور حسین شاہ کاظمی،سید زبیر احمد شاہ بخاری،

سید شبیر حسین شاہ گیلانی، علامہ احمد نثار بیگ قادری،علامہ قاضی عبدالعزیز چشتی
گولڑوی،علامہ قاضی عبداللطیف قادری،علامہ حافظ فضل احمد قادری،سید مظہر حسین
شاہ گیلانی،حضرت قاضی رئیس احمد قادری (ڈھوک قاضیاں شریف)،قاری عزیز
حیدر قادری،راجہ انعام الحق قادری،مفتی مصطفےٰ رضا بیگ قادری،مولانا برکات
احمد چشتی،قاری محمد خان قادری،اور علامہ پیر عبدالقادر (واہ کینٹ) کے علاوہ بہت
سے علماء ومشائخ اہل سنت شامل ہیں جو کتاب کی تصنیف کے دوران اپنے قیمتی
مشوروں سے نوازتے رہے۔

اس موقع پر سرمایہ اہل سنت ، کشتۂ عشق رسول و آل رسول علامہ
حضرت پیر سید زاہد حسین شاہ بخاری رضوی مدظلہ العالی کا ذکر از حد ضروری
ہے کہ جنہوں نے برطانیہ میں نایاب کتب کی فراہمی اور بیشمار علمی سوالات و
اعتراضات کے ذریعے کتاب کو تحقیق کی چھلنی سے گزار کر کتاب کی افادیت
میں بے پناہ اضافہ فرمایا۔

قاضی نصیر الدین قادری،میاں احمد نواز قادری،حافظ اشتیاق علی قادری
اور لقمان یوسف (کویت) کی کاوشیں بھی لائق تحسین ہیں۔

پاکستان میں فخر سادات علامہ سید عظمت حسین شاہ گیلانی مختلف کتابوں
کی فراہمی میں ہمہ تن مصروف رہے اور دوران تحریر متواتر حضور مفکر اسلام کے
ساتھ رابطے میں رہے اور بڑی بڑی نایاب کتب مہیا کرنے کے لئے پورے ملک
کے چپے چپے میں چھوٹی بڑی نئی پرانی لائبریریوں کیلئے سفر کرتے رہے۔پیر سید

منور حسین شاہ جماعتی مدظلہ العالی زیب آستانہ عالیہ علی پور شریف اور سید مزمل حسین شاہ جماعتی کی نیک تمنائیں اور دعائیں شامل رہیں۔

مذکورہ بالا تمام حضرات علمائے کرام، مشائخ عظام اور سادات کرام اور جتنے احباب کتاب کی تکمیل اور تدوین میں شریک کار رہے ہیں ان سب کا حضرت مفکر اسلام مدظلہ العالی کی طرف سے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں حضرت کے تمام مریدین و مخلصین کا بھی شکر گزار ہوں جنکی نیک تمنائیں بھی ہمارے ساتھ رہیں۔

آخر میں میں دعا کرتا ہوں جس میں تمام علماء و مشائخ و سادات اور مریدین و مخلصین شامل ہیں کہ اللہ تعالی پنجتن پاک کے صدقے حضور مفکر اسلام کی عمر دراز فرمائے اور آپ کا سایہ تادیر ہمارے سروں پر قائم و دائم رکھے اور ہم انکے فیوض و برکات سے بہرہ مند ہوتے رہیں۔ آمین

سید صابر حسین شاہ گیلانی

﴿نوٹ﴾: کتاب کی تالیف کا سلسلہ جاری ہے۔ جولائی میں حضور مفکر اسلام پاکستان کے دورہ پر تشریف لائے، بعض احباب نے بہت اصرار کیا کہ حالاتِ حاضرہ کے پیش نظر کتاب جلدی منظر عام پر آنی چاہیئے اس لئے فی الوقت جلد اوّل طبع کی جاری ہے۔ دوسری جلد جس میں وجوہِ افضلیت اور جانبین کے دلائل کا تحقیقی تجزیہ کیا گیا ہے عنقریب منظر عام پر آنے والی ہے۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

عصر رواں میں کئی قسم کے عقائد ہیں جنہیں اہل سنت وجماعت کے بنیادی عقائد میں شامل کرلیا گیا ہے۔ جبکہ وہ اہل سنت وجماعت کے اساسی عقائد میں شامل نہیں اور بہت سارے اہل سنت وجماعت کے بنیادی عقائد ہیں جن کو اپنی سیاسی، جماعتی اور خاندانی ضرورت کے تحت نصاب عقائد سے خارج کردیا گیا ہے۔ اصولاً عقائد اہل سنت وجماعت کی تصدیق حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد سے ہونی چاہیے: ''ما انا علیه الیوم و اصحابی'' ترجمہ: (سنت وجماعت) وہ چیز ہے جس پر آج میں ہوں اور میرے صحابہ ہیں۔

چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اہل بیت کرام (جو کہ صحابہ بھی ہیں اور اہل بیت بھی) اور صحابہ عظام رضی اللہ عنہم معیار سُنّیت ہیں۔ لہٰذا جسکا نام سُنّیت ہے اسکا وجود اُس دور میں صراحۃً یا کنایۃً، عبارۃً یا اشارۃً، دلالۃً یا اقتضاءً پایا جانا ضروری ہے ورنہ وہ عقیدہ سُنّیت نہیں کہلا سکے گا اور جو عقیدہ اہل بیت کرام یا صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) میں پایا جائیگا وہ سنیت کی بنیاد ہوگا اور سُنّیت سے اخراج کے معنی نہیں دے گا۔

مثلاً: ائمہ متکلمین میں سے جلیل القدر امام قاضی ابوبکر باقلانی اشعری رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۴۰۳ھ اپنی کتاب مناقب ائمہ اربعہ ص ۵۱۴ پر لکھتے ہیں: قد علمنا ان

الصحابة مختلفة فی التفضیل فلا سبیل اذن لنا الی العلم بان واحدا منهم افضل من غیره. ترجمہ:ہمیں پتہ چلا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم افضیلت دینے میں مختلف ہیں،تو ہمیں یہ معلوم کرنے کا کوئی طریقہ معلوم نہیں کہ ان میں سے کوئی ایک دوسرے سے افضل ہے۔

یہی امام ابوبکر باقلانی اشعری اپنی کتاب مناقبِ ائمہ اربعہ ص۵۱۴ پر بیان کرتے ہیں:اما القائلون بانا نقف فیهم من غیر قطع علی تفضیل احد منهم او قطع تساویهم فی الفضل فانهم اقرب الی الصواب واقدر علی الا حتجاج

ترجمہ:مگراس بات کے قائل کہ ہم ان میں توقف کرتے ہیں(یعنی خاموش رہتے ہیں کچھ بھی نہیں کہتے)نہ ہی ان میں سے کسی ایک کی افضلیت کوقطعی کہتے ہیں اور نہ ہی انکی برابری کو کہتے ہیں وہ لوگ ثواب کے زیادہ قریب ہیں اور ثبوت پیش کرنے میں زیادہ قدرت رکھتے ہیں۔

اسکا مطلب یہ ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کسی ایک کوقطعی طور پرافضل سمجھنے پراتفاق نہیں ہوا،اختلاف بھی ہوا ہے اور توقف بھی ہوا ہے۔امام ابوبکر باقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک توقف سب سے افضل مذہب ہے۔توقف کا معنی یہ ہے کہ ہم اس مسئلہ میں خاموشی اختیار کرتے ہیں اور کسی کواِفضل نہیں کہتے۔کتاب میں اس چیز کی وضاحت آجائے گی کہ علماء وصوفیاء کی ایک بڑی تعداد نے اس مسئلہ میں توقف کواختیار فرمایا یعنی کسی کی افضلیت کا قول نہیں کیا۔

اب اگراس طرح کے نظریات اُمت میں پائے جائیں اورانہیں سنیت سے خارج کرنے کا کافی ثبوت مانا جائے تو پھر وہ قاعدہ کس طرح سلامت رہے گا:"سنت وجماعت وہ

ہے جس پر آج میں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں"

کسی ایک صحابی رضی اللہ عنہ کوافضل نہ جاننے کوسُنّیت سے اخراج کیلئے کافی مانا جائے توحضرت سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ کوسنیت سے خارج مانا جائے گا؟ جنہوں نے شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کوافضل ماننا تو بجائے خود خلیفہ بھی نہیں مانا اور بیعت کئے بغیر مدینہ شریف چھوڑ کر شام چلے گئے،وہیں ان کا وصال ہوا اور وہیں دفن ہوئے،آپکا مزار پرانوار مرجع خلائق ہے۔(اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ ج۲ص۲۲۳،الاستیعاب ج۲ص۱۶۴)

اگرافضلیت کا قائل نہ ہونے سے کوئی سُنّیت سے خارج ہو جاتا تو آپکے مرقد گوہر بار پر ہجوم اہل ایمان کیسے ہوتا؟

اسی طرح تفضیل علی رضی اللہ عنہ کا مذہب بھی صحابہ کی کثیر تعداد میں موجود تھا۔امام ابوبکر باقلانی اپنی اسی کتاب"مناقب ائمہ اربعہ" میں ص۲۹۴ پر خامہ فرسائی فرماتے ہیں:

والقول بتفضیل علی رضوان الله عنه مشهور عند کثیر من الصحابة کالذی یروی عن عبدالله ابن عباس وحذیفة بن الیمان وابی الهیثم بن التیهان و غیر هم وان کانت الروایة فی تفضیل ابی بکر اشهر عند اصحابِ الحدیث

ترجمہ:جناب علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کثیر صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک مشہور تھی جیسا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حذیفہ رضی اللہ عنہ بن الیمان اور ابی ہیثم رضی اللہ عنہ بن تیہان وغیرہم کے بارے میں روایت کیا جاتا ہے۔اگرچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت اہل حدیث کے ہاں زیادہ مشہور تھی۔

مذکورہ بالا حقائق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں پائے گئے اس لئے یہ چیزیں سنیت کا معیار ہونگی،سُنّیت سے اخراج کا ذریعہ نہیں ہونگی۔دور حاضر میں تو نظریاتی

دہشت گردوں نے لفظ 'سُنّیت' کو ایک دھمکی بنالیا ہوا ہے اور خوف وہراس پھیلانے کا ذریعہ تراش لیا ہے۔ اور فضل کلی و فضلی جزئی، افضلیت مطلقہ کی اصطلاحیں وضع کر لی ہیں اور طریقہ واردات یہ ہے کہ پہلے کوئی نظریہ یا عقیدہ قائم کر لیا اور وہ عقیدہ کسی شخص کی شخصی اختراع ہوتا ہے یا علاقائی یا جماعتی سوچ ہوتی ہے جسکا قرآن وحدیث سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ سنیت کا معیار تو وہ ہوگا جو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات والا صفات، آپ کے اہل بیت اطہار وصحابہ کبار رضی اللہ عنہم کے اندر پایا گیا ہو۔ یہ افضلیتِ مطلقہ یا فضل کلی یا جزئی کی اصطلاحات تو بعض متاخرینِ ہند کی اختراعات ہیں۔ انکا سنیت سے دور کا بھی کوئی علاقہ نہیں۔ ایسے نظریات وعقائد کو پہلے ذہن نشین کر لیتے ہیں اسکے بعد دلائل تلاش کرنے لگتے ہیں۔ جب کوئی حجت شرعیہ انکے لئے نہیں مل پاتی تو لٹھ لے کر دلائلِ شرعیہ کو توڑتے پھوڑتے ہیں۔ بڑی سرپھٹول کے بعد دلائل کا چہرہ مسخ کر لیتے ہیں تو اپنے مقصد پر چسپاں کرتے ہیں۔ جسکے نتیجے میں عامۃ المسلمین میں اپنا اعتماد ہی ضائع کر دیتے ہیں۔ اگر نقش فریاد کی زبان رکھتا تو انکی ستم کوشیوں کے جواب میں سڑکوں پر ماتمی جلوس ہوتے۔

حاصل کلام یہ ہوگا کہ ایسے لوگ قرآن وحدیث کے پیچھے نہیں چلتے بلکہ قرآن وحدیث کو اپنی تمناؤں اور آرزوؤں کے پیچھے چلانے کی کوشش کرتے ہیں۔

گزشتہ بیان میں جو چند صحابہ رضی اللہ عنہم سے تفضیل علی رضی اللہ عنہ کا حوالہ مناقب ائمہ اربعہ ص ۲۹۴ سے نقل گیا ہے:

والقول بتفضيل علي رضوان الله عنه مشهور عند كثير من الصحابة كالذي يروى عن عبدالله ابن عباس وحذيفةبن اليمان وعمار بن

ياسر وجابر بن عبدالله(انصاری) وابی الهيثم بن التيهان و غير هم وان كانت الرواية فی تفضيل ابی بكر اشهر عند اصحابِ الحديث

"بعض لوگوں نے اسکی یہ تاویل کی ہے کہ ان میں یہ بیان اور یہ عقیدہ جنابِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد تھا" یہ تاویل بے بنیاد ہے۔

کیونکہ امام ابوبکر باقلانی رحمۃ اللہ علیہ مناقب ائمہ اربعہ ۴۸۰ پر رقمطراز ہیں:

قد روی ان جماعة من الصحابة كانت تظهر القول بفضل علی امام زمن ابی بكر وبعده ،منهم عبدالله بن عباس فی قوله للشراة قد جئتكم من خير الناس واقدمكم اسلاماً، وما روی عن جابر بن عبدالله انه قال كان والله ذالک خير البشر بعد رسول الله و كذالک كان راء ی حذيفة و عمار و كان يقولان 'انه اقدمهم اسلاماً واعلمهم بدين الله واولاهم بالامة ورسوله.

ترجمہ: روایت کیا گیا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت جناب علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کی افضلیت جنابِ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے بھی اور انکے بعد بھی ظاہر کیا کرتی تھی۔ ان میں سے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما جنہوں نے خوارج کے سامنے یہ بات ارشاد فرمائی "میں تمہارے پاس اس شخص کی طرف سے آیا ہوں جو سب سے افضل ہے اور اسلام میں سب سے پہلا مسلمان ہے۔ (اور اسی طرح کا قول ہے) جو جابر بن عبداللہ (الانصاری) سے روایت کیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا:

"کان واللہ خیر البشر بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" خدا کی قسم (جناب علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سارے لوگوں سے افضل

تھے۔اور جناب حذیفہ ؓ کا عقیدہ انکے بارے میں ایسا ہی تھا۔اور جناب عمار ؓ بن یاسر کا بھی (یہ دونوں) کہا کرتے تھے۔

"وہ (علی مرتضٰی ؓ) سب سے پہلے مسلمان تھے اور سب سے زیادہ اللہ کے دین کے علم جاننے والے تھے اور اُمت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے زیادہ قریب تھے۔

یہاں امام ابو بکر باقلانی کے حوالہ جات کثرت سے استعمال کئے گئے ہیں۔کیونکہ امام ابن حجر مکی متوفی ۹۷۴ھ نے اپنی کتاب "صواعق محرقہ" میں کافی مرتبہ امام ابو بکر باقلانی سے استشہاد کیا ہے۔اور شاہ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۴ھ جو ہندوستان میں معلم اول سمجھے جاتے ہیں اور سنیت میں سند تسلیم ہوتے ہیں، نے بھی امام ابو بکر باقلانی سے سند پکڑی ہے۔امام باقلانی ائمہ اشاعرہ میں امتیازی حیثیت کے حامل ہیں، لہٰذا مناسب معلوم ہوا کہ جنہیں عقائد میں سند سمجھا گیا انکے حوالہ جات پیش کئے جائیں۔

کچھ لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی افضلیت پر اجماع نقل کر کے آپکی افضلیت کو حتمی اور قطعی شکل دینے کی کوشش کی ہے۔جس جس نے نیک نیتی سے یہ کوشش کی ہے خدائے کریم اسکو جزائے خیر عطا فرمائے۔چونکہ ہم لوگ بھی افضلیت ابوبکر صدیق ؓ کا عقیدہ رکھتے ہیں لہٰذا چشم ما روشن دل ماشاد۔مگر کسی بھی مفروضے کی حمایت کرنا ہمارے لئے مشکل ہے۔افضلیت ابوبکر صدیق ؓ مذہب جمہور ہے جو کہ اسلام میں کوئی قانون ساز ادارہ نہیں ہے لہٰذا اس پر کسی بھی قطعیت کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی۔

افضلیت ابوبکر صدیق ؓ پر اجماع کے دعویداروں میں امام ابن حجر مکی متوفی ۹۷۴ھ بھی ہیں۔ملاحظہ فرمائیے کہ وہ اپنے اس دعوی سے کس خوبصورتی کے

ساتھ دست بردار ہوتے ہیں: **مما یؤید انه هنا ظنی ان المجمعین انفسهم لم یقطعوا بالافضلیة المذکورة وانما ظنوها فقط کما هو المفهوم من عبارات الائمة واشاراتهم وسبب ذالک ان المسئلة اجتهادیة**

ترجمہ: جو باتیں اس جگہ (افضلیت کے) ظنی ہونے پر دلالت کرتی ہیں ان میں سے ایک بات یہ ہے کہ اجماع کرنے والوں نے خود بھی افضلیت مذکورہ کو قطعی قرار نہیں دیا بلکہ اس کو صرف ظنی کہا ہے جیسا کہ ائمہ (عقائد) کی عبارات اور اشارات سے سمجھ میں آیا ہے۔(افضلیت کو قطعی قرار نہ دینے کا) سبب یہ ہے کہ افضلیت کا مسئلہ اجتہادی ہے۔

اب ذرا خیال فرمائیے کہ اگر اجماع نصی تام ہو گیا ہوتا (جملہ مجتہدین نے بول کر اتفاق کیا ہوتا) تو افضلیت قطعی ہوتی اور اسکا ماننا ضروری ہوتا۔امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے افضلیت کو ظنی کہہ کر قطعیت کو پاکیزہ پانی میں دھو ڈالا۔اور آخر میں اجتہادی کا قول کر کے اجماع کے سارے دروازے دسویں صدی کے آخری ربع تک بند کر دیئے کیونکہ اجماعی مسائل میں اجتہاد ممنوع ہوتا ہے۔اسی مسئلے کو اجماعی کہنا اور اسی کو اجتہادی بھی کہنا، کس قدر نادر خیالی ہے۔

جو چاہے آپ کا حُسنِ کرشمہ ساز کرے

مسئلہ افضلیت کو اجتہادی کہنے میں امام ابن حجر مکی تنہا نہیں انکا دور تو دسویں صدی ہجری کا آخری نصف ہے۔چوتھی صدی کے اوائل میں جنابِ ابوبکر باقلانی اپنی کتاب ائمہ اربعہ ۴۸۱ پر جو تحریر میں لاتے ہیں

قد قلنا فی صدر الکلام فی التفضیل " انها مسئلة اجتهاد "

ترجمہ: ہم نے مسئلہ تفضیل کے آغاز سخن میں کہا "(مسئلہ افضلیت) مسئلہ اجتہادی ہے۔

جسکا مطلب یہ ہوگا کہ اوائل اسلام سے دسویں صدی ہجری کے آخری نصف تک تو یہ مسئلہ اجماعی نہیں تھا بلکہ اجتہادی تھا۔اب کہیں راتوں کی تنہائیوں میں یہ مسئلہ اجماعی ہوگیا۔اجماع کے باب میں قرون اولی کا حوالہ نہیں دیا جاسکتا البتہ اسے متاخرین ہند کی کرامات میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

حضرت امام ابن حجر مکی اپنی کتاب صواعق محرقہ ص ۷۵ پر جناب ابوبکر صدیق ؓ اور جناب علی مرتضیٰ ؓ کے درمیان موازنہ کے مفہوم پر تحریر فرماتے ہیں:

ایضاً ورد فی ابی بکر وغیرہ کعلی نصوص متعارضة یاتی بسطها فی الفضائل وهی لاتفید القطع لانها باسرها احاد وظنية الدلالة مع كونها متعارضة ایضاً لیس الاختصاص بکثرة اسباب الثواب موجباً لزیادة مستلزمة للافضلية قطعا بل ظنا لانه تفضل من الله فله ان لایثیب المطیع و یثیب غیرہ وثبوت الامامة وان کان قطعیا لا یفید القطع بالافضلیة بل غایته الظن

ترجمہ: نیز جناب ابوبکر صدیق ؓ اور دوسرے کے درمیان مثلاً علی مرتضیٰ ؓ نصوصِ متعارضہ وارد ہوئی ہیں جنکی تفصیل فضائل میں آئیگی۔اور وہ نصوص (کسی کی بھی افضلیت کے بارے میں) قطعیت کا فائدہ نہیں دیتیں۔کیونکہ وہ ساری کی ساری اخبارہ واحدہ ہیں اور ظنیت الدلالت ہیں۔باوجودیکہ وہ (نصوص) متعارض بھی ہیں اور ثواب کے اسباب کی کثرت کے ساتھ مخصوص ہونا کسی زیادتیء فضیلت کو قطعی طور پر لازم نہیں کرتا بلکہ ظنی طور پر لازم کرتا ہے۔کیونکہ وہ (ثواب) اللہ کا فضل ہے۔(خدا پر واجب نہیں) اسکو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ مطیع کو ثواب نہ دے

اور کسی دوسرے کو ثواب دیدے۔اور امامت کا ثبوت اگرچہ قطعی ہے تاہم افضلیت کے قطعی ہونے کے معنی نہیں دیتا بلکہ اسکی انتہا ظن ہے۔

حضرت امام ابن حجر مکی نے جملہ دلائل افضلیت کی انتہا ظن پر کردی اور ثابت کردیا کہ افضلیت پر اجماع ہرگز نہیں ہوا۔اگر اجماع (نصی تام) ہوا ہوتا افضلیت ظنی ہرگز نہ ہوتی۔

حضرت امام ابن حجر مکی نے اپنی اس پیش کردہ عبارت میں سید شریف جرجانی متوفی ۸۱۶ھ کی شرح مواقف ج ۸ ص ۴۰۴ کی پیش کردہ عبارت کا خلاصہ بڑی جامعیت کے ساتھ پیش فرمادیا۔

(۱) ایک تو پیش کردہ عبارت میں اس امر کی وضاحت فرمادی کہ موازنہ صرف جناب ابوبکر صدیق ؓ اور جناب علی مرتضیٰ ؓ کے درمیان منعقد ہوا۔کوئی تیسری شخصیت مفاضلہ (ایک دوسرے سے افضل ہونے) میں موضوع گفتگو نہیں بنی۔

(۲) دونوں دھڑوں پر پیش ہونے والے دلائل یا اخبار واحدہ ہوکر ظنیت الدلالت ہیں یا متعارض ہوکر دلیل افضلیت نہ بن سکے، انکا خلاصہ ہردو جماعتوں کے لیے موجب ظن بن سکا۔لہٰذا اسے قطعی عقیدہ قرار نہیں دیا جاسکا۔

(۳) کچھ اہل علم نے دعوی کیا تھا کہ جناب ابوبکر صدیق ؓ کا ثواب زیادہ ہے۔لہٰذا جناب ابوبکر ؓ افضل ہیں۔حضرت امام ابن حجر مکی نے اس وجہ کو بھی مسترد کردیا اور واضح کردیا کہ کثرت اسباب ثواب سے مختص ہونا یہ بھی وجہ افضلیت نہیں کیونکہ اللہ تعالی پر ثواب دینا واجب نہیں لہٰذا وہ مطیع کو محروم کرسکتا ہے اور عاصی کو ثواب دے سکتا ہے، بنابریں، اس وجہ سے بھی افضلیت ثابت نہیں ہوسکتی۔

(۴) امام ابوالحسن اشعری متوفی ۳۳۰ھ نے خلافتِ راشدہ میں اولیت کی وجہ سے جناب ابوبکر صدیقؓ کو افضل قرار دیا مگر حضرت امام ابن حجر مکی نے اس وجہ کو بھی مسترد کر دیا اور بتایا کہ اگر امامت اور افضلیت میں تلازم ہوتا (یعنی اگر خلیفہ بننے سے افضل ہونا لازم آتا) تو جناب ابوبکر صدیقؓ کے خلیفہ بننے سے انکی افضلیت لازم آجاتی مگر یہ قاعدۂ تلازم جملہ اہل سنت نے مسترد کیا ہے اور بتایا کہ امامت کے لئے افضلیت کو ضروری قرار دینا، روافض کا مذہب ہے۔ اسکے برعکس اہل سنت و جماعت نے متفقہ طور پر حضرت عثمان غنیؓ کو خلیفہ راشد تسلیم کیا مگر افضلیت میں اختلاف مشہور ہے۔ بعض نے جناب مرتضیؓ کو بعض نے حضرت عثمانؓ کو افضل سمجھا ہے۔

مسئلہ اجتہادیہ

امام ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ ص ۵۷ پر افضلیت کو مسئلہ اجتہادی کہہ کر بحث کا خاتمہ کر دیا جیسا کہ مندرجہ ذیل سطور میں یہ امر واضح ہو جائیگا۔ انشاء اللہ تعالی

نیز امام ابوبکر باقلانی اشعری نے اپنی کتاب مناقب ائمہ اربعہ ۲۹۵ پر تحریر فرمایا ہے:

وجملة ما يقوى فى هذاالباب ان الكلام فى التفضيل مسئلة اجتهاد لا يبلغ الخطاء بصاحبه فيها منزلة الفسق وما يوجب البراة لا ن الفضائل المروية اكثرها متعارض فى الفضل

ترجمہ: اس باب (فضائل) میں جتنی بھی باتیں کی گئی ہیں۔ ان میں سے سب سے مضبوط یہ ہے کہ تفضیل میں کلام کرنا ایک مسئلہ اجتہادیہ ہے۔ جو اس میں خطا کرنے والے کو اس باب میں فسق تک نہیں پہنچاتا اور نہ ہی برأت فراہم کرتا ہے کیونکہ روایت

کیئے گئے فضائل اکثر افضلیت میں متعارض ہیں۔

اسطرح امام ابوبکر باقلانی اسی کتاب کے ۴۸۱ پر ورطہ تحریر میں لاتے ہیں:

وقد قلنا فى صدر الكلام فى التفضيل انهامسئلة اجتهاد

ترجمہ: ہم نے تفضیل کے مسئلے کے ابتداء کلام میں کہا "یہ مسئلہ اجتہادیہ" ہے اور اسی مقام پر لکھتے ہیں: **وان الاثم ساقط عن كل مفضل لواحد منهما**

ترجمہ: ان دونوں (ابوبکر صدیقؓ اور علی مرتضیؓ) میں سے کسی کو بھی افضلیت دینے والا گنہگار نہیں ٹھہریگا۔

انہوں نے اس مضمون کو اسی کتاب کے متعدد صفحات پر دوہرایا ہے۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ یہ مسئلہ (تفضیل) اجتہادی ہے۔ تو اب دائرہ اجتہاد کا سرسری جائزہ لیا جائے تو مضمون کتاب کو سمجھنے میں بہت مدد ملے گی۔

اب حدودِ اجتہاد پر چند سطور ملاحظہ فرمائیں؛ مبسوط سرخسی ج ۲، ص ۱۳۰

قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم لمعاذ ابن جبل حين وجهه الى اليمن " لم تقضى" قال : بكتاب الله قال فان لم تجد فى كتاب الله، قال : بسنة رسول الله. قال " فان لم فى سنة رسول الله " قال:اجتهد برايء قال:"الحمد الله الذى وفق رسول رسوله لما يرضى به رسوله"

ترجمہ: جب جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن روانہ فرمایا تو پوچھا کہ کس چیز کے مطابق فیصلے کرو گے؟ انہوں نے عرض کیا کہ اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلے کیا کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر

تمہیں اللہ کی کتاب میں کوئی دلیل نہ مل سکے تو؟ انہوں نے عرض کیا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق فیصلے کرونگا۔ آپ نے استفسار فرمایا "اگر تمہیں سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں کوئی دلیل نہ مل سکے تو؟ انہوں نے عرض کیا "اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا"۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "ساری تعریفیں اس اللہ کی ہیں جس نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نمائندے کو اس چیز کی توفیق عطا فرمائی جس سے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) راضی ہو گئے۔

مندرجہ بالا تفصیل سے پتہ چلا کہ اجتہاد ہمیشہ اس چیز میں ہوتا ہے جس میں کتاب اللہ و سنت رسول اللہ سے کوئی دلیل نہ مل سکے۔ اجماع بھی کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کے زمرے میں سے ہے۔ لہٰذا جنہوں نے کہا کہ یہ مسئلہ اجتہادیہ ہے انہوں نے یہ اعلان کر دیا کہ ہمارے پاس دونوں میں سے کسی ایک کی بھی افضلیت بذریعہ دلیل قطعی ثابت نہ ہو سکی جو بنائے عقیدہ بن سکے لہٰذا اس کو ہم مسئلہ اجتہادیہ قرار دیتے ہیں۔ اگر قرآن وحدیث سے ان دو (ابوبکر رضی اللہ عنہ صدیق اور علی رضی اللہ عنہ مرتضٰی) میں سے کسی کی بھی افضلیت کی دلیل قطعی مل جاتی تو یہ مسئلہ (افضلیت) ظنی بھی نہ ہوتا اور اجتہادی بھی نہ ہوتا لہٰذا جن حضرات نے افضلیت کو قطعی و اجماعی قرار دینے کی کوشش فرمائی ہے انہوں نے اسلاف کی خلاف ورزی فرمائی ہے۔

☆☆☆☆☆

سخن اوّلیں

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الکَرِیْم مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن.

امتوں کے اُتار چڑھاؤ میں اختلافِ رائے ایک فطری بات ہے۔ اسلام سے قبل کے مذاہب میں اپنی اپنی رائے سے مختلف راہوں پر چل نکلنا پایا گیا ہے۔

فا فترقت المجوس علی سبعین فرقة والیھود علی احدی و سبعین فرقة والنصاری علی ثنتین وسبعین فرقة و المسلمون علی ثلاث و سبعین فرقة (کتاب الملل والنحل للشھرستانی ج ۱ ص ۱۱)
(آتش پرست ستر فرقے ہوئے یہود اکہتر فرقے ہوئے۔ نصارٰی بہتر فرقے ہوئے اور مسلمان تہتر فرقے ہوں گے)

والناجیة ابداً من الفرق واحدة (اور نجات پانے والا ہمیشہ ایک ہی فرقہ ہوتا ہے)

ومن المحال الحکم علی المتخاصمین المتضادین فی اصول المعقولات بانھما محقان صادقان (کتاب الملل والنحل للشھرستانی ۱/۱۱)

یہ امر اصولِ معقولات میں محال ہے کہ متخاصمین متضادین پر حکم لگایا جائے کہ دونوں حق پر ہیں۔ قرآنِ حکیم بھی اسی مفہوم کی تائید کرتا ہے:

وَمِمَّنْ خَلَقْنَا اُمَّةٌ یَھْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ یَعْدِلُوْنَ (سورہ اعراف/۱۸۱)

☆ ترجمہ: ہمارے بنائے ہوؤں میں ایک گروہ وہ ہے کہ حق بتاتے ہیں اور اُسی پر انصاف کرتے ہیں۔ (اعلٰی حضرت رحمۃ اللہ علیہ)

☆ترجمہ: ان میں سے جنھیں ہم نے پیدا فرمایا ایک امت ہے جو راہ دکھاتی ہے۔حق کے ساتھ اور حق کے ساتھ ہی عدل وانصاف کرتی ہے (پیر کرم شاہ صاحب الازھری رحمۃ اللہ علیہ)

☆ترجمہ: یہ گروہِ حق پژوہ علماو ہادیان دین کا ہے۔اس آیت سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ ہر زمانے کے اہلِ حق کا اجماع حجت ہے۔اور یہ بھی ثابت ہوا کہ کوئی زمانہ حق پرستوں سے اور دین کے ہادیوں سے خالی نہیں ہوگا۔(خزائن العرفان سید نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ)

اور اس پر حدیث بھی گواہ ہے:

لا تزال طائفة من امتی ظاھرین علی الحق الی یوم القیامة (کتابِ الملل والنحل ۱/۱۱) (میری اُمت کی ایک جماعت قیامت تک حق پر قائم رہے گی)

سرکارِ دو جہاں جنابِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیثِ مبارک بقیہ تفصیلات بھی بیان کرتی ہے: **ستفترق امتی علی ثلاث و سبعین فرقة الناجية منها واحدة والباقون ھلکی. قیل ومن الناجية قال اھل السنة والجماعة. قیل ما السنة والجماعة. قال ما انا علیه الیوم واصحابی** (کتابِ الملل والنحل ۱/۱۱)

ترجمہ: میری اُمت عنقریب تہتر فرقوں میں بٹ جائیگی۔جن میں سے صرف ایک نجات پانے والا ہے۔اور باقی ہلاک ہونے والے ہیں: عرض کیا گیا کون نجات پانے والے ہیں؟ ارشادِ گرامی ہوا: (وہ) اہل السنّت والجماعت ہیں۔عرض داشت ہوئی: اہل السنّت والجماعت کیا چیز ہے؟ ارشادِ گرامی ہوا (وہ) وہ چیز ہے جس پر آج میں ہوں اور میرے صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم) ہیں۔

اب یہ دیکھنا ہوگا کہ حضور پرنور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی کے پورا ہونے کا حرفِ آغاز کیا ہے۔سب سے پہلے فرقے جو پیدا

ہوئے۔اُن میں سرِ عنوان خوارج تھے جس خدشے کا اظہار سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا، اسکا ظہور خوارج سے ہوا۔اب دیکھنا یہ ہے کہ انکے نظریات و معتقدات کیا تھے؟۔سنی ہونے کیلئے ان سے بچنا ضروری ہوگا۔

خوارج کا سب سے پہلا اقدام حضرت ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۳۳۰ھ) کے قلم سے ملاحظہ فرمایئے: **اجمعت الخوارج علی اکفار علی** رضی اللہ عنہ **ابن ابی طالب** (مقالات الاسلامیین ج ۱ ص ۱۶۷)

(خارجیوں نے جنابِ علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے کافر کہنے پر اجماع کرلیا)۔یعنی یہ بات متفق علیہ ٹھہری کہ حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کافر ہیں، انکے کفر میں کوئی شک نہیں (نعوذ باللہ)

البداية و النهاية ۷۔۲۷۹ مصنفه ابنِ کثیر (م۷۷۴ھ) میں ہے کہ خوارج پڑھے لکھے لوگ تھے۔جنکی تعداد کم از کم ۱۲۰۰۰ یا زیادہ سے زیادہ ۱۸۰۰۰ یا کم وبیش تھی۔مگر بھاری تعداد میں تھے۔اتنے پڑھے لکھے لوگوں کا تکفیر علی مرتضی رضی اللہ عنہ پر متفق ہو جانا تاریخ کا ایک بہت بڑا المیہ ہے۔جس نے جنابِ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بعد سب سے پہلے اسلام قبول کیا اور پرچمِ اسلام کو بلند کرنے کے لیے سینکڑوں مرتبہ موت کے منہ سے گزرا۔اسکو کافر کہنا؟

سویا ہے کہاں جاگ اب اے فتنۂ محشر
رسوا کبھی یوں دینِ پیمبر نہ ہوا تھا

ایسا نمازی کہ جسکی نمازِ عصر کیلئے ڈوبا ہوا سورج واپس لوٹا تھا، ایسا غازی کہ جس کی ضربِ یداللّٰھی سے عمرو بن عبدِوُد اپنی کھوپڑی، بدن، زین اور گھوڑے سمیت دو ٹکڑے ہوا تھا جس پر سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ سے دادِ شجاعت

یوں ملی تھی کہ علی مرتضٰی کی تلوار کا ایک وار میری تمام امت کے اعمال سے افضل ہے:

۱۔ افضل من عمل امتی الی یو م القیامۃ (تفسیرِ کبیر ۳۲/۳۱ مصنفہ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۶۰۶ھ)

یعنی علی مرتضٰی رضی اللہ عنہٗ کا یہ ایک وار میری پوری اُمت کے یومِ قیامت تک کئے جانے والے اعمال سے افضل ہے۔

۲۔ لضربۃ علی خیر من عبادۃ الثقلین (سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ شرح مواقف ۸۔۴۰۴) (علی مرتضٰی ؓ کی (یومِ خندق) کی ایک ضرب جنوں اور انسانوں کی عبادت سے افضل ہے)

۳۔ لمبازرۃ علی ابن ابی طالب یوم الخندق افضل من اعمال امتی الی یوم القیامۃ (مدارج النبوۃ ج۲ ص۱۷۱)

ترجمہ (خندق کے دن علی المرتضٰی ؓ کی معرکہ آرائی میری قیامت تک آنے والی امت کے تمام اعمال سے افضل ہے)

جس کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے من کنت مولاہ فعلی مولاہ فرمایا تھا یعنی جس کا میں مولا ہوں اسکا علی مولا ہے (امام احمد رحمۃ اللہ علیہ و امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ بحوالہ مشکوٰۃ شریف ص ۵۶۴)

قال لعلی انت منی بمنزلۃ ھا رون من موسی الا انہ لا نبی بعدی (متفق علیہ مشکوٰۃ شریف ۵۶۳)

ترجمہ: جنابِ مرتضٰی ؓ سے فرمایا تو میری نسبت ایسا ہی ہے جیسا کہ ہارون علیہ السلام جناب موسیٰ علیہ السلام کی بہ نسبت تھے۔

اگرچہ اس فرقے کی داغ بیل عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پڑ چکی تھی۔ مگر اس وقت اسکا نام خارجی نہیں تھا۔ اس وقت انہیں منافقین کہتے تھے۔ جنابِ اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا نے حدیثِ مرفوع روایت فرمائی:

لا یحب علیا منافق ولا یبغضہ مومن (ترمذی ۲۔۲۳۵)

ترجمہ: (کوئی منافق حضرتِ علی ؓ سے محبت نہیں کرتا (نہیں کرے گا) اور کوئی مومن جنابِ مرتضٰی ؓ سے بغض نہیں رکھتا (نہیں رکھے گا)

اسی وجہ سے جناب ابوسعید خدری ؓ فرماتے ہیں: ان کنا لنعرف المنافقین نحن معشر الانصار ببغضھم علی ؓ ابن ابی طالب (ترمذی ۲/۲۳۵)۔ ترجمہ: واقعہ یہ ہے کہ ہم لوگ جو جماعت انصار تھے منافقین کو بغض علی مرتضٰی ؓ کی وجہ سے پہچانتے تھے۔

خوارج کے عقائد:

اب خوارج کے عقائد کا ایک اجمالی جائزہ لیجئے۔ انکے عقائد کی تفصیل کیلئے ایک مستقل کتاب چاہیے۔ جو موضوعِ تحریر سے خارج ہے۔ البتہ چند عقائد جو اس وقت ہمارے مضمونِ تحریر سے علاقہ رکھتے ہیں، حسبِ ذیل ہیں:

(۱) جنابِ مولا مرتضٰی ؓ کو کافر کہنے پر انکا اتفاق تھا۔ یعنی اہلِ بیت کے خلاف انتہا پسندانہ رویہ، جنکی محبت قرآن میں فرض تھی۔ انکے بارے میں بغض کو اپنی نشانی بنالیا۔

یا اھل بیتِ رسول اللہ حبکم
فرض من اللہِ فی القرآن انزلہ (امام شافعیؒ)

(اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر والو! تمہاری محبت اللہ کی طرف سے فرض ہے قرآن میں جسے اس نے نازل فرمایا ہے)۔(الصواعق المحرقہ ص۱۷۳)

حضرتِ امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبے میں ارشاد فرمایا:

انا من اھل البیت الذین افترض اللہ مودتھم علی کل مسلمٍ

(الصواعق المحرقہ ص۲۲۶) ترجمہ: (میں امامِ حسن رضی اللہ عنہ ان اہلِ بیت میں سے ہوں جنکی محبت کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے)۔

نیز سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ ہے:

والذی نفسی بیدہ لا یبغضنا اھل البیت احد اِلّا ادخلہ اللہ النار .

ترجمہ: (ہم اہلِ بیت کو کوئی برا نہیں سمجھے گا مگر اللہ تعالیٰ اُسے جہنم کی آگ میں داخل کرے گا (یہ حدیث صحیح ہے) (الصواعق المحرقہ ص۱۷۲)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیثِ مرفوع روایت کی ہے:

من ابغض اھل البیت فھو منافق (الصواعق المحرقہ ص۱۷۲)

ترجمہ (جو اہل بیت سے بغض رکھے وہ منافق ہے)

اِن شواہد کی موجودگی میں خوارج کا اپنی خصوصی نشانی بغضِ اہلِ بیت کو قرار دینا اسلام سے عملاً خروج کی ایک بیّن شہادت ہے۔اسی لیے بہت سارے اکابرین اہلِ سنت نے انھیں کافر قرار دیا ہے۔

(۲) دوسرا عقیدہ: خوارج، حضراتِ شیخین کریمین رضی اللہ عنہما دونوں کی شان میں غلو کرتے تھے۔یعنی جو شانیں انہیں اللہ تعالیٰ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ سے

ملی ہیں اُن سے بہت آگے بڑھ جاتے تھے۔اور جنابِ مولا مرتضی رضی اللہ عنہ کے بغض میں بھی غلو کرتے تھے۔(ذیلی مقالات الاسلامیین ۱۔۱۶۷)

(۳)۔ جنابِ حیدرِ کرار رضی اللہ عنہ وجنابِ عثمانِ ذی النورین رضی اللہ عنہ کے تبرے کو شرط نکاح قرار دیتے تھے اور کہتے تھے جو جنابِ مرتضی رضی اللہ عنہ وجنابِ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو تبرا نہ بھیجے اسکا نکاح نہیں ہوسکتا۔(کتابِ الملل والنحل للشہرستانی، ج ا ص ۱۱۵)

(۴) چوتھا عقیدہ انکا یہ تھا کہ خلافت میں قریشی ہونے کی شرط لغو ہے۔نسب کوئی چیز نہیں۔بلکہ خلیفہ کی ضرورت پیش آجائے تو ایک غلام کو، آزاد کو قبطی کو قریشی کو، یعنی کسی کو بھی بلا شرطِ نسب خلیفہ بنا سکتے ہیں۔(الملل والنحل للشہرستانی ج ا ص ۱۱۶)

دورِ حاضر میں جو سنی حنفی کہلانے والے کہتے ہیں نسب کوئی چیز نہیں۔میں نہایت ادب سے سوال کرونگا یہ عقیدہ تو خارجیوں کا ہے، آپ کے ہاتھ کیسے لگا؟

افضل الامت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جب خلیفہ بنایا جانے لگا۔تو انصار نے کہا: مِنّا اَمیرٌ وَ مِنکُم اَمیر (ایک امیر ہمارا ہوگا ایک امیر تمہارا ہوگا) تو جنابِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذاتِ ستودہ صفات نے ارشاد فرمایا، حضور سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: **الائمة من القریش** (امام العصر (خلیفہ وقت) قریش میں سے ہوگا)، اس وقت جملہ انصار خاموش ہوگئے۔اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم کے مطابق قریشی ہونے پر خلافت کا انحصار ہوا جو کہ کسی تقوے یا علم یا دوسرے عمل کا نام نہیں بلکہ صرف نسب کا نام ہے۔پتہ چلا حضور سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال پاک کے بعد پہلا فیصلہ جس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت حقہ طے پائی، اسکا پہلا مبنی نسب

ہے۔خلیفہ کے قریشی ہونے پر اجماع ہو گیا جو کہ ایک حجتِ شرعیہ ہے تو پھر مطلقاً نسب کا انکار کسطرح اسلام کہلائے گا؟

اِن حوادث کے بعد مختلف فتنے کھڑے ہوئے۔جنکا انسداد اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا: **لکل خلف من امتی عدول من اھل بیت** (میری اُمت کی ہر نئی کھیپ کیلئے میری اہلِ بیت سے ایک عدول ہوگا (حق پر ہوگا) جو میری امت کے کام آئے گا) (صواعقِ محرقہ)

حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ نے سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مرفوعاً روایت کی ہے: **النجوم امان لاھل السماء واھل بیتی امان لامتی** (صواعقِ محرقہ)۔(ستارے اہلِ سماء کیلئے قیام وبقا کا ذریعہ ہیں اور میری اہلِ بیت میری اُمت کیلئے قیام وبقا کا ذریعہ ہے)۔

اس سلسلے میں اس دور کی مثال لیجئے۔جس میں حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع ہو گیا۔مگر فتنہ وفساد کی آگ بھڑکتی چلی گئی۔جنابِ حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے قوم کو خونریزی سے بچانے کیلئے کرسیء اقتدار جنابِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے فرما کر فتنہ وفساد کی آگ کو ٹھنڈا کیا۔اُس وقت کتنے ہی فرقے پیدا ہو چکے تھے اور کتنے ہو چلے تھے۔مگر امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے اقتدار کی قربانی دیکر اور اپنے خوشگوار مستقبل کو نظر انداز فرما کر اُمت کو ہلاکت خیز حوادث سے بچالیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس بشارت کو پورا فرمایا جو آپ نے منبر پر بیٹھ کر فرمائی تھی:

ان ابنی ھذا سیدٌ ولعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین عظیمتین من

المسلمین (بخاری شریف)۔(یہ میرا بیٹا سردار ہے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں اس کے ذریعے سے صلح کرائے گا)۔

علیٰ ھذا القیاس سیدنا امام زید رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں (ہشام بن عبدالملک کے عہد میں) کوفہ میں اہلِ باطل سے ٹکر لی (مقالات الاسلامیین، ابوالحسن اشعری ۱/۱۵۳)۔جنہیں حضرتِ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے ۳۰،۰۰۰ ہزار درہم بطورِ نذرانہ پیش کئے تھے۔اور بطورِ مریدِ خاص انکی حمایت کا اعلان بھی کیا تھا۔(نور الابصار فی مناقبِ اہلِ بیت النبی المختار)

سید نفسِ زکیہ رضی اللہ عنہ کی رودادِ زندگی بھی اسی سے ملتی جلتی ہے جو ابو منصور جعفر کے مقابلے میں نبرد آزما ہوئے اور جن سے ارادت کا تعلق امام مالک رضی اللہ عنہ نے بنایا تھا اور عملاً ساتھ دیکر جیلیں کاٹیں۔جو ہوا سو ہوا، مسلم سوسائٹی سے مخفی نہیں (مقالات الاسلامین۔ابوالحسن اشعری ۱/۱۵۴)

الحاصل جن فرقوں کی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نشاندہی کی اکثر وبیشتر انکی مزاحمت اہلِ بیت کے جیالے سپوتوں اور انکے ماننے والے ائمہ اہل سنت مثل امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل (رحمہم اللہ علیہم) نے کی۔

اگر پوری امت کا جائزہ لیں اور آخر تک پہنچ جائیں تو آپ کو آخر میں دو حوالے ملیں گے۔جن سے انہی پرانے معنوں کی تائید ہوگی۔یعنی پاکستان بنانا اس میں امیر و مجددِ ملت سید پیر جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ کا ہندوستان بھر میں آل انڈین نیشنل کانگرس کو شکست دینا اور سیاسی لیڈروں کے

دست بردار ہو جانے کے زمانے میں بھی تحریکِ آزادی کے جھنڈے کو نہ گرنے دینا، اس سے اس حدیث کی تفسیر ہوتی ہے:

ستارے اہلِ سماء کیلئے قیام وبقا کا ذریعہ ہیں اور میری اہلِ بیت میری اُمت کیلئے قیام وبقا کا ذریعہ ہے۔ (صواعقِ محرقہ)

اور رئیس المجد دین فاتح قادیانیت سید پیر مہر علی شاہ صاحب گیلانی گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ نے چودھویں صدی کے دجال مرزا قادیانی کو ایسی شکست فاش دی کہ قیامت تک صفحۂ ہستی پر یادگار رہے گی۔ ملک بھر میں اہلِ حق نے مساعی جمیلہ کیں لیکن جس کے مقدر میں یہ فتح تھی، اسکو عطا ہوئی۔ اس سلسلے میں پیر سید جماعت علی شاہ صاحب مجددِ علی پوری کی کاوشیں بھی کچھ کم نہ تھیں، یہ دونوں فرزندانِ فاطمہ رضی اللہ عنہا دوش بدوش رہے۔ قیامت کے قریب چل کر ان سب فرقوں کی جو بیخ کنی کرے گا وہ بھی اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوگا جس کا نام امامِ مہدی آخر الزمان علیہ السلام ہے۔

فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

فضائل جمع فضیلت کی ہے۔ اور خلافِ نقیصہ کا نام ہے جیسا کہ فضل خلافِ نقص کو کہتے ہیں۔ اور یہاں فضائل سے مراد خصال حمیدہ اور شمائل پسندیدہ ہیں۔ اصحاب صحب کی جمع ہے جیسے فرخ کی جمع افراخ ہے (جوہری)

صحابی کی تعریف:

جس شخص نے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت پائی یا سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا بحالتِ اسلام اور اسی پر اسکی موت واقع ہوئی وہ صحابی ہے (عینی شرح بخاری ۱۶/۱۶۹)

یہ تعریف جامع ہے، اسمیں جس نے صحبت پائی مگر نابینا ہونے کی وجہ سے دیکھ نہیں سکا جیسا کہ عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کہ وہ بھی صحابی ہیں اور جس نے صرف دیکھا ہی ہے۔ حالتِ اسلام میں وہ بھی صحابی ہے۔

اسلام کی شرط اسلئے لگائی تاکہ وہ کفار بھی نکل جائیں جنھوں نے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو تھا مگر مسلمان ہو کر نہیں دیکھا تھا۔ اسلئے وہ بھی صحابی نہیں کہلا سکے۔ اسلام پر مرنے کی شرط اس لیے لگائی جو لوگ صحابی بننے کے بعد مرتد ہو گئے وہ بھی صحابہ سے خارج کر دیے جائیں۔ جیسا کہ ابنِ خطل، ربیعہ بن امیہ، مقیس بن صبابہ وغیرہ کہ یہ لوگ صحابی بننے کے بعد مرتد ہو گئے اور پھر توبہ نہ کر سکے۔

نیز یہ کہ صحابی ہونے کیلئے بلوغت بھی شرط نہیں۔ اسی وجہ سے نابالغ کم عمر صحابہ بھی صحابہ ہیں جیسا کہ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما اور دوسرے کم عمر صحابہ رضی اللہ عنہم بھی صحابہ ہیں حتیٰ کہ جس نے صرف ایک مرتبہ دیکھا ہے (اور اسکی موت اسلام پر ہوئی ہے) اسے علمائے حدیث صحابی شمار کرتے ہیں (عینی شرح بخاری ۱۶/۱۶۹ متوفی ۸۵۵)

اور جو شخص صحابہ میں سے مرتد ہوا، دوبارہ مسلمان ہوا مگر سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دوبارہ نہیں دیکھ سکا وہ بھی صحابی ہے۔ جیسا کہ اشعث بن قیس صحابی تھے مرتد ہو گئے توبہ کر کے دوبارہ مسلمان ہو گئے اور اسطرح جن دوسرے لوگوں نے بھی ایسا کیا محدثین انکے صحابی ہونے پر متفق ہیں۔ اور مسانید میں انکی احادیث اخراج کی گئی ہیں۔ (عینی شرح بخاری ۱۶/۱۶۹)

ایک طبقہ نے صغیر غیر ممیّز کو بھی صحابی کہا ہے۔ جسے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

گھٹی ڈالی یا دعا فرمائی اور نظرِ کرم فرمائی جیسے عبداللہ بن حرث بن نوفل ؓ اور عبداللہ بن
ابی طلحہ ؓ انصاری و محمد بن ابی بکر صدیق ؓ (ارشاد الساری شرح بخاری)

مندرجہ بالا تفصیلات کی روشنی میں وہ جنات بھی صحابی کہلائیں گے جنہوں
نے مندرجہ بالا شرائط کو پورا کیا ہوگا۔ نیز اگر ملائکہ کی طرف سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے
مبعوث ہونے کا قول معتبر سمجھا جائے تو ملائکہ بھی صحابی ہونگے جنہوں نے سرکار صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی ہوگی۔ (ارشاد الساری شرح بخاری ۶/۷۹)

امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۸۵۲) فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے
سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد دفن کرنے سے پہلے دیکھا تو اسکو بنا بر قولِ راجح
صحابی نہیں کہا جائے گا۔ (فتح الباری شرح بخاری ۷/۴)

امام کرمانی شارح بخاری سوالاً جواباً صحابی کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد
فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال پاک کے بعد
دفن کرنے سے پہلے زیارت کرلی تو وہ بھی صحابی ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ابو بکر صدیق ؓ پہلے وہ شخص ہیں جن کو حضرت نبی کریم روف رحیم
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہلا خلیفہ برحق بننے کا شرف حاصل ہوا اور خلافت کے اعتبار سے
اس عظمت کا انسان نہ ہی پہلی امتوں میں کوئی گزرا ہے اور نہ ہی اس امتِ محمدیہ علیٰ
صاحبہا الصلاۃ والسلام میں کوئی ہے۔ (یہ مذہب جمہور اہل سنت کا ہے)

آپکا اسمِ گرامی عبداللہ بن ابی قحافہ عثمان بن عمرو ہے۔ اور آپکا شجرہ نسب مرہ

بن کعب پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جاملتا ہے۔ آپکا نسبی لقب قریشی تیمی ہے۔

آپکا اسلامی لقب عتیق ہے، عتیق بمعنی آزاد، چونکہ آپ نارِ جہنم سے قطعاً و
یقیناً آزاد ہیں۔ لہذا آپکو عتیق کا لقب بارگاہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ارزانی
ہوا اس لقب کی یہی وجہ ترمذی شریف میں بتائی گئی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ نام آپکے جمالِ
ظاہری وصورتِ زیبا کی وجہ سے مرحمت فرمایا گیا ہو۔ اس وجہ تسمیہ کی توثیق مصعب بن
زبیر نے جو آپکے نواسے ہیں، لیث بن سعد اور ایک جماعت سے فرمائی ہے۔ اور ایک
وجہ یہ بھی بتائی گئی ہے کہ چونکہ آپکے نسب میں کوئی عیب تسلیم نہیں ہوا اس لیے آپ کو
عتیق کہا گیا۔ (تاریخ الخلفاء علامہ جلال الدین سیوطیؒ ۲۸/۲۹)

لقب عتیق کی ایک وجہ یہ بھی بتائی گئی ہے کہ آپکی والدہ صاحبہ کی اولاد زندہ نہیں
رہتی تھی۔ تو آپکی ولادت پر آپکی والدہ آپ کو لیکر خانہ کعبہ کے سامنے لائیں تو بحضور
کردگار عرضداشت پیش کی: اے اللہ تعالی یہ بچہ موت سے بچ گیا ہے یہ مجھے عطا فرما
دے۔ (ابن مندہ وابن عساکر بروایت موسی بن طلحہ۔ تاریخ الخلفا، السیوطی ۲۸/۲۹)

ابن عساکر نے ایک روایت سیدہ عائشہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا سے بھی کی ہے
کہ آپکے خاندان نے آپکا نام عبداللہ رکھا مگر روزانہ کی بول چال میں عتیق غالب آیا۔ مگر
سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاص طور پر آپکا نام عتیق رکھ دیا۔ جنابِ اُم المومنین
سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا کہنا ہے کہ میں ایک دن گھر میں بیٹھی ہوئی تھی اور جناب نبی
پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپکے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی صحن میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اور
درمیان میں ایک پردہ لٹکا ہوا تھا کہ ناگاہ حضرت ابو بکر صدیق ؓ آنکلے تو سرکارِ دو عالم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص عتیق (جہنم کی آگ سے مکمل آزاد) کو دیکھنا چاہے وہ جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھے۔ (مسندِ ابویعلی، طبقات ابن سعد۔ حاکم)

''صدیق'' کا لقب

اسکے متعلق ایک قول یہ ہے کہ آپکی زندگی اسقدر پاکیزہ اور سچائی کا پیکر تھی کہ دورِ جاہلی میں بھی آپکو لوگ صدیق کہا کرتے تھے۔ اس نورانی لقب کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی خبر دیتے تو جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسکی تصدیق کرنے میں جلدی کرتے تھے۔ اور بلا تامل اسکی سچائی پر جزم کا اظہار کرتے تھے اسی وجہ سے آپکو ''صدیق'' کہا گیا۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے بحوالہ شاہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ و قتادہ رحمۃ اللہ علیہ: جونہی صبح شب معراج ہوئی، قصہ شبِ معراج مکہ شریف و نواح مکہ میں بادِ نسیم کی طرح پھیل گیا۔

جنابِ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بحوالہ مستدرک حاکم فرماتی ہیں:

مشرکین جنابِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آپہنچے اور کہنے لگے تمہیں تمہارے دوست کی بات بتائیں؟ انہوں نے کہا: اس تمہارے دوست کو زعم ہوا ہے کہ اسے آج رات بیت المقدس شریف تک سیر کرائی گئی۔ جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا انہوں نے یہ بات فرمائی ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں۔ تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بول اٹھے: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ فرمایا، میں اس سے بھی بڑھ کر انکی آسمانی اخبارات کی صبح و شام تصدیق کرتا ہوں۔ اس وجہ سے آپ کو ''صدیق'' کہا گیا۔ اس حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ اور ابوھریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی روایت کیا۔

ابن عساکر اور سعید بن منصور نے اپنی سنن میں بھی یونہی ذکر کیا ہے کہ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس رات واپس تشریف لائے جسمیں آپکو سیر کرائی گئی۔ جب ذی طوی کے مقام پر تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جبریل میری قوم تو میری بات کی تصدیق نہیں کرے گی۔ تو جبریل امین نے بارگاہ رسالتماب میں عرض کیا۔ ''ابوبکر رضی اللہ عنہ آپکی تصدیق کریں گے اور وہ تصدیق کرنے والے ہیں''۔

مستدرک میں ہے کہ نزال بن سبرہ کہتے ہیں ہم نے جنابِ علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا۔ کہ آپ جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کچھ بتائیں۔ آپ نے فرمایا: کہ وہ (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) ایک ایسا شخص ہے جسکو اللہ نے جبریل امین کی زبان سے صدیق کے نام سے موسوم کیا۔ اور سرکارِ دو عالم کی زبان گوہر فشاں سے بھی۔ وہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نماز میں خلیفہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ہمارے دین کیلئے پسند کیا اور ہم نے اپنی دنیا کے لئے بھی انھیں ہی پسند کیا۔ صبح شب معراج کو کچھ لوگ مرتد ہوگئے جو گزرے ہوئے دن تک صحابہ کی صفوں میں بیٹھتے تھے۔

(زرقانی شرح المواہب اللدنیہ ۸/۴)

اس دن ثابت قدم رہنا اور للکار کر کفارِ مکہ کی اجماعی آراء کا مقابلہ کرنا یہ ماں کے لعلوں کا کام تھا۔ جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کر دکھایا۔ اس وجہ سے آپ کو صدیق کہا گیا۔ اگرچہ اس تصدیق و استقامت میں حضرتِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ و حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ و حضرت مولا مرتضی رضی اللہ عنہ بھی شریک کار تھے۔ مگر اسمیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا کردار نمایاں طور پر ممتاز رہا۔

حضرت ابوبکر صدیق ﷛ کی ولادت

حضرت ابوبکر صدیق ﷛ کی ولادت باسعادت سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت پاک کے دو سال اور کچھ ماہ بعد ہوئی۔ اور آپ نے تریسٹھ سال اور کچھ ماہ کی عمر میں جہانِ فانی کو الوداع کہا اور غار کی یادگار کو مزار میں دہرایا۔ (تاریخ الخلفاء، امام سیوطی)

قبل از اسلام حیات مبارکہ

آپکی پیدائش بھی مکہ شریف میں اور پرورش ونشوونما بھی اسی مقدس شہر میں ہوئی اور اپنی قوم میں انتہائی مالدار آدمی تسلیم ہوتے تھے اور مکہ مکرمہ سے سوائے تجارتی مقاصد کے کبھی باہر تشریف نہیں لے گئے اس شہر میں پیدا ہونا اور برگ وبار لانا اور نیکی ودیانتداری کے ساتھ زندگی گزارنا۔ جسمیں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ نیکی ہو اور جسمیں ایک لاکھ چوبیس ہزار سے کم وبیش نبی ورسول طواف کے لئے اور حج کیلئے چل کر آئے ہوں۔ (قواعد الاحکام فی مصالح الانام ۱/۳۹، مصنفہ عزالدین بن عبدالعزیز بن عبدالسلام، متوفی ۶۶۰ھ)

انسانی معاشرہ نے جس کا بے داغ کردار دیکھا ہو اور سوسائٹی کے فلاحی کام بے لوث طریقے سے انجام دیے ہوں اُسکے اسلام نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشن میں نہ مٹنے والی یادگاریں چھوڑیں، اور سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال پرملال کے بعد اس معیار کو قائم رکھنا افضل الامت کی خصوصیت ہوسکتی ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق ﷛ کا قانونی مقام

حضرت ابوبکر صدیق ﷛ دورِ جاہلی میں روسائے قریش میں سے تھے اور انکی مشاورتی کونسل کے ممبر تھے (Member of Parliament) اس معاشرے میں بڑے پسندیدہ آدمی تھے۔ اور انکے پورے تہذیب وتمدن کے ممتاز دانشور اور قانونِ حقوق و جرائم (Civil & Criminal law) کے ایک ترقی یافتہ قانون دان تسلیم ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ دیتوں اور تاوانوں اور جرمانوں کے آپ ہی فیصلہ کن جج تھے۔ اور آپ ان دس ممتاز شخصیات میں طرہ امتیاز رکھتے تھے جن کو دورِ جاہلی میں بھی اور اسلام میں بھی فکری، علمی، قانونی اور اخلاقی ریاست حاصل تھی۔ ان قانونی امور کے انکے حصے میں آنے کی وجوہات یہ تھیں۔

اس وقت کا جو نظامِ حکومت تھا وہ اشرافیہ (Aristocracy) سے ملتا جلتا تھا۔ یعنی قبائل کے نمائندگان پر حکومت مشتمل تھی۔ اور ہر سردارِ قبیلہ اپنے اپنے قبیلے کا سربراہ (Sovereign) مانا جاتا تھا۔ اور مرکزی مدّیں (Centeral seats) چند مرکزی قبائل کے سپرد تھیں مثلاً: سقایہ اور رفادہ بنی ہاشم کے سپرد تھیں۔ جسکے معنی تھے زائرین کعبہ میں سے کوئی شخص دوسرے قبیلے کے دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا نہیں کھائیگا اور نہ ہی پانی پیئے گا۔ حجابہ، لواء اور ندوہ کی مدیں قبیلہ عبدالدار کے پاس تھیں جسکے معنی یہ تھے کہ کوئی شخص کعبہ شریف میں انکی اجازت کے بغیر داخل نہیں ہوگا۔ اور جب بھی کبھی علمِ جنگ بلند ہوگا یعنی کسی قبیلے کے ساتھ جنگ ہونا قرار پائے گی، تو اسکا جھنڈا بھی عبدالدار باندھیں گے اور باضابطہ اعلان وہی کریں گے۔ اور

جب کبھی کوئی معاہدہ کیا جائے گا یا توڑا جائے گا تو اسکے لیے اجتماع بھی دارالندوہ میں ہوگا۔اور وہ میٹنگ ہال بھی قبیلہ عبدالدار کی ملکیت تھی۔

ان حالات میں قتلوں کی دیّت اور دیگر جرمانے کسی ایسے آدمی کے حوالے کیے جاسکتے تھے جو ان سب قبائل کو قابلِ قبول ہو ایسی جامع اور ہمہ گیر شخصیت حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذاتِ ستودہ صفات ہوسکتی تھی۔لہذا انھیں یہ اعلیٰ ترین عدالتی ذمہ داریاں تفویض کی گئیں۔

اُم المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جنابِ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک قانون دان اور ٹھوس حقائق کے عادی ہونیکی وجہ سے دورِ جاہلی میں کبھی شعر نہیں کہا (اور دولت وسیاسی وقانونی اقتدار کے ہوتے ہوئے) اور کبھی شراب نہیں پی۔(ابن عساکر)

یہ وہ وقت تھا جبکہ عربوں کی محافل جام وسبو کی ٹھنکار سے شروع ہوکر مدہوشی پر ختم ہوا کرتی تھیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حلیہ مبارک

بقول حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا آپ رضی اللہ عنہ سفید رنگ کے شخص تھے۔آپکا بدن مبارک پتلا دبلا تھا۔آپ کے رخسار گان پر گوشت کم تھا اور دراز قامت ہونے کی وجہ سے آپ کی کمر مبارک میں کسی قدر خم تھا۔

آپ رضی اللہ عنہ کی ازار مبارک کولھوں پر اکثر ٹھہرتی نہیں تھی۔آپ کی آنکھیں گہری تھیں، پیشانی ابھری ہوئی تھی۔آپ کی ہاتھوں کی انگلیوں کے درمیانی فاصلوں میں گوشت کم تھا۔

حضرت اُم المومنین رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں: جنابِ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مہندی کتم (ایک عربی گھاس کا نام ہے) سے وسمہ لگایا کرتے تھے۔بقول حضرت انس رضی اللہ عنہ (انہوں نے دس سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں خدمت کی) سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں کھچڑی بالوں والا کوئی نہیں تھا۔سوائے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اور ان کھچڑی بالوں کو وسمہ کے ذریعے چھپالیا کرتے تھے۔

خضاب سیاہ میں اختلاف ہے۔مہندی والے خضاب میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ خضاب کو ناجائز کہتے ہیں۔اور خواجہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ چند شرائط کیساتھ اسے جائز کہتے ہیں۔علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ "عمدۃ القاری شرح بخاری" میں مشروط طور پر جائز اور مشروط طور پر ناجائز کہتے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں اس حدیث کا اخراج کیا: الست احق الناس بها؟ ای الخلافة الست اول من اسلم (کیا میں خلافت کا زیادہ حقدار نہیں ہوں؟ کیا میں وہ آدمی نہیں ہوں جو سب سے پہلے ایمان لایا؟)

ابن عساکر نے حارث سے اور انہوں نے جنابِ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کا اخراج کیا، آپ نے فرمایا: اول من اسلم من الرجال ابو بکر: (بالغ مردوں میں سب سے پہلے ابوبکر رضی اللہ عنہ ایمان لائے)۔

زید بن ارقم سے سندِ صحیح کے ساتھ ابنِ ابی خیثمہ نے حدیث کا اخراج کیا :

اول من صلی مع النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **ابو بکر الصدیق** (سب سے پہلے جس شخص نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی وہ ابوبکرؓ ہیں)۔

(کتاب کے اُس حصے میں جو حضرت علیؓ کی شان میں ہوگا اس میں اس حدیث کا ذکر کریں گے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ سب سے پہلا نمازی جس نے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی وہ حضرت علی مرتضیٰؓ ہے۔ اُس جگہ ان دونوں حدیثوں کی فنی حیثیت پر بحث کی جائے گی اور تطبیق کی صورت پیش کی جائے گی۔ انشاء اللہ)

ابن سعد نے بھی ابی اروی دوسی صحابی سے اس حدیث کا اخراج کیا:

قال : اول من اسلم ابو بکر. سب سے پہلے جو مسلمان ہوا وہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی ذاتِ ستودہ صفات ہے۔ بعض لوگوں نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پہلا مسلمان ہونے پر اجماع نقل کیا ہے (تاریخ الخلفاء، السیوطیؒ)

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

اول من اسلم علی سب سے پہلے جو مسلمان ہوا وہ علی مرتضیٰؓ ہیں اور کہا گیا جنابِ **خدیجۃ الکبریٰ** رضی اللہ عنہا پہلی مسلمان ہیں۔ ان اقوال کے درمیان ایک پر امن تطبیق جنابِ امام ابو حنیفہؓ نے دی ہے: حضرت ابو بکر صدیقؓ بالغ مردوں میں سے پہلے مسلمان ہیں اور نابالغوں میں سب سے پہلے مسلمان جنابِ علی مرتضیٰؓ ہیں اور جو عورتوں میں سب سے پہلے ایمان لائیں وہ جنابِ **خدیجۃ الکبریٰ** رضی اللہ عنہا ہیں۔ (تاریخ الخلفاء، السیوطیؒ)

مصنف ابن ابی شیبہ وابن عساکر میں سالم بن الجعد سے روایت ہے کہ میں

نے محمد بن الحنفیہ سے پوچھا: **هل كان ابو بكر اول القوم اسلاما ؟ قال لا فقلت فيما علا ابو بكر وسبق حتى لا يذكر غير ابى بكر قال لا نه كان افضلهم اسلاما من حين اسلم حتى لحق بربه.**

ترجمہ: میں نے محمد بن الحنفیہ سے کہا حضرت ابو بکر صدیقؓ سب قوم سے پہلے اسلام لائے تھے؟ انہوں نے کہا نہیں، میں نے کہا تو کس وجہ سے ابو بکرؓ چھا گئے اور سبقت کر گئے یہاں تک کہ ابو بکر کے سوا کسی کا ذکر ہی نہیں ہوتا۔ انہوں نے کہا اس وجہ سے کہ انکا اسلام سب سے اچھا تھا جب سے وہ ایمان لائے حتی کہ وہ اپنے رب تعالیٰ سے جا ملے۔

ابن عساکر نے سند جیّد کے ساتھ یہ حدیث اخراج کی ہے: محمد بن سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہم) نے اپنے والد سعدؓ سے سنا: **اكان ابو بكر الصديق اولكم اسلاما** (کیا حضرت ابوبکر صدیقؓ سب سے پہلے مسلمان تھے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ **ولكنه اسلم قبله اكثر من خمسة ولكن كان خيرنا اسلاما** (تاریخ الخلفاء، السیوطی) بلکہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے پہلے پانچ سے زیادہ افراد اسلام قبول کر چکے تھے لیکن انکا اسلام سب سے اچھا تھا۔

قال ابن كثير: والظاهر ان اهل بيته صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **آمنوا قبل كل احد زوجته خديجه ومولاه زيد و زوجة زيد ام ايمن وعلى و ورقه ۔**

ترجمہ: ظاہر بات ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلِ بیت سب سے پہلے ایمان لائے۔ آپ کی زوجہ مبارکہ جنابِ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا آپ کے غلام زیدؓ، انکی اہلیہ ام ایمن رضی اللہ عنہا، وجنابِ علی مرتضیٰؓ اور ورقہ بن نوفلؓ۔

امام ابومنصور عبدالقاہر بن طاہر تمیمی بغدادی متوفی ۴۲۹ھ اپنی کتاب اصول الدین ۹۔۲۹۸ میں ورطہ تحریر میں لاتے ہیں:

الصحابة علی مراتب ۔صحابہ کرام کے کئی مراتب ہیں **اعلا ھم رتبة السابقون منھم الی ا لاسلام** . مرتبہ میں سب سے اعلیٰ وہ لوگ ہونگے جو سب سے پہلے ایمان لائے۔**من سبق منھم من الرجال ابو بکر ومن اھل البیت علی ومن ا لنساء خدیجة ومن الموالی زید بن حارثة ومن الحبشة بلال ومن الفرس سلمان (رضی اللہ عنھم)** ان سب سے جس نے مردوں میں سبقت کی وہ ابوبکرؓ ہیں اہل بیت میں علیؓ غلاموں میں سے زید بن حارثہؓ ہیں حبشہ سے بلال ؓ ہیں اور اہلِ فارس میں سے سلمان ؓ فارسی ہیں۔**واختلفوافی علی وابی بکر فاکثر اصحاب التواریخ علی ان علیًا اسلم قبل ابوبکر بیوم.** پھر حضرت علی مرتضیٰؓ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں انہوں نے اختلاف کیا۔

تو اکثر اصحابِ تواریخ کا یہ موقف ہے کہ جنابِ علی مرتضیٰؓ جنابِ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ایک دن پہلے ایمان لائے۔محمد بن اسحاق بن یسار کا قول بھی اسی قول کی حمایت کرتا ہے:

اول ذکر من الناس آمن برسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **علی ابن ابی طالب (کرم اللہ تعالی وجھہ الکریم)** سب سے پہلا مذکر جو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لایا وہ علیؓ ہیں۔**ثم زید بن حارثہ مولا رسول اللہ** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **ثم**

ابو بکرؓ۔جنابِ علی مرتضیٰؓ کے بعد زید بن حارثہؓ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام ایمان لائے پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ ایمان لائے۔

اوّل المسلمین کون؟اختلافِ روایات:

اب یہ تحقیق کہ پہلا مسلمان ان دونوں بزرگ ترین ہستیوں میں سے کون ہے؟کسی دینی فائدہ اور ایمانی دلچسپی سے خالی نہ ہوگی۔

(۱) جنابِ مولا مرتضیٰؓ سے روایت ہے: **اول من اسلم من الرجال ابوبکر واول من صلی الی القبلة علی ابن ابی طالب خرجه ابن السمان** (ریاض النضرۃ، محبّ الدین طبری ۱۔۸۵)

حضرت علی مرتضیٰؓ کی روایت ہے کہ پہلا مسلمان ،مردوں میں سے،جنابِ ابوبکرؓ ہیں اور پہلا وہ شخص جس نے قبلہ کی طرف منہ کر کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی وہ علیؓ مرتضیٰ بن ابی طالب ہیں۔

اسی سے ملتی جلتی روایت جنابِ شعبی سے منقول ہے(یہ تابعی ہیں):

میں نے جنابِ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا جبکہ یہ بات پہلے آپ سے پوچھی جاچکی تھی:**ای الناس کان اول اسلاما**:سب لوگوں سے پہلے اسلام لانے والا کونسا شخص تھا،جنابِ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواباً فرمایا:تم نے حضرت حسانؓ کا قول نہیں سنا؟:

خیر البریه اتقاها واعدلها

بعد النبی و ا وفاها بما حملا

ساری مخلوق (بعداز نبی) سے وہ اچھا ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے اور سب سے زیادہ عادل ہے اور جو فرائض اپنے ذمے لئے تھے سب سے زیادہ اچھی طرح انھیں نباہنے والا ہے۔

والثانی التالی المحمود مشهده

واول الناس منهم صدق الرسل

دوسرا ہے (گنتی میں) جسکی شہادت پسندیدہ ہے (یا جسکی حاضری نماز میں پسندیدہ ہے) اور سب لوگوں سے پہلے رسول (یا سارے رسولوں) کی اس نے تصدیق کی۔

ثانی اثنین فی الغار المنیف وقد

طاف العدو بهم اذ صعد الجبلا

بلند پایہ، شاندار، ممتاز غار میں دو کا دوسرا تھا، حالانکہ دشمن انکے گرداگرد گھیراؤ کئے ہوئے تھے۔

وکان حب رسول الله قد علموا

من البریة لم یعدل به رجلا

لوگوں کو جنابِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے محبت کا علم تھا کہ وہ مخلوق میں سے کسی کو بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے برابر نہیں سمجھتے تھے۔

اور یہ اشعار سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں پڑھے۔ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیحد خوشی ہوئی جسکا معنی یہ ہے کہ یہ اشعار کہنے کو شعر ہیں مگر دستور کی نظروں میں یہ حدیثِ تقریری ہے۔ اس پر سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تحسین وآفرین فرمانا اسی معنی کی تاکید مزید ہے۔ (ریاض النضرۃ ج ۱ ص ۸۶)

ان اشعار سے (جو کہ حدیثِ تقریری ہیں) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سب سے اتقی واعلیٰ ہونا اور اپنے فرائض منصبی کا بعداز نبی، سب سے اچھا انجام دینے والا ہونا ثابت ہوتا ہے اور سب لوگوں سے پہلے تصدیق نبوت کرنے والا ثابت ہے، نیز دشمنوں کے جمگھٹوں میں مصائب وآلام برداشت کرنے میں دوسرے نمبر پر ہونا ثابت ہے۔

(۲) عن فرات بن السائب : قلت لمیمون بن مهران ابو بکر الصدیق اول ایمانا بالنبی ام علی بن ابی طالب ؟ قال : والله لقد امن ابو بکر بالنبی زمن بحیراا لراهب .فا ختلف فی ما بینه و بین خدیجه حتی انکحها ایاه وذالک کله قبل ان یولد علی بن ابی طالب

ترجمہ: فرات بن سائب کہتے ہیں میں نے میمون بن مہران سے پوچھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پہلے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے یا جنابِ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ؟ تو انہوں نے جواباً فرمایا: خدا کی قسم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تو بحیرا راہب کے دور میں سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے اور اسکے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جنابِ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان آمدورفت کی یہاں تک ان کا باہمی نکاح کرادیا۔ اور یہ سب باتیں جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ولادت سے قبل واقع ہوچکی تھیں۔

صاحبِ کتاب کے نزدیک یہ ایمان وہ نہیں ہے جو اصطلاحِ شرع میں ایمان کہلاتا ہے بلکہ اس سے مراد یقین ہے۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچائی کے بارے میں ہے۔ (انشاء اللہ اس پر تفصیلی تبصرہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کیفیتِ

ایمان میں آ جائیگا اور متکلمین کی آراء بھی آ جائیں گی)

(۳) عن ابن عباس ان ابا بکر صحب النبی صلی الله علیه و آله وسلم وھو ابن ثمان عشرة سنة وھم یریدون الشام فی تجارة حتی نزلوا منزلا فیه سدرة فنزل رسول الله صلی الله علیه و آلہٖ وسلم فی ظلھا ومضی ابو بکر الی راھب یقال له بحیرا یسئله عن الدین فقال من الرجل الذی فی ظل السدرة؟ فقال ذالک محمد بن عبدالله قال "والله ھذا نبی الله ما استظل تحتھا احد بعد عیسی بن مریم الا محمد" فوقع فی قلب ابی ابکر الیقین (ریاض النضرۃ، ۱۔۸۷)

ترجمہ: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سفرِ شام پر بغرضِ تجارت گئے اور ایک منزل پر فروکش ہوئے جہاں ایک بیر کا پیڑ تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسکے سایہ میں نزولِ اجلال فرمایا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ دین کے بارے میں دریافت کرنے کے لئے ایک راہب کے پاس چلے گئے جس کو بحیرا کہتے تھے۔ اس راہب نے دریافت کیا وہ کون مرد ہے جو پیڑ کے سائے میں بیٹھا ہوا ہے؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بن عبداللہ ہے۔ راہب نے کہا: خدا کی قسم یہ اللہ کا نبی ہے عیسیٰ ابن مریم کے بعد اسکے سائے میں کوئی نہیں بیٹھا سوائے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے، تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دل کو یقین آ گیا۔

ھذا یفسر قول میمون بن مھران وانه ارا د با سلام ابی بکر ما و قر فی قلبه من الیقین و الا فا لنبی تزوج خدیجه و سا فر الی الشام قبل مبعثه

یہ میمون بن مہران کے قول کی تفسیر کرتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہا اسلام سے مراد وہ یقین تھا جو (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچائی کے بارے میں) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دل میں بیٹھ گیا تھا۔ ورنہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے شادی اور سفرِ شام اپنی بعثت سے پہلے کیا تھا۔ (صاحبِ کتاب کا منشاء یہ ہے کہ ایمان اس اقرار وتصدیق کا نام ہے جو بعد از اعلانِ نبوت ہو سکتی ہے)

(۴) عن ابی نضرة :قال قال ابو بکر لعلی : انا اسلمت قبلک فی حدیث طویل فلم ینکر ذالک علی رضی الله عنه۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا جنابِ علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے: میں نے آپ سے پہلے اسلام قبول کیا۔ (ایک لمبی حدیث کے متن میں) اور جناب علی مرتضی رضی اللہ عنہ نے اسکا انکار نہ فرمایا۔

(۵) وعنه عن ابی سعید ان ابا بکر الصدیق قال الست اول من اسلم؟ انہی سے ابی نضرہ سے روایت ہے اور وہ جنابِ ابی سعید سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ جنابِ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا میں وہ آدمی نہیں ہوں جس نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا تھا؟

(۶) عمار رضی اللہ عنہ بن یاسر سے روایت ہے: **رایت رسول الله وما معه الا خمسة اعبد وامر ئتان وابو بکر: خرجه الصوفی عن یحی بن معین** میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو آپ کے ہمراہ ۵ غلام دو عورتیں اور ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے۔ اس روایت سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایمان واسلام کی اولیت ثابت نہیں ہوتی۔

(۷) عمرؓ وبن عنبسة سے روایت ہے: **قال اتیت النبی وهو بعکاظ فقلت من معک فی هذا الامر؟ فقال حرو عبد ولیس معه الا ابو بکر و بلال**

عمرو بن عنبسہ ؓ نے کہا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا جبکہ آپ بازارِ عکاظ میں جلوہ فرما تھے (یہ ایک بازار تھا جس میں سال میں ایک مرتبہ بازار لگاتے تھے جو ہمیشہ بھرا رہتا تھا اسلام نے اسے ختم کر دیا) میں نے پوچھا اس میں آپ کا ہمنوا کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایک غلام ہے اور ایک آزاد جبکہ آپ کے ہمراہ سوائے حضرت ابوبکر صدیق ؓ و بلالِ حبشی ؓ کے کوئی نہ تھا۔

(۸) جوہری، زر بن عبداللہ ؓ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا:

کان اول من اظهر الاسلام سبعة رسول الله و ابو بکر و عمار بن یاسر و امه سمیة و صهیب و المقداد و بلال

سب سے پہلے اسلام جنہوں نے ظاہر کیا وہ سات ہیں: رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابوبکر، عمار بن یاسر، انکی والدہ سمیہ، صہیب، مقداد و بلال حبشی ہیں۔ (رضی اللہ عنہم)

(۹) زر بن عبداللہ سے روایت ہے: **اول من اظهر اسلامه بسیفه النبی وابو بکر: اخرجه الواحدی**

سب سے پہلے جنہوں نے بزورِ شمشیر اپنا اسلام ظاہر کیا۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہیں اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ ہیں اس حدیث کی تخریج واحدی نے کی ہے۔

حضرت علی مرتضیٰ ؓ پہلے مومن تھے یا حضرت ابوبکر صدیق ؓ؟

چونکہ اس سلسلے میں اصول الدین مصنفہ امام عبدالقاہر جرجانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ بات گزر چکی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ترتیبِ مراتب کا ایک معیار پہلے ایمان لانا ہے، اس لئے ایمان اور اسلام کی اولیت کا فیصلہ بھی ایک جزوِ مضمون ہے:

لا خلاف بین اهل الاثر ان ابا بکر کان رجلا مما امن بالنبی واختلفوا هل کان علی مولودا حین بعث النبی ام لا. وممن ذهب الی ان ابا بکر اول من اسلم (۱) ابن عباس (۲) حسان بن ثابت (۳) ابو الاروی دوسی (۴). اسماء بنت ابی بکر (۵) (ابراهیم) نخعی (۶) ابن الماجشون (۷) محمد بن المنکدر (۸) الاحسنی (ریاض النضرۃ، ۱-۸۸)

جن لوگوں نے جنابِ حضرت ابو بکر صدیق ؓ کو پہلا مسلمان سمجھا ہے: ۱۔ ابن عباس ۲۔ حسان بن ثابت ۳۔ ابوالاروی دوسی ۴۔ اسماء بنت ابی بکر۔ ۵۔ (ابراہیم) نخعی ۶۔ ابن ماجشون ۷۔ محمد بن المنکدر ر ۸۔ الاحسنی۔ (رضی اللہ عنہم)

وممن ذهب الی ان علیاً اول من اسلم من الرجال: ۱. سلمان فارسی ۲. ابو ذر غفاری. ۳. مقداد بن الاسود. ۴ خبابِ بن الا رت ۵. جابر بن عبدالله انصاری. ۶ ابو سعید خدری. ۷. زید بن الارقم.

جن لوگوں نے جنابِ مرتضیٰ ؓ کو پہلا مومن سمجھا، وہ ۱۔ حضرتِ سلمان فارسی۔ ۲۔ حضرت ابو ذر غفاری ۔ ۳۔ حضرت مقداد بن الا سود۔ ۴۔ خباب بن الارت۔ ۵۔ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری۔ ۶ حضرت ابوسعید خدری۔ ۷۔ حضرت

زید بن الارقم ہیں۔(رضی اللہ عنہم)۔ ابن شہاب (الزھری) کا بھی یہی قول ہے اور عبداللہ بن محمد اور محمد بن کعب اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔

واتفقوا علی ان خدیجة اول من اسلم مطلق.

بلا اختلاف جو سب سے پہلے ایمان لائی ہیں وہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں۔ مطلق کا معنی بلالحاظ مرد یا عورت کے بلالحاظ بالغ یا نابالغ کے۔

قال ابن اسحاق: اول ذکر اسلم وصلی وصدق بما جاء به محمد صلی الله علیه وآله وسلم علی وهو ابن عشر سنین.

پہلا مذکر جس نے اسلام قبول کیا اور نماز پڑھی اور جو کچھ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لائے اسکی تصدیق کی وہ حضرتِ علی ؓ ہیں جبکہ وہ دس سال عمر کے تھے۔

پھر انہوں نے وضاحت کر دی کہ جنابِ مولا مرتضیٰ ؓ جنابِ حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے پہلے ایمان لائے۔ فرماتے ہیں:

اول من اسلم علی ثم زید بن حارثة ثم ابو بکر ثم اسلم رهط من المسلمین منهم عثمان و الزبیر و طلحة و عبدالرحمان بن عوف و سعد بن وقاص (ابن اسحاق و ابن قتیبه) سب سے پہلے علی مرتضیٰ ؓ ایمان لائے پھر زید بن حارثہ ؓ ایمان لائے پھر جنابِ حضرت ابوبکر صدیق ؓ ایمان لائے پھر مسلمانوں کا ایک گروہ ایمان لایا جن میں عثمان، زبیر، طلحہ، عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد بن ابی وقاص شامل ہیں (رضی اللہ عنہم) (ریاض النضرۃ،۱،۸۹)

وقال غیره من اهل العلم : اول من اسلم من الرجال ابو بکر و اسلم علی و هو ابن ثمان سنین و اول من اسلم من النساء خدیجة خرجه الترمذی (ریاض النضرۃ،۱،۸۹)

دوسرے اہل علم نے کہا سب سے پہلا مرد (عاقل بالغ) جو اسلام لایا ہے وہ ابوبکر ؓ ہیں جنابِ علی مرتضیٰ ؓ اسلام لائے جبکہ وہ آٹھ برس کے تھے۔ اور عورتوں میں سب سے پہلے جنابِ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ایمان لائی ہیں (اسکی تخریج امام ترمذی نے کی ہے)

محب الدین طبری ان مختلف روایات میں تطبیق دیتے ہیں:

والاولی التوفیق بین الروایات کلها وتصدیقها فیقال اول من اسلم مطلقا خدیجة بنت خویلد واول ذکر اسلم علی ابن ابی طالب و هو صبی لم یبلغ کما تقدمه فی سنه و کان مستخفیا باسلامه و اول رجل عربی بالغ اسلم و اظهر اسلامه ابو بکر بن قحافه (ریاض النضرۃ،۱،۸۹)

بہتر یہ ہے کہ ساری روایات کو تطبیق دی جائے اور ان کی تصدیق کی جائے اور یوں کہا جائے (بلحاظ صفتِ مردانیت ونسوانیت کے اور بلحاظِ بلوغت وعدمِ بلوغت کے) مطلقاً (نمبر ایک مسلمان) جنابِ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں (نمبر دو مسلمان) جو سب سے پہلے مذکر مسلمان ہوئے وہ علی مرتضیٰ ؓ ہیں جبکہ وہ بالغ نہیں ہوئے تھے۔ جیسا کہ انکی عمر کے بارے میں گزر چکا ہے۔ اور اپنے اسلام کو عوام میں ظاہر نہیں کیا ہوا تھا۔ (اور تیسرے نمبر پر) جس نے اسلام قبول کیا اور برملا طور پر اسکا اظہار کیا

وہ جنابِ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔

محبّ الدین طبری کے اعدادو شمار میں جنابِ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تیسرے مسلمان تھے اور ابن عساکر کی روایت مرویہ محمد بن سعد بن ابی وقاص، بحوالہ تاریخ الخلفاء، السیوطی کے آپ چھٹے مسلمان تھے۔

جناب مولیٰ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا اپنا فرمان ہے:

سبقتکم الی الاسلام طراً

غلاماً مابلغتُ اوان حلمی

ترجمہ: (میں تم سب سے پہلے مسلمان ہوا جب کہ میں چھوٹا تھا اور ابھی بلوغت کی عمر کو نہیں پہنچا تھا) (ابن عساکر ج۴۵ص۴۰۲، الصواعق المحرقہ۔۱۱۳)

محبّ الدین طبری اسی باب میں آخر چل کر محمد بن کعب کی روایت نقل کرتے ہیں:

قد سئل عن اول من اسلم علی او ابو بکر فقال سبحان اللہ ،علی اولھما اسلاماً انما شبه علی الناس لان علیا اغطی ا سلامه من ابی طالب واسلم ابو بکر و اظهر اسلامه ولا شک عندنا ان علیا اولهما اسلاما خرجه ابو عمر و عنه انا اول من اظهر الاسلام وکان علی یکتم الاسلام خوفا من ابیه حتی لقیه ابو طالب فقال اسلمت ؟ قال نعم قال آ زر ابن عمک وا نصره واسلم علی قبل ابی بکر (ریاض النضرۃ، ج۱ص۹۱)

محمد بن کعب سے پہلے شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جو اسلام لایا تھا، کیا جناب

علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پہلے ایمان لائے تھے یا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ انہوں نے جواباً فرمایا۔ سبحان اللہ، علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ دونوں میں سے پہلے مسلمان ہیں اور لوگوں میں اس لئے اشتباہ پیدا ہو گیا کہ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد جنابِ ابی طالب سے ایمان چھپایا۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان لائے تو انہوں نے اپنے اسلام کا اظہار کر دیا۔ اور ہمارے نزدیک یہ حقیقت بلا شک ثابت ہے کہ جنابِ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جنابِ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پہلے کے مسلمان تھے۔ اس حدیث کی تخریج ابو عمر نے کی اور انہی سے روایت ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں پہلا شخص ہوں جس نے اسلام کا اظہار کیا۔ جنابِ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے والد کے خوف سے اپنا اسلام چھپاتے تھے، حتیٰ کہ (ایک دن) جنابِ ابی طالب نے انہیں دیکھ لیا تو پوچھا کیا تم ایمان لے آئے ہو۔ انہوں نے کہا: جی ہاں تو (ابا جی نے کہا) اپنے چچا زاد بھائی کا ہاتھ بٹا اور اسکی مدد کر اور جنابِ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پہلے ایمان لائے۔

پہلا مسلمان ہونے کی تحقیق مزید

(۱) عن عمر قال کنت انا و ابو عبیدة و ابو بکر و جماعة من الصحابه اذ ضرب رسول اللہ صلی اللہ علیه وآله وسلم علی منکب علی فقال یا علی انت اول المومنین ایمانا و اول المسلمین اسلا ما وانت منی بمنزلة هارون من موسی :خرجه ابن سمان

جناب عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے فرماتے ہیں۔ میں تھا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ تھے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے

اور صحابہ کی ایک جماعت تھی جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جنابِ مولا مرتضٰی ﷛ کے کاندھے پر ہاتھ مارا اور فرمایا: اے علی تو ایمان کے لحاظ سے پہلا مومن ہے اور اسلام کے لحاظ سے پہلا مسلم ہے۔ اور تیری نسبت میرے ساتھ ایسے ہے جیسے حضرت ہارون علیہ السلام کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے۔

اس روایت میں جنابِ علی مرتضٰی ﷛ کے اول مسلمان ہونے کا ثبوت جنابِ عمرِ فاروق ﷛ کی زبانِ گوہر فشاں سے ہونا صحتِ روایت کی خوشگوار دلیل ہے۔

(۲) حضرتِ زید بن ارقم ﷛ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا:

کان اول من اسلم علی بن ابی طالب (خرجہ احمد و ترمذی وصححہ) پہلا شخص جو اسلام لایا تھا وہ جنابِ علی ﷛ بن ابی طالب تھے۔

اس حدیث کی تخریج امام احمد بن حنبل ﷛ نے کی اور امام ترمذی ﷛ نے بھی کی۔

(۳) **عن ابن عباس قال: کان علی اول من اسلم بعد خدیجہ قال ابن عمر ھذا حدیث صحیح الاسناد لا مطعن فی رواتہ لاحد وھو یعارض ما تقدم عن ابن عباس فی ابی بکر و الصحیح ان ابا بکر اول من اظھر الاسلام کما تقدم ذکرہ فی بابہ وبہ قال مجاھد ومن حکینا قولہ من العلماء ثمہ**(ریاض النضرۃ،۳۔۱۱۰)

جنابِ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انہوں نے کہا: علی مرتضٰی ﷛ پہلا شخص ہے جو جنابِ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بعد ایمان لایا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے

کہا یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ اور اسکے راویوں میں سے کسی ایک پر کوئی تنقید یا جرح نہیں ہے۔ اور یہ حدیث جنابِ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث سے تصادم کھاتی ہے جو انہوں نے جنابِ حضرت ابوبکر صدیق ﷛ کے پہلا مسلمان ہونے کے بارے میں روایت کی ہے۔ تو اس بارے میں صحیح بات یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق ﷛ (پہلے مسلمان نہیں ہیں بلکہ وہ) پہلے شخص ہین جنہوں نے اپنے اسلام کا اظہار کیا جیسا کہ اسی باب میں پہلے گزر چکا ہے۔ اور یہی بات مجاہد نے بھی کہی اور ان علماء نے بھی کہی ہے جن کا ہم نے وہاں ذکر کیا ہے۔

(۴) **عن معاذۃ العدویہ قالت: سمعت علیا علی المنبر(منبر البصرہ) یقول انا الصدیق الاکبر آمنت قبل ان یؤمن ابوبکر، اسلمت قبل ان یسلم ابو بکر: خرجہ ابن قتیبہ فی المعارف** (ریاض النضرۃ،۳۔۱۱۰)

معاذہ عدویہ ﷛ سے روایت ہے، انہوں نے کہا میں نے جنابِ علی مرتضٰی ﷛ کو بصرے کے منبر پر بیٹھ کر یہ کہتے سنا میں صدیقِ اکبر ہوں، میں جنابِ ابوبکر ﷛ کے ایمان لانے سے پہلے ایمان لایا ہوں اور جنابِ ابوبکر ﷛ کے اسلام لانے سے پہلے اسلام لایا ہوں۔ اس حدیث کی تخریج ابن قتیبہ نے اپنی کتاب المعارف میں کی ہے۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت و رسالت کی تصدیق کرنے والا صدیق کہلائے گا جنابِ حیدرِ کرار کے "**انا الصدیق الاکبر**" کہنے کا مقصد یہ ہوگا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت و رسالت کی تصدیق کرنے والا سب

سے پہلا آدمی میں تھا، اس لئے میں ہی صدیقِ اکبر ہوں۔

(۵) عن ابی ذر قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول لعلی : انت اول من آمن بی وصدق بی خرجہ الحاکم (ریاض النضرہ،۳۔۱۱۰)۔ جنابِ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے یوں بات کرتے ہوئے سنا: تم پہلے شخص ہو جو ایمان لائے اور میری تصدیق کی۔

(۶) عن سلمان انہ قال : اول ھذہ الامۃ وروداً علی نبیھا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اولھا اسلاما علی ابن ابی طالب وقد روی مرفوعا الی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ولفظہ اول ھذہ الامۃ وروداً علی الحوض علی ابن ابی طالب. الحدیث.

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس امت کا سب سے پہلا آدمی جو سرکارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حوضِ کوثر پر وارد ہوگا وہ علی ابن طالبؓ ہیں۔ یعنی جنابِ مولا مرتضیٰؓ جو سب سے پہلے ایمان لائے تھے وہی حوضِ کوثر پر سب سے پہلے جنابِ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہونگے۔ (ریاض النضرۃ ،۳۔۱۱۰)

(۷) فی روایۃ: اولکم وروداً علی الحوض اولکم اسلاماً، علی بن ابی طالبؓ (ریاض النضرہ،۳۔۱۱۰) ایک روایت میں ہے تم میں سے پہلا شخص جو حوضِ کوثر پر وارد ہوگا وہ وہی شخص ہے جو سب سے پہلے اسلام لایا تھا اور وہ علی

ابن ابی طالب ہے۔

(۸) عن ابن عباس قال: السباق ثلاثۃ، یوشع بن نون الی موسی وصاحب یاسین الی عیسی وعلی الی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: خرجہ ابن الضحاک فی الاحاد و المثانی.

جنابِ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: سبقت لیجانے والے تین شخص ہیں (پہلے) یوشع بن نون ہیں جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف سبقت کی (سب سے پہلے انکا کلمہ پڑھا)۔ (دوسرے) صاحب یٰسین ہیں (جنہوں نے) عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سبقت کی (یعنی سب سے پہلے دین عیسیٰ علیہ السلام قبول کیا) اور (تیسرے) جنابِ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں (جنہوں نے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سبقت کی (سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین قبول کیا)۔

یہی روایت ابنِ کثیر نے اپنی تفسیر میں سورۃ واقعہ کی آیت نمبر۱۰ السابقون السابقون کی تفسیر میں نقل کی ہے۔ اور اسی روایت کو امام ابن حجر مکی نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے ’’الصواعق المحرقہ‘‘ ص ۱۲۵ پر نقل فرمایا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کی کیفیت

وذالک انہ کان تاجرا بالشام فرای رویۃ فقصھا علی بحیرا الراھب فقال : من این انت ؟ فقال من مکۃ فقال من ایھا؟ قال من قریش قال فای شیء انت ؟ قال تاجر قال ان صدق اللہ رویا

ک فانہ یبعث نبی من قومک تکون وزیرہ فی حیاتہ و خلیفتہ بعد وفاتہ فاسر ذالک ابو بکر فی نفسہ حتی بعث النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فجاءہ فقال یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ما الدلیل علی ما تدعی؟قال روءیاک التی رایت بالشام فعانقہ و قبل بین عینیہ وقال اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد انک رسول اللہ (ریاض النضرۃ، ۱. ۸۳)

ترجمہ: اور یہ واقعہ یوں ہوا کہ (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) شام میں تجارت کر رہے تھے تو آپ نے ایک خواب دیکھا جو بحیرا راہب کو کہہ سنایا تو (بحیرا راہب نے) ان سے کہا: آپ کہاں کے رہنے والے ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں مکے کا رہنے والا ہوں۔(بحیرا راہب نے) کہا تو کونسے لوگوں میں سے ہے؟ تو آپ نے فرمایا میں قریش میں سے ہوں (بحیرا راہب نے) کہا آپ کیا کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: میں تاجر ہوں (بحیرا راہب نے) کہا اگر اللہ تعالیٰ آپ کے خواب کو سچا کر دے تو اسکا معنیٰ یہ ہوگا کہ ایک نبی آپ کی قوم سے مبعوث کیا جائیگا۔تو وزیر ہوگا اسکی زندگی میں اور اسکی وفات کے بعد تو اسکا خلیفہ ہوگا۔جنابِ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس بات کو دل میں چھپائے رکھا (کسی سے بیان نہ کیا) حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے (اور حضرت ابوبکر صدیق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور کہا یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے پاس اپنے دعویٰ (رسالت) کی کیا دلیل ہے؟ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (میرے دعویٰ رسالت کی دلیل) وہ خواب ہے جو تو نے شام میں دیکھا تھا۔اُٹھ کر گلے ملے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دونوں آنکھوں کے

درمیان بوسہ لیا اور کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔

یہاں یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ نبی بتلائے یا نہ بتلائے نبی کے پاس علومِ غیب ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خواب سے ظاہر ہوتا ہے۔آپ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلانِ نبوت تک سفر شام والے خواب کا ذکر کسی سے نہ فرمایا تھا پھر بھی سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پتہ تھا۔

بندگانِ خاص علام الغیوب
احذروھم ھم جوا سیس القلوب
(رومی)

اللہ تعالیٰ کے خاص بندے غیبوں کے جاننے والے ہوتے ہیں۔ان سے ڈرا کرو (کیونکہ) وہ دلوں کے جاسوس ہوتے ہیں

حیاتِ طیبہ بطور ایک صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زندگی بطور ایک صحابی ایسی ہے کہ رنج و راحت، رزم و بزم، خوف و امن اور جنگ و صلح میں ہمہ دم سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے۔اور ساتھ دینے میں اپنا امتیاز ہمیشہ کیطرح قائم رکھا یہاں تک کہ خدا کی کائنات میں اکیلے ہی صحابی ہیں جنکی صحبت قرآن کی نص سے ثابت ہے۔جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحبت کا منکر کافر ٹھہرے گا کیونکہ مسلمان کہلانے والا کوئی طبقہ بھی ایسا نہیں جو غار میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ

موجود ہونے والے کے بارے میں یہ کہے کہ وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نہیں تھے۔ جنھیں اللہ تعالیٰ نے صاحب کے لقب سے نوازا۔ بایں معنی آپکی صحبت منصوص علیہ ٹھہری جس کے نتیجے میں صحبت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا منکر کافر قرار پائے گا۔

اگر قرآن میں کسی صحابی کا نام لیا ہے تو صرف حضرت زید رضی اللہ عنہ کا نام لیا اور صحبت کا ذکر کیا ہے تو صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحبت کا ذکر کیا۔ ذکرِ صحبت میں خصوصیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہے اور نام کے ذکر میں خصوصیت حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی ہے مگر اندازِ بیان میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ذکر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر مدح وثناء کے پھول نچھاور کئے گئے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان لانے کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کبھی بھی جدا نہیں رہے۔ اِلّا یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود امیر حج بنا کر بھیجایا کسی جنگی مہم کے لئے بھیجا۔ مگر اسکی کوئی مثال نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی جنگ کے لئے پیش قدمی فرمائی ہو اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھرپور شرکت نہ کی ہو۔ بلکہ صحابہ کرام کی صفوں میں پیشا پیش رہے ہیں اور آپکا ہمیشہ قائدانہ کردار رہا ہے۔

بدر میں سب سے بڑا خطرہ عریشِ بدر کے گرداگرد گھومتا تھا جس میں سرکار صلی اللہ علیہ والہ وسلم جلوہ فرما تھے، اس کی پاسبانی اس مردِ خدا کے سپرد تھی جس نے غارِ ثور میں سانپ کا ڈنگ کھا کر موت کے منہ میں بیٹھ کر رسمِ وفا کی غیر مثالی طرح ڈالی تھی۔ جس تجربے نے واضح کر دیا تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان وفا شعار مردانِ خدا میں سے تھے جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تحفظ کے لئے سو جان سے قربان

ہو سکتے ہیں۔ اور یہ وجہ ہے کہ عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ قیاس کرتے ہیں کہ جب جبرائیل امین نے بمقام سدرۃ المنتہیٰ آگے جانے سے معذرت چاہی تھی۔ قطع نظر عقیدہ افضلیت ومفضولیت کے اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہوتے تو وہاں سے آگے چلے جانے کی پیش کش کرتے کیونکہ جبریل امین کی معذرت کی بنیاد یہ تھی کہ آگے اس لئے نہیں جاتا ہوں کہ اگر آگے جاؤں تو میرے پر جل جائیں گے۔ اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہوتے تو غار والے تجربے کی روشنی میں وہ ضرور کہتے کہ جل جانا منظور ہے مگر ساتھ چھوڑنا منظور نہیں ہے۔

عریش بدر کی طرف بڑھنے والی ہر پیش قدمی کو روکنا، افضل الامت ہی کا کام تھا، جو سونتی ہوئی تلوار سرکار دو عالم پر وار کرنے کے ارادے سے آگے بڑھتی اسکے سامنے سینہ سپر ہو کر جوابی کاروائی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کرتے اس کے نتیجے میں وہ آدمی کفار کے ہلاک ہوئے اور چودہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے جان سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدمین مبارکین میں نچھاور کی مگر اس طویل روداد میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بال بھی بیکا نہ ہوا۔

بحوالہ بخاری، عروہ بن الزبیر سے روایت ہے میں نے عبداللہ بن عمرو بن العاص سے پوچھا کہ وہ کونسی سخت ترین کاروائی ہے جو مشرکین نے جنابِ رسولِ کریم سے کی تو انہوں نے بتلایا کہ عقبہ بن ابی معیط سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا جبکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمازمیں مصروف تھے تو اس (بدنصیب و شوربخت) نے آپ کے گلوئے مبارک میں چادر ڈال لی اور آپ کا گلہ مبارک سختی سے

گھونٹ لیا، تو جنابِ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اچانک آپہنچے اور اسکو مار بھگایا۔ اور فرمانے لگے (اوحرماں نصیبو) ایک ایسے شخص کو مارنا چاہتے ہو جو کہتا ہے "میرا پالن ہار اللہ ہے" اور تمہارے پاس پروردگار کی واضح نشانیاں اور دلیلیں لایا ہے؟ (تاریخ الخلفاء، السیوطی ۳۷)

اس حدیث میں سرسری سوچ سے یادگاری حقائق ملتے ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکی زندگی میں ایسی تنہائی ہونا جبکہ حالاتِ عادیہ میں کسی کا انکے ساتھ نہ ہونا۔

۲۔ عقبہ بن ابی معیط جیسے عام آدمی کا سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قاتلانہ حملہ کرنا اور قانونِ وقت کا کوئی دفاعی اقدام نہ کرنا

۳۔ ارتکابِ جرم کے دوران کسی فردِ عوام کا انسدادی مداخلت نہ کرنا، بعد میں انتظامیہ یا عدلیہ کا کوئی تحقیق وتفتیش نہ کرنا، کوئی مواخذہ نہ لینا، قبائلی نظام میں کسی ہاشمی یا قریشی یا کسی اور کا کوئی احتجاجی کاروائی نہ کرنا، اس وقت صرف حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آڑے آنا اور پوری مکی زندگی حکومت کی مخالفت کو اپنے ذمے لے لینا، یہ اسلام پر دکھوں کی زندگی کے کمال کی بھی یادگار ہے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جانثاری اور وفاشعاری کی بھی یکتا یادگار ہے۔

جنگِ اُحد میں شجاعت کی ایک خوبصورت یادگار

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی وفاؤں کے مہکتے پھول جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں نچھاور کیئے انکا خوبصورت نمونہ اس وقت دیکھا جا سکتا ہے

جبکہ خارا شگاف تلواریں میدانِ کارزار میں چکا چاک چل رہی ہیں اور خون کے سیلاب میں شہداء کے اجسام مقدسہ کشتی نوح کی طرح تیر رہے ہیں۔ ان ہوش ربا مناظر میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک کوہ بے ستون نظر آرہے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ عرش اشتباہ میں نُقلِ جان کو طشتِ اخلاص میں رکھ کر پیش کر رہے ہیں۔ وہ اُحد کی جنگ ہے جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جانی قربانیاں دیکھ کر شیروں کا پتہ بھی پانی پانی ہو رہا ہے۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ کے پہلے معلم، علمبردار اسلام اس جنگ میں کام آچکے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیارے چچا اور رضاعی بھائی حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ بھی وحشی حبشی کے نیزے سے جامِ شہادت نوش فرما چکے اور انکے اعضائے رئیسہ مع کان ناک کے ہار میں پروئے جا کر آتشِ انتقام کو ٹھنڈا کیا جا چکا ہے۔ ان جانکاہ وجگر فرسا مناظر کو دیکھ کر جگر کو تھامنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ایسے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جنگی پینترا بدلنے کے لئے دشمن کو ایک تاثر دیا جس سے دشمن غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے اس پینترے کے بعد مجتمع ہونا اور جنگی محاذ کو بروقت سنبھال لینا اور اس میں اپنی دفاعی کاروائی کو مکمل کر دکھانا یہ ملت کے جیالے سپوتوں کا کام ہے۔ اس میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا پرچمِ وفاء، اعلانیہ طور پر ممتاز رہا۔

اخرج الهيثم بن كليب في مسنده عن ابی بكر، قال لما كان يوم احد انصرف الناس كلهم عن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فكنت اول من فاء (تاریخ الخلفا، السیوطی، ۳۶)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ارشادِ گرامی ہے، جب اُحد کا دن تھا تو سارے لوگ سرکارِ

دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگے، میں سب سے پہلا آدمی تھا جو لوٹ کر آ گیا۔

جنابِ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شجاعت و جوانمردی کی ایک روداد پیشِ خدمت ہے۔

اخرج ابن عساکر عن عائشه (رضی الله تعالی عنها) قالت لما اجتمع اصحاب النبی فکانوا ثمانیة و ثلاثین رجلا اَلَحَّ ابو بکر علی رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم فی الظهور فقال یا ابا بکر انا قلیل فلم یزل ابو بکر یلحّ علی رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم حتی ظهر رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم وتفرق المسلمون فی نواح المسجد وکل رجل فی عشیرته وقام ابو بکر فی الناس خطیبا فکان اول خطیب دعا الی الله والی رسوله وثار المشرکون علی ابی بکر وعلی المسلمین وضربوا فی نواحی المسجد ضربا شدیدا وسیاتی تتمة الحدیث فی ترجمة عمر (رضی الله عنه) (تاریخ الخلفاء۔ص۳٦)

ترجمہ: سیدہ عائشہ فرماتی ہیں جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمع ہو گئے تو اڑتیس مرد ہوئے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے برملا تبلیغ کی درخواست کی۔ سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابو بکر ہم تھوڑے ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اس درخوست پر اصرار کرتے گئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں، حتیٰ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظاہر آ ہوئے اور مسلمان (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) مسجد کے گرد و نواح میں پھیل گئے۔ اور ہر آدمی

اپنے اقرباء میں تھا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ لوگوں کے درمیان خطیب بن کر لوگوں کے درمیان کھڑے ہو گئے۔ پس حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پہلے شخص تھے جنہوں نے لوگوں کو اللہ اور اسکے رسول کی طرف دعوت دی۔ اور مشرکین نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذاتِ ستودہ صفات پر بھی حملہ کیا۔ اور مسلمانوں (صحابہ کرام) پر بھی دھاوا بول دیا اور مسجد حرام کے مختلف گوشوں میں انہوں نے زبردست زدوکوب کیا۔

اس موقعہ پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جراتِ مجاہدانہ اور استقامتِ مومنانہ قابل دید ہے۔ اور خدا اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف پہلا داعی بن جانا یقیناً گزشتہ انبیا علیہم السلام کی طرزِ دعوت کا نمونہ ہے اور انہی کا ورثہ ہے جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حصے میں آیا۔

ابن عساکر نے جنابِ مولا مرتضی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے:

لما اسلم ابو بکر اظهر اسلامه ودعا الی الله والی رسوله صلی الله علیه وآله وسلم

ترجمہ: جنابِ علی مرتضی روایت فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا (معاً) انہوں نے اپنا اسلام ظاہر کر دیا۔ (ذرہ بھر تاخیر کئے بغیر اور کسی مصلحت کوشی کا خیال نہ کرتے ہوئے) (فوراً) اللہ جل جلالہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دعوت دی۔

جیسا کہ پہلے آپ کے بارے میں گزر چکا ہے کہ سب سے پہلے جس نے اپنے اسلام کا اعلان عام کر دیا۔ وہ صرف حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذاتِ حمیدہ صفات ہے۔

سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشن پر مال خرچ کرنے کا بیان

قال اللہ تعالی سبحانہ: وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ○ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى ○ (سورۃ الیل، آیت ۱۷۔۱۸)

ترجمہ: عنقریب اس (نارِ متلظّیٰ) سے وہ مومن دور رکھا جائیگا جو اپنا مال فقراء کو دیتا ہے تا کہ (اللہ کی بارگاہ میں پاک ہو ریا و نمود کیلئے نہیں دیتا)

قال ابو عبیدۃ :"الاشقی بمعنی شقی وھو الکافر و الاتقی بمعنی تقی، لا نہ لا یختص با لصلی اشقی الاشقیا ولا با لنجاۃ اتقی الاتقیاء(تفسیر نسفی)

ابوعبیدہ نے کہا: اس جگہ اشقیٰ بمعنی شقی اور وہ کافر ہے اور اتقیٰ بمعنی تقی ہے اور وہ مومن ہے۔ کیونکہ بڑھکتی آگ سے ملناسب سے بڑے شقی کے ساتھ مختص نہیں ہے اور نہ ہی نجات پاناسب سے بڑے متقی کے ساتھ مختص ہے۔

اشقیٰ بمعنی شقی اور اتقیٰ بمعنی تقی یہی معنی جلالین، طبری اور قرطبی نے لکھا ہے۔ اس آیتِ کریمہ پر تفصیلی بحث انشاء اللہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے باب میں کی جائے گی۔

بہر حال اس آیتِ کریمہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو اپنا مال خرچ کر کے متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جو غلام تھے خرید کر آزاد کیا اس کا بیان ہے۔ یعنی وہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کے بارے میں اتنا مخلص ہے کہ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو غلام ہیں انھیں خرید کر آزاد کرتا ہے۔ جسکا مقصد صرف رضائے الٰہی ہے اور مظلوموں کو ظلم سے نجات دلانا ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ کہ اسلام کی قوتِ افرادی بڑھانا ہے، نیز یہ

دین پلے پوس کے جوان ہو جائے اور ادیانِ باطلہ کے سامنے سینہ سپر ہو کر کھڑا ہو سکے۔

امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے مسند میں جنابِ ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے:

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم : ما نفعنی مال احد قط ما نفعنی مال ابی بکر، فبکی ابو بکر وقال ھل انا ومالی الا لک یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم -

ترجمہ: آپ نے فرمایا: مجھے کسی کے مال نے وہ فائدہ نہیں دیا جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مال نے دیا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر گریہ طاری ہو گیا تو بولے نہیں ہوں میں اور نہ ہی میرا مال مگر آپکی ملکیت (نیز یہی روایت امام احمد حنبل نے فضائل صحابہ ج ا ص ۸۷ پر نقل فرمائی ہے)

اس حدیث سے جہاں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جذبہ سخاوت کا پتہ چلتا ہے اور سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشن کے لئے ذوقِ ایثار کی نشاندہی ہوتی ہے وہاں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عقیدے کا بھی پتہ چلتا ہے۔ جب سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مثالی قربانیوں کا اعتراف فرمایا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خوش ہونا بھی ایک برمحل بات تھی۔ مگر آپ کا رونا اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ یہ ایثار انکے نزدیک بقدرِ کافی نہیں تھا۔ وہ اس افسوس سے روئے کہ کاش انکے پاس بقدر کافی سے زیادہ مالی وسائل ہوتے جو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرشِ راہ کر دیئے جاتے۔

چونکہ آپ حجاز کے فیصلہ کن جج رہ چکے تھے اس لئے قوانین کا استعمال بھی

انکی گفتگو میں امر عادی تھا۔ آپ ﷺ کا یہ فرمانا: نہ ہی میں خود اور نہ ہی میرا مال مگر آپ کی ملکیت ہے، جسکا مدعا یہ بنتا ہے کہ میں آپکی ملکیت ہوں (غلام ہوں) اور میرا مال آپکا غلام ہونے کے حوالے سے آپکی ملکیت تھا، ہے اور رہے گا۔

جیسا کہ اسلامک لاء کی رولنگ ہے: العبد و ما فی یدہ کان لمولاہ (غلام اور جو کچھ غلام کے پاس ہو وہ اسکے مولا کی ملکیت ہوتا ہے)

یعنی جو کچھ میں خرچ کر چکا ہوں واپس نہیں لے سکتا۔ نہ ہی میں خود اُس مال کی واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہوں اور نہ ہی میرے وارثوں میں سے میری موت کے بعد کوئی مطالبہ کر سکتا ہے۔ یہی اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر مومن کی جان اور مال کے مالک ہیں۔

عہد رسالت کے مالی وسائل کی کچھ وضاحت ہو جائے تو حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کے جذبہ ایثار کا خاکہ تیار کرنے میں مدد ملے گی۔ اُس وقت میں ۳ درہم میں گائے خریدی جا سکتی تھی۔ مکے شریف میں ایک تازہ ترین قحط سالی جو گزر چکی تھی اس کا دباؤ مدتوں رہا۔ اسی دور میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپکے چچا حضرت عباس ﷺ جنابِ ابوطالب کے پاس جا کر ایک ایک بیٹا اپنے ساتھ لے آئے تھے تاکہ جنابِ ابی طالب کو روزانہ کی معیشت میں کچھ تخفیف مل جائے۔

ابن عساکر نے جنابِ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور عروہ بن الزبیر ﷺ کے طرق سے اس روایت کو پیش کیا ہے کہ جس دن حضرت ابوبکر صدیق ﷺ اسلام لائے ولہ اربعون الف دینار و فی لفظ اربعون الف درھم فانفقھا علی

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم). ایمان لانے والے دن حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کے پاس ۴۰،۰۰۰ دینار تھے یا ۴۰،۰۰۰ درھم تھے جو انہوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خرچ کر دیئے۔

اس دور میں سوائے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے اتنی بڑی مالیت کا مالک دوسرا انسان نہیں تھا حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کا متاعِ زندگی کے دھوئیں اُڑا کر سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا جوئی کا طالب رہنا ایک غیر عادی معیار ہے۔

اس قدر زرِ کثیر کا خرچ کرنا اور کبھی شکریئے تک کی توقع نہ کرنا اور بیکس مظلوم مسلمانوں کو خرید کر طوقِ غلامی سے آزاد کرنا، صفحہ تاریخ پر ایک حسین یادگار ہے۔

امام بغوی نے معالم التنزیل میں اور ابن عساکر نے جنابِ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے۔

قال کنت عند النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وعندہ ابوبکر وعلیہ عباءۃ قد خللھا فی صدرہ بخلال، فنزل علیہ جبریل علیہ السلام فقال یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مالی اری ابابکر علیہ عباءۃ قد خللھا فی صدرہ بخلال؟ فقال یا جبریل " انفق مالہ علی قبل الفتح قال:. ان اللہ تعالی یقرء علیہ السلام ویقول: قل لہ: اراض انت عنی فی فقرک ھذا ام ساخط؟ فقال ابو بکر: ااسخط علی ربی؟ انا عن ربی راض، انا عن ربی راض، انا عن ربی راض.

ترجمہ: جنابِ عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں۔ میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ

عرش پناہ میں حاضر تھا۔اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی۔جبکہ آپ نے ایک قبا زیب تن فرما رکھی تھی جس میں ببول کے کانٹے بٹن بنا رکھے تھے۔اتنے میں جبریل امین علیہ السلام دربارِ گہربار میں باریاب ہوئے اور عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا وجہ ہے کہ میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ایک ایسی عبا پہنے ہوئے دیکھ رہا ہوں جسکے گریبان پر (بجائے بٹنوں کے) ببول کے کانٹے لگے ہوئے ہیں۔سرکار ابدقرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواباً ارشاد فرمایا: اے جبریل! اس نے اپنا مال فتح مکہ سے قبل مجھ پر خرچ کر دیا ہے۔تو جبریلِ امین نے (آداب بارگاہ رسالت بجالاکر) کہا کہ اللہ تعالی اسے سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ اس سے کہو: کیا اس غربت میں تم مجھ سے خوش ہو یا ناراض؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عاجزانہ عرض کیا: کیا میں رب پر ناراض ہو سکتا ہوں؟ میں اپنے پالنہار سے راضی ہوں، میں اپنے پالنہار سے راضی ہوں، میں اپنے پالنہار سے راضی ہوں۔

گھر لٹا کے آن بیٹھے تیری نظر کے سامنے

اب تم ہمارے سامنے اور ہم تمہارے سامنے

گو کہ اس حدیث کی سند میں ضعفِ شدید ہے مگر فضائل کے ضمن میں حدیث ضعیف بھی معتبر ہوتی ہے۔

ابوداؤد اور ترمذی نے جنابِ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے:

قال امرنا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان نتصدق فوافق مالا عندی ، قلت : الیوم اسبق ابا بکر .ان سبقتہ یوما .فجئت

بنصف مالی ، فقال رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ما ابقیت لا ھلک؟ قلت مثلہ واتی ابو بکر بکل ما عندہ ، فقال : یا ابا بکر ما ابقیت لا ھلک؟قال ابقیت لھم اللہ و رسولہ فقلت لا اسبقہ فی شیء ابدا .

ترجمہ: جناب نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم صدقہ کریں۔یہ اعلان میرے مال کے ساتھ موافقت کھا گیا جو میرے پاس موجود تھا(یعنی میرے پاس مال ہونے کی وجہ سے میں نے سمجھا کہ کہ سرکار ابدقرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد وقت کے لحاظ سے بڑا برمحل تھا)۔میں نے (دل میں) کہا کہ آج حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سبقت لے جاؤنگا اگر کسی دن سبقت لے جا سکا۔(سو) میں اپنا نصف مال لے آیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنے اہل وعیال کے لئے کیا باقی چھوڑا ہے؟ میں نے عرض کیا اتنا ہی گھر چھوڑ آیا ہوں ۔اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جو کچھ رکھتے تھے سارا ہی لے آئے۔سرکارِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابو بکر اپنے اہل وعیال کے لئے کیا چھوڑ کر آئے ہو۔؟ تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے گذارش کی: ان کے لئے اللہ و رسول چھوڑ آیا ہوں۔تو میں نے دل میں کہا: میں کسی بھی چیز میں کبھی بھی اس سے سبقت نہیں لے جا سکتا۔

اس واقعہ سے جہاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سخاوت وایثار کا پتہ چلتا ہے وہاں آپ کے عقیدۂ عظمٰی پر بھی روشنی پڑتی ہے۔گھر کا سارا اثاثہ بارگاہِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں دریادلانہ پیش کرنا، چہرے پر عشقِ رسول موجزن ہونا، دل ودماغ میں کیف وسرور کا تلاطم ہونا، افضل الامت ہونے کی غمازیاں کر رہا ہے۔کیونکہ

خیرالامم میں اس تفضّل و تقدم کی زندگی امتیاز کے معنی دیتی ہے۔میدانِ ایثار میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا پرچم اعلانیہ ممتاز نظر آتا ہے۔اور عقیدہ پر اسطرح روشنی پڑتی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوال کے جواب میں انکا یہ عرض کرنا کہ گھر والوں کیلئے خدا اور اسکا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چھوڑ کر آیا ہوں۔جن کو چھوڑ کر آئے ہیں وہ تو سامنے کھڑے ہیں۔اسکا معنی اہل فکر و نظر سے مخفی نہیں جس سے نتیجہ حاضر و ناظر ہونا نکلے گا۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی شان میں حدیثِ نبویہ ہی لکھی جائیں تو کئی جلدوں کی کتاب بن جائے گی۔حضرت امام ترمذی جناب ابوھریرہ ؓ سے روایت کرتے ہیں:

قال :قال رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) ما لاحد عندنا ید الا کا فا نا ہ الا ابا بکر فان لہ عندنا ید ا یکا فئہ اللہ بھا یوم القیامہ وما نفعنی مال احد قط ما نفعنی مال ابی بکر

ترجمہ: سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کسی کا بھی ہم پر احسان نہیں جسکا ہم نے بدلہ نہ دیا ہو سوائے ابوبکر ؓ کے۔اسکا ہم پر احسان ہے جسکا بدلا اُسے اللہ قیامت والے دن دے گا اور کسی کے بھی مال نے مجھے کبھی وہ فائدہ نہیں دیا جو حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے مال نے دیا۔

یہاں سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے ایثار و قربانی کا حصر کے ساتھ ذکر فرمایا۔یہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی ایک فضیلت

ہے جس میں سوائے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کوئی دوسرا شریک نہیں۔جو سب سے پہلی مسلمہ بھی ہیں اور سب سے پہلا مالی ایثار بھی انہی کا ہے انکے احسان کا بدلہ بھی سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیامت پر چھوڑا۔

ان اللہ تعالی اغناہ بتربیۃ ابی طالب ، ولما اختلت احوال ابی طالب اغناہ اللہ بمال خدیجہ ولما اختل ذالک اغناہ اللہ بمال ابی بکر (تفسیر کبیر ۳۱، ۲۱۸)

(بے نیاز کرنے کے معنی) حضرت ابوطالب کی تربیت کے ذریعے بے نیاز کیا۔جب حضرت ابوطالب کے مالی حالات خراب ہو گئے تو مالِ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے انہیں خوش حال کر دیا۔جب وہ صورت حال خلل پذیر ہوئی تو مالِ ابوبکر ؓ کے ذریعے خوش حال کیا۔تو معلوم ہوا جناب خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے پہلے مالی مدد کی۔

روایت ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا کے پاس آئے جبکہ آپ بہت افسردہ خاطر تھے۔جناب خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پریشان ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ قحط سالی کا زمانہ ہے اگر میں مال خرچ کروں تو تیرا مال خرچ ہو جائیگا، اس لئے میں محسوس کرتا ہوں کہ اگر مال خرچ نہ کروں تو اللہ سے ڈرتا ہوں۔جناب سیدہ نے قریش کو بلایا جس میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ بھی تھے حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے کہا: جناب سیدہ نے دینار لا کر ڈھیر کر دیئے حتی کہ وہ اتنا بڑا ڈھیر بن گیا کہ میں اس شخص کو نہیں دیکھ سکتا تھا جو میرے

سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ پھر فرمانے لگیں: تم لوگ گواہ رہو کہ یہ مال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مال ہے چاہیں تو اسے تقسیم فرما دیں چاہیں تو اپنے پاس رکھ لیں۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ابن عساکر نے روایت نقل کی ہے: **ما احد عندی اعظم یدا من ابی بکر و اسانی بنفسه وماله وا نکحنی ابنته .** کسی بھی شخص کا مجھ پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بڑا احسان نہیں، اس نے اپنے جان و مال کے ذریعے سے بھی میری ہمدردی کی اور اپنی بیٹی بھی مجھے بیاہ دی۔

آپ کے علم کے بیان میں

مسلم و بخاری میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

خطب رسول اللہ (صلی اللہ علیه وآله وسلم) الناس وقال : ان اللہ تبارک وتعالی خیر عبدا بین الدنیا و بین ما عنده فاختار ذالک العبد ما عنداللہ فبکی ابو بکر وقال بآبائنا وامهاتنا فعجبنا لبکائه ان یخبر رسول اللہ (صلی اللہ علیه وآله وسلم) ان عبد خیر فکان رسول اللہ (صلی اللہ علیه وآله وسلم) هو المخیر وکان ابو بکر اعلمنا .

ترجمہ: سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بندے کو اختیار دیا ہے دنیا اور جو کچھ اسکے پاس ہے کے درمیان، تو اُس بندے نے جو کچھ خدا کے پاس تھا اسکو چن لیا۔ جنابِ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ روئے اور عرض کیا۔ ہمارے آباء و امہات آپ پر قربان ہوں ہم لوگ اس بات پر حیران ہوئے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایسے بندے کے بارے میں خبر دی کہ جسکو

اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے (تو ایسے میں رونے کی کیا بات تھی مگر واقعہ یہ تھا) کہ وہ مخیر بندہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود تھے (اس معاملے کو بھانپ جانا ثابت کرتا ہے کہ) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے بڑے عالم تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ قرآن کے بہت بڑے دانائے راز تھے:

قال ابن کثیر : کان ابو بکر الصدیق اقراء الصحابه . ای اعلمهم بالقرآن . لا نه (صلی اللہ علیه وآله وسلم) قدمه اماما للصلوٰة بالصحابة رضی اللہ عنهم مع قوله" یؤ م القوم اقراء هم لکتاب اللہ ".

(لوگوں کی امامت وہ شخص کرائے جو کتاب اللہ کو سب سے زیادہ جاننے والا ہو)

اسی سے بہت قریب پڑتا ہے آپ کا وہ ارشادِ گرامی جو ترمذی شریف میں بروایت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا موجود ہے:

قالت: قال رسول اللہ (صلی اللہ علیه وآله وسلم) لا ینبغی لقوم فیهم ابو بکر ان یوء مهم غیر ہ . جس قوم میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ موجود ہوں اس میں انکے سوا کسی دوسرے کو امامت نہیں کرنی چاہیے۔

قرآن میں یہ مہارت تامہّ رکھنے کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھی بہت بڑے دانائے راز تسلیم ہوتے تھے۔ اور متعدد مواقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ سے رجوع کیا اور صحابہ کرام کو وہ احادیث مبارکہ بتائیں جو بوقت ضرورت آپ نے بر نوکِ زبان سنائیں جبکہ دوسرے صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم کو وہ احادیث یاد نہیں تھیں، آپ بحسبِ ضرورت ان جملہ احادیث کو متحضر فرمالیتے جو دوسرے صحابۂ کرام سے متحضر نہیں ہوسکتی تھیں۔ کیوں ایسے نہ ہوتا جبکہ ابتدائے بعثت سے لیکر تادمِ واپسیں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ساتھ رہے اور حقوقِ غلامی کو صحیح معنوں میں ادا کر کے دکھایا۔

آپ ﷺ کے دورِ خلافت میں نظامِ معدلت

اخرج ابو القاسم بغوی عن میمون بن مهران قال : کان ابو بکر اذا ورد علیه الخصم نظر فی کتاب الله فا ن وجد فیه ما یقضی به بینهم قضی به فان لم یکن فی الکتاب و علم من رسول الله (صلی الله علیه وآله وسلم) فی ذالک الامر سنة قضی بها فا ن اعیاه خرج فسا ل المسلمین وقال: اتا نی کذا وکذا فهل علمتم ان رسول الله (صلی الله علیه وآله وسلم) قضی فی ذالک بقضاء فربما اجتمع الیه النفر کلهم یذکر عن ر سول الله (صلی الله علیه وآله وسلم) فیه قضاء فیقول ابو بکر : الحمد لله الذی جعل فینا من یحفظ عن نبینا فان اعیاه ان یجد فیه سنة عن رسول الله (صلی الله علیه وآله وسلم) جمع روء ُوس الناس وخیا رهم فا ستشا رهم فان اجمع امر هم علی را یٍ قضی به.

ترجمہ: ابوالقاسم بغوی نے میمون بن مہران سے اس حدیث کا اخراج کیا، انہوں نے کہا جب کوئی مستغیث (فریقِ مقدمہ) اپنا مقدمہ لیکر حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کی

عدالت میں آجاتا تو آپ (سب سے پہلے) اللہ کی کتاب میں (اس حکم کو تلاش کرتے)۔ اگر اس میں انھیں کوئی ایسی صورت مل جاتی جس کے مطابق وہ فیصلہ کریں تو اسکے مطابق وہ فیصلہ کردیتے۔ اگر اللہ کی کتاب میں (کوئی حوالہ نہ پایا جاتا) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بارے میں ایسی کوئی حدیث مل جاتی تو اسکے مطابق فیصلہ صادر فرمادیتے۔ اگر (یہ جستجو) انھیں تھکا دیتی تو آپ مسلمانوں سے پوچھتے اور آپ فرماتے: ''مجھے ایسے ایسے حالات پیش آئے ہیں، کیا تمہیں معلوم ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بارے میں کوئی فیصلہ فرمایا ہے''۔

بسا اوقات لوگ ان کے پاس اکھٹے ہوجاتے ان میں سے ہر ایک آدمی بتاتا کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بارے فیصلہ فرمایا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق ﷺ فرماتے ساری تعریفیں اللہ تعالی کیلئے ہیں کہ جس نے ہم میں ایسے لوگ پیدا فرمائے ہیں جو آپ کی باتیں یاد رکھتے ہیں اور اگر متعلقہ معاملے میں انھیں کوئی ایسی حدیث نہ مل سکتی تو (فکری) سرداران کو اکٹھا کرتے اور ان سے مشورہ طلب کرتے۔ اگر ان میں اتفاق رائے ہوجاتا تو اسکے مطابق فیصلہ فرمادیتے۔

حضرت ابوبکر صدیق ﷺ انساب عرب کے بہت بڑے عالم تھے

کون نہیں جانتا کہ اسلام کے عہدِ آغاز میں (Revenue Board) محکمہ مال کے ریکارڈ کا مکمل بندوبست نہیں ہوسکتا تھا۔ بندوبستِ اراضی و تقسیمِ جائیداد منقولہ و غیر منقولہ اور خاندانی وراثت کی تقسیم کیلئے کسی کا غذاتی ریکارڈ کی بیحد ضرورت تھی۔ اور نکاح کی حلت وحرمت کیلئے انساب کا جاننا بھی ضروری تھا۔ رضاعت کو ثابت کرنے

کے لئے بھی معلومات ضروری تھیں جو کہ انعقادِ نکاح میں بہت بڑا امر مانع ہے۔اسکے ساتھ ساتھ کاغذ کی صنعت کا ابھی آغاز ہی نہیں ہوا تھا۔(Paper Industry) (کاغذ کی صنعت) کا آغاز تیسری صدی ہجری (دورِ عباسیہ) میں ہوا۔

اندریں حالات ایسے نسابہ عرب کی ضرورت تھی جو ان ساری ضرورتوں کو کاغذاتی حوالے کی بجائے اپنے ذاتی حافظے کی مدد سے یاد رکھے۔اور پورے قلمرو میں بسنے والے جملہ عرب قبائل کے انساب کو اچھی طرح جانے اور پوری معلومات کو ایک پورے محکمہ کے جا بجا استعمال کرے تو یہ شان حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تھی۔وہ ان ساری ضرورتوں کو اپنی قوتِ حافظہ سے پورا فرماتے۔یہ بھی ایک وجہ ہے کہ آپ کو امور خلافت میں پوری امت میں افضل تسلیم کیا گیا ہے۔آپ کا نسابہ عرب ہونا آپکی ایک بہت بڑی شان ہے۔اس دعویٰ کو پایہ ثبوت تک پہنچانے کے لئے ابن اسحاق کی ایک روایت پیش کردینا مناسب سمجھتا ہوں۔

یعقوب بن عتبہ انصار کے ایک بزرگ سے روایت کرتے ہیں۔جبیر بن مطعم قریش اور عرب کے ایک بڑے نسابہ تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ میں نے علم الانساب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے حاصل کیا ہے۔(تاریخ الخلفا۔السیوطی۔۴۳)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علوم خصوصیہ میں تعبیر رُویا (خواب کی تعبیر) کا بھی بہت بڑا حصہ پایا جاتا ہے۔ابن سیرین جو کہ تعبیرِ رُویا میں بڑا امتیاز رکھتے ہیں فرماتے ہیں: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تعبیرِ رویا میں بالاتفاق مقدم ہیں۔طبقات ابن سعد کے حوالے سے: کان ابو بکر اعبر هذه الامة بعد النبی (صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اس امت میں سب سے بڑے معبر ہیں۔(تاریخ الخلفا۔السیوطی۔۴۳)

نزہۃ المجالس مصنفہ عبدالرحمان صفوری میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا نے خواب دیکھا کہ اسکے صحن میں لگی ہوئی کھجور گری۔جاگ کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئی اور آ کر عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے ایسے ایسے خواب دیکھا۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا تیرا خاوند کہاں ہے۔اس نے عرض کیا، میرا خاوند سفرِ تجارت پر گیا ہوا ہے۔سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر تیرا یہ خواب سچا ہے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ تیرا خاوند مر گیا تمہیں صبر کرنا چاہیے۔واپسی پر جاتے ہوئے اسکی ملاقات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ہوگئی اسنے وہ خواب انھیں کہہ سنایا۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بدستور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحابیہ سے پوچھا: تیرا خاوند کہاں ہے۔جواباً اسنے کہا: وہ ایک تجارتی سفر پر گیا ہوا ہے مگر یہ نہ بتایا کہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے اس خواب کی تعبیر پوچھ چکی ہوں۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خواب کی تعبیر بتائی۔اگر تیرا خواب سچا ہے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ تیرا میاں واپس آ رہا ہے اور جلدی گھر پہنچنے والا ہے۔صحابیہ نے انتظار کیا۔کیا دیکھتی ہے کہ خاوند اچانک آ نکلا۔گھر پہنچنے پر صحابیہ دوڑی دوڑی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ عرشِ اشتباہ میں حاضر ہوئیں اور ماجرا کہہ سنایا۔اتنے میں جبریلِ امین حاضر ہوئے اور کہنے لگے۔

بحکم خداوندی دونوں تعبیروں میں تطبیق یہ ہے کہ جب آپ نے فرمایا تھا اسکا

خاوند مر گیا تھا وہ تعبیر سچی تھی۔ دوسری تعبیر کے راوی حضرت ابوبکر صدیق ﷛ تھے ہم نے انکی صداقت کو زندہ رکھنے کے لئے مردہ کو زندہ کر دیا۔

ہم کریں مردہ کو زندہ کیا یہ ہم سے دور ہے
حضرت صدیق کی خاطر ہمیں منظور ہے

جو آیات طیبات حضرت ابوبکر صدیق ﷛ کی شان میں نازل ہوئیں

۱۔ إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ (سورہ التوبہ، آیت ۴۰)

ترجمہ: اگر تم اسکی مدد نہیں کرو گے (تو کیا ہو جائیگا؟) اللہ تعالیٰ نے اسکی مدد کی۔ جب کافروں نے اسکو (شہر مکہ سے) نکالا۔ جبکہ وہ (میرا محبوب) دو کا دوسرا تھا۔ جبکہ دونوں غار میں تھے۔ جبکہ وہ اپنے صاحب سے کہہ رہا تھا غم نہ کھا (کیونکہ) اللہ تعالیٰ ہم دونوں کے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی تسکین اس (نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا حضرت ابوبکر صدیق ﷛) پر نازل فرمائی)

اس جگہ مفسرین کرام یہ سمجھتے ہیں کہ تسکین کا نزول جنابِ حضرت ابوبکر صدیق ﷛ کی شان کے زیادہ لائق ہے۔ کیونکہ سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رب سے اسطرح کا رابطہ ہے کہ کوئی اضطراب و بے کلی کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک میں راہ یاب ہو ہی نہیں سکتی۔ اس آیت میں ثبوتِ صحابیت کے اختصاص کے علاوہ نزولِ سکینہ کا امتیاز آپ ﷛ کے قلبِ اطہر پر ایک غیر معمولی تشخص کا ثبوت ہے۔

۲۔ وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ (سورۃ الزمر، آیت ۳۳)

جناب مولا مرتضیٰ ﷛ کی روایت ہے۔ وہ شخص جو سچ لایا، اس سے مراد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکات ہے، اور جس نے سچائی کی تصدیق کی اس سے مراد جنابِ حضرت ابوبکر صدیق ﷛ کی ذاتِ ستودہ صفات ہے۔

۳۔ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (سورہ آلِ عمران، آیت ۱۵۹)

ترجمہ: ان سے کام میں مشورہ کیا کرو۔

حاکم نے جنابِ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ یہ آیتِ مبارکہ شیخین کریمین کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ صاحبِ تفسیر نسفی لکھتے ہے : فیہ دلالة جواز الاجتهاد و بيان ان القياس حجة (تفسیر نسفی)

اس آیت مبارکہ میں اجتہاد کے جواز پر دلالت ہے اور اس بات کا بیان ہے کہ قیاس بھی ایک حجتِ شرعیہ ہے۔ اجتہاد و قیاس کی طرح ڈالنے کے لیے نہایت ہی عمدہ شخصیات کا انتخاب ہوا۔

۴۔ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَانِ (سورہ الرحمٰن، ۴۶)

ترجمہ: جو شخص اپنے رب کی بارگاہ میں (حساب ہونے کیلئے) کھڑا ہونے سے ڈرے اس کے لئے دو باغ ہیں۔

ابن ابی حاتم نے ابن شوئب سے روایت کیا: نزلت هذه الآية فی ابی بکر (بحوالہ تاریخ الخلفاء، سیوطی)۔ اس آیت مبارکہ کا حضرت ابوبکر صدیق ﷛ کی شان میں اترنا۔ آپکے حسن عدل و عظمت وتقویٰ اور اس پر بہترین جزا کی بہت خوبصورت شہادت ہے۔ کیونکہ اصولِ تفسیر کی رو سے سببِ نزول مفہومِ آیت کا سب

سے پہلا مدلول ہوتا ہے۔ اگرچہ سبب خاص اور حکم عام کے قاعدے کے مطابق اس صفت کے موصوف سارے کے سارے اس آیت کے مدلول اور اس حکم کے محکوم علیہ ہونگے۔ مگر سببِ نزول پہلا مدلول ہوگا گو کہ سببِ نزول پر حکم کا حصر نہیں ہوگا۔

۵۔ **هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا** (سورہ الاحزاب، ۴۳)

ترجمہ: وہی (اللہ) ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اسکے ملائکہ (بھی) تاکہ وہ (اللہ تعالیٰ) تمہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالے اور اللہ تعالیٰ مومنین پر بہت مہربان ہے۔

صاحبِ تفسیر نسفی نے ۲۔۳۴۸ میں لکھا ہے:

کہ جب اسی سورہ احزاب آیت نمبر ۵۶: **إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا** (اللہ تعالیٰ اور اسکے فرشتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلواۃ بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو تم بھی ان پر صلواۃ بھیجو اور سلام بھیجو جیسے سلام بھیجنے کا حق ہے)۔ نازل ہوئی'' تو حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے سرکارِ ابد قرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں عرضداشت پیش کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ نے جو بھی آپ پر انعام فرمایا ہمیں شریک رکھا مگر اس درود والی آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ پر صلواۃ کی نوازش فرمائی ہے۔ مگر ہمیں اسمیں شریک نہیں فرمایا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ **هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا**

۶۔ **وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ** (سورہ الحجر، ۴۷)۔ ان کے دلوں میں جو کھوٹ (غصہ یا ناراضگی) ہے۔ ہم

نکال لیں گے درآں حال کے وہ بھائی ہونگے اور درآں حال کے وہ تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہونگے۔

ابن عساکر نے حضرت علی بن الحسین ؓ (امام زین العابدین) سے روایت کی ہے یہ آیت جناب ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور جناب علی المرتضٰی (رضی اللہ عنہم) کے حق میں نازل ہوئی۔ حضرت علی مرتضٰی ؓ فرماتے ہیں: اُمید ہے کہ میں عثمان وطلحہ، زبیر (رضی اللہ عنہم) انہیں لوگوں میں سے ہونگے (تاریخ الخلفاء، السیوطی ص49، تفسیر نسفی)

۷۔ **حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ** (سورۃ الاحقاف۔۱۵)

ترجمہ: یہاں تک کہ جب وہ اپنی (جوانی کی) قوتوں کو پہنچ جائے اور چالیس سال کا ہوجائے تو کہتا ہے کہ اے میرے پالنے والے مجھے والہانہ توفیق عطا فرما تاکہ میں تیری اس نعمت کا شکریہ ادا کروں جو تو نے مجھ پر نازل فرمائی ہے اور میرے والدین پر (نازل فرمائی ہے) اور یہ کہ میں ایسا اچھا کام کروں جو تجھے پسند ہو)

شیخ ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری (متوفی 468) اپنی کتاب ''اسباب النزول'' ص 284 پر رقم طراز ہیں۔ یہ آیت مبارکہ بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی شان میں نازل ہوئی بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ اٹھارہ سال کی عمر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ ایک تجارتی سفر میں شام گئے جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف بیس برس کی تھی ایک پڑاؤ پر فروکش ہوئے جہاں بیر کا ایک پیڑ تھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے سائے میں جلوہ

فرما ہوئے اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ وہاں کے ایک راہب کے پاس چلے گئے تا کہ دین کی کچھ باتیں معلوم کریں۔ اس نے پوچھا وہ کون ہے جو بیر کے درخت کے سائے میں بیٹھا ہوا ہے؟ جناب ابوبکر صدیق ؓ نے جواباً کہا وہ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہے۔ راہب نے کہا اس درخت کے سائے میں حضرت عیسیٰ کے بعد کوئی شخص نہیں بیٹھا سوائے محمد نبی اللہ کے (اس سے) حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے دل میں یقین کی دولت سما گئی اور دل سے تصدیق کر دی کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (سچ مچ اللہ کے) نبی ہیں۔

اس دن کے بعد کیا سفر میں اور کیا حضر میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ساتھ رہے ایک لحہ کی جدائی بغیر عذر معقول کے قبول نہیں فرماتے پس جب سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف چالیس برس کی ہوگئی سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرائض نبوت سونپے گئے حضرت ابوبکر صدیق ؓ اڑتیس برس کے ہوئے تو ایمان لائے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کی جب چالیس برس کے ہوئے تو بارگاہ خداوندی میں عرض پرداز ہوئے:

رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَى وَالِدَيَّ

اے میرے پالنے والے مجھے والہانہ توفیق عطا فرمایا کہ میں تیری اس نعمت کا شکر یہ ادا کروں جو تو نے مجھ پر نازل فرمائی ہے اور میرے والدین پر (نازل فرمائی ہے)

۸۔ إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ (حم السجدۃ۔۳۰)

ترجمہ: (بیشک وہ لوگ جنھوں نے کہا ہمارا پالنے والا اللہ ہے پھر وہ ڈٹ گئے ان پر

فرشتے نازل ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کے تم نہ ڈرو اور نہ غم کھاؤ تمہیں بشارت ہے اس جنت کی جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا تھا)۔ یہ آیت بھی حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی شان میں اتری (اسباب النزول ص 280 مصنفہ واحدی نیشاپوری)

اس میں ایک تو حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے اعلان توحید باری تعالیٰ اور توحید ربوبیت پر استقامت کا ایسا روشن ثبوت ہے جو کہ صدیقیت کے ماتھے پر استقامت کے تاج کی طرح پھبتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

جہاں یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی جوانمردی اور رسم وفا کی پاس داری کا ذکر بہت دھاکے سے کر رہی ہے وہاں سورہ حم سجدہ/فصلت کے اندرونی شواہد و مشتملات کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ایام مشرکین مکہ کی عداوت کے جوار بھاٹے کا زمانہ ہے حضرت امیر حمزہ ؓ ایمان لا چکے ہیں اور جناب حضرت عمر فاروق ؓ ابھی تک ایمان نہیں لائے تاریخ کی ورق گردانی کی جائے تو یہ دور نہایت ہی پر خطر ہے بڑے بڑے شیروں دلیروں کے پتے پانی ہو رہے تھے ایسے وقت میں ڈٹنا، جان کو جوکھوں میں ڈالنا اور موت کا دروازہ کھٹکھٹانا تھا، جناب ابوبکر صدیق ؓ ایسے سمے میں ڈٹے رہے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور رسالت میں کوئی مثال نہیں جناب حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی استقامت میں کوئی نظیر نہیں۔

۹۔ وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ (لقمان۔۱۵)

ترجمہ: تم اسکی پیروی کرو جو میری طرف جھکا ہے۔

یہ آیت مبارکہ بھی حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی شان میں نازل ہوئی۔ علامہ

واحدی نیشا پوری، اسبابِ نزول ص268 میں ورطہ تحریر میں لاتے ہیں کہ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان لائے (چونکہ آپ ایک نامی گرامی شخص تھے اور سیاسی حلقوں میں آپ کو ایک چڑھتا آفتاب سمجھا جاتا تھا اور ملکی تاجروں میں آپ کی حیثیت اعلانیہ ممتاز تھی اسلئے آپ کے ایمان لانیکی اطلاع مکہ شریف اور مضافاتی علاقوں میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی جس سے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشن میں ایک نئی لہر دوڑ گئی۔ اس لئے آپ کے حلقہ اثر کے لوگ متجسس ہوئے) تو عبدالرحمان بن عوف، سعد بن ابی وقاص، سعید بن زید، عثمان، طلحہ، اور زبیر (رضی اللہ عنہم) افواہ کی تصدیق کرنے کے لئے آئے۔ (اور سہمی سہمی سی ادا سے) پوچھنے لگے: کیا آپ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آئے ہیں۔ اور کیا آپ نے انکی تصدیق کر دی ہے۔ جواب میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ماجرا کہہ سنایا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اس ماضی کی تصدیق کیا کرنی تھی کہ یہ لوگ بلا توقف سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ عرش اشتباہ میں حاضر ہوئے۔ اور بصد ادب سرِ نیاز سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور جھکا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے۔ تو جناب باری تعالی کی طرف سے اس آیت کا نزول ہوا۔ یعنی اے سعد تمہاری سعادت اسی میں ہے کہ تم حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس قابلِ تقلید نمونے کو اپناؤ اور ساری سوسائٹی کو تبلیغ کرو کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی پیروی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلمروئے رسالت میں ایک معیاری نمونہ سمجھو۔ جس نے دینِ متین کی جوہری حیثیت کو حاصل کرنا ہے وہ جنابِ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نشانِ راہ کو اپنا مقتدا بنائے۔

۱۰۔ وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ

وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (النور۔۲۲)

ترجمہ (تم میں سے جو لوگ بزرگ ہیں اور صاحبِ استطاعت ہیں وہ قسم نہ کھائیں اس بات کی کہ وہ نہیں دیں گے قریبی رشتہ داروں مسکینوں اور راہ مولا میں ہجرت کرنے والوں کو۔ انھیں چاہیے کہ وہ معاف کریں اور درگزر کریں کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے ہو کہ اللہ تعالی تمہارے گناہ معاف کرے اور اللہ تعالی بہت بخشنہار اور رحم فرمانے والا ہے)

محب الدین طبری شافعی مکی (متوفی ۶۹۴ھ) فرماتے ہیں یہ آیت مبارکہ بھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی۔ جب ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو منافقین نے تہمت دی۔ تو جناب نبی کریم روف رحیم بہت مغموم ہوئے۔ جنابِ سیدہ کو بیحد صدمہ پہنچا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی صاحبزادی کی وجہ سے بھی حزین وناخوشنود ہوئے مگر زیادہ سے زیادہ صدمہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے ہوا گردشِ روزگار دیکھئے کہ مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ جو آپ کے رشتے کے بھانجے تھے اور آغاز حیات سے جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کی پرورش اور دیگر غور و پرداخت کی تھی وہ بھی اس مہم میں سرگرم عمل ہوئے۔ جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی توقعات بے حد مجروح ہوئیں مگر صبر و تحمل سے کام لیا جب جناب ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طہارت سورہ نور کی متعدد آیات کے ذریعے بیان کر دی گئی اس وقت گو کہ اس اکبرا لکبائر و بہتانِ عظیم کا مصنف تو عبداللہ بن ابی تھا مگر مسطح بن اثاثہ بھی اس کے طبل رحیل میں شریک کارواں ہوئے لہٰذا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جذبات بے قابو ہوگئے۔

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں آئندہ کوئی اس کی مالی مدد نہیں کروں گا اور مصالح زندگی میں بھی اس کی دستگیری نہیں کروں گا۔ اس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور آپ کی توجہ اس طرف مبذول کرائی گئی کہ اگرچہ مسطح بن اثاثہ نے کمزوری دکھائی ہے مگر یہ فیصلہ جو آپ نے کیا ہے وہ آپ کے اخلاق حسنہ اور کردار رفیع کے لائق نہیں لہٰذا اس میں ترمیم کریں۔ جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جب یہ آیت سامعہ نواز ہوئی تو قسم توڑ دی اور قسم کا کفارہ ادا کیا۔

یہاں یہ مسئلہ بیان کر دینا ضرورت کی چیز ہوگا کہ ایسے موقعہ پر قسم کا توڑنا ایک کار خیر ہے۔ مسلم شریف کی حدیث ہے: من حلف علی یمین فرایٔ غیرھا خیرًا منھا فلیاتِ الذی خیر و لیکفر عن یمینہ (احکام القرآن، ابوبکر جصاص رازی حنفی متوفی ۳۷۰ھ)

جو شخص کوئی کام کرنے کی قسم کھائے پھر اسے بہتر کام معلوم ہو جائے تو وہ بہتر کام کرے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دے۔

۱۱۔ أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَقَائِمًا يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُوا رَحْمَةَ رَبِّهِ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْأَلْبَابِ (الزمر۔۹)

ترجمہ: (کیا وہ شخص جو عبادت کرتا ہے رات کی ساعتوں میں درآں حال کہ وہ سجدہ کر رہا ہوتا ہے یا قیام کر رہا ہوتا ہے درآں حال کہ وہ ڈرتا ہے یوم آخرت سے اور اپنے رب کی رحمت کی امید کرتا ہے آپ پوچھئے کہ کیا وہ لوگ جو جانتے ہیں اور وہ لوگ جو نہیں جانتے برابر ہو سکتے ہیں صرف عقل مند لوگ ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں)

یہ آیت مبارکہ ان آیات طیبات میں سے ہے جو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہیں اس آیت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شب بیداری اور عبادت نیاز کا ذکر ہے یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان بندگان خاص میں سے ہیں جو سارا دن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشن کی سعی ناتمام میں مستغرق رہتے ہیں جب رات کا وقت آ جاتا ہے رکوع و سجود و قیام و قعود میں محو رہتے ہیں۔

سوئے گردوں نالہ شب گیر کا بھیجے سفیر
رات کے تاروں میں اپنا رازداں پیدا کرے

رات بھر عبادت میں گزارنا پھر مفتخر نہ ہونا بلکہ خوفِ آخرت دل میں جاگزیں ہونا اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ کے چیدہ چنیدہ بندوں کی علامات ہیں۔ آیت کا خاتمہ بتاتا ہے کہ یہ روشِ زندگی علم حقیقی و معرفت تحقیقی کا نتیجہ ہے جو محض فضلِ الٰہی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ جلیلہ سے حاصل ہو سکتی ہے۔ یہ وہی علم ہے جو بموہبت الٰہی علم نافع ہوتا ہے اور یہی علم عبرت پذیری کے کام آتا ہے۔ خدا تعالیٰ ذوقِ صدیقی عطا فرمائے جو معرفتِ الٰہی کا ذریعہ بھی بنے اور پند پذیری کے بھی کام آئے۔

۱۲۔ إِنَّ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي آيَاتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا أَفَمَن يُلْقَى فِي النَّارِ خَيْرٌ أَم مَّن يَأْتِي آمِنًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (حم السجدۃ۔۴۰)

ترجمہ: بے شک جو لوگ ہماری آیات میں انحراف کی راہ اختیار کرتے ہیں وہ ہم پر پوشیدہ نہیں ہیں۔ کیا وہ شخص جو آگ میں پھینکا جائے وہ بہتر ہے۔ یا جو پر امن حالات

میں (اللہ تعالیٰ کے حضور) قیامت میں حاضر ہو۔ جو جی میں آئے کئے جاؤ یقیناً وہ (ذاتِ باری تعالیٰ) جو کچھ تم کر رہے ہو دیکھ رہی ہے۔

یہ آیتِ کریمہ بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی۔ بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما محبّ الدین طبری (متوفی ۶۹۴) اپنی کتاب ریاض النضرۃ ۱۔۱۷۹ پر تحریر میں لاتے ہیں کہ اس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دنیائے اسلام کی طرف سے ایک فقید المثال کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ اور ابوجہل کو کفر و الحاد کی طرف سے ایک قبیح ترین مثال کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ جسکا مطلب یہ بنتا ہے کہ اگر کوئی شخص اسلام کی معراجِ کمال دیکھنا چاہے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذات والا صفات کو دیکھ لے۔ اور اگر کوئی شخص کفر کی نفرین انگیز اور کریہہ ترین بناوٹ دیکھنا چاہے تو ابوجہل کو دیکھ لے۔ اور یہ دونوں مظاہر قیامت کے میدان میں تمام انسانی برادری و جن و ملائکہ کے جمِ غفیر میں پیش کئے جائیں گے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بروز حشر جو ہجومِ اضطراب اور شبابِ کرب کا وقت ہوگا۔ نہایت طمانیت، امن و امان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونگے۔ اور ابوجہل تذلیل و تحقیر کی برسات میں گرمئ محشر میں پیش ہوگا۔

اُس تاریخ حب و بغض رسول اور اطاعت و بغاوت محبوب کی قیمت پڑے گی۔ اُس وقت پتہ چلے گا کہ انعامِ خداوندی گدائے کوچہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نچھاور کئے جاتے ہیں یا روسائے مکہ کو بوجہ ریاست مکہ کے دیئے جاتے ہیں۔ خدائے قدوس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اطاعت میں ہمیں بھی وہ شعورِ غلامی عطا فرمائے جو قیامت کے میدان میں سرخروئی کا ذریعہ بن جائے۔ آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین۔

۱۲۔ لَا يَسْتَوِی مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنفَقُوا مِن بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ○ (الحدید۔۱۰)

ترجمہ: (تم میں سے کوئی شخص اس شخص کے برابر نہیں ہوسکتا جس نے فتح (مکہ) سے قبل (مال) خرچ کیا ہے۔ اور (راہِ مولا میں) جنگ کی، وہ لوگ درجے میں ان لوگوں سے بلند پایہ ہیں جنہوں نے (اسکے) بعد (مال خرچ کیا ہے اور راہ مولا میں) جنگ کی۔ اللہ نے (ان میں سے) ہر ایک سے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ سے باخبر ہے جو تم کر رہے ہو)

یہ آیت (بقول واحدی نیشا پوری، بحوالہ اسباب النزول ۳۰۳) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں: ہمارے درمیان سرکار دو عالم تشریف فرما تھے۔ اور آپ کی بارگاہ بندہ نواز میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی باریاب تھے۔ جبکہ آپ ایک عباء مبارک زیبِ تن کئے ہوئے تھے۔ جس کے گریبان پر آپ رضی اللہ عنہ نے ببول کے کانٹے بطور بٹن کے استعمال کئے ہوئے تھے کہ ناگاہ جبریل امیں علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے۔ خدائے قدوس کی بارگاہ سے سلام پیش کیا۔ اور کہا اے محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام): کیا وجہ ہے کہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیکھ رہا ہوں کہ اس نے رسی عباء زیبِ تن کر رکھی ہے۔ جسکے گریبان پر بجائے بٹنوں کے ببول کے کانٹے استعمال کئے ہوئے ہیں تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے جبریل اس نے مکہ فتح ہونے سے قبل اپنا سارا مال مجھ پر خرچ کر دیا۔ تو جبریل امیں نے کہا کہ انہیں مولا تعالیٰ کی طرف سے سلام کہیں اور پوچھیں کہ کیا آپ اپنی اس

موجودہ تہی دستی پر مجھ سے راضی ہیں یا ناراض؟ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے طرف متوجہ ہوئے اور جو کچھ جبریل امین نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا تھا سارا کہہ سنایا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر گریہ طاری ہو گیا اور عرض کیا میں اپنے رب سے ناراض ہو سکتا ہوں؟ (ہرگز نہیں) میں اپنے رب سے راضی ہوں، یہ جملے بار بار دہرائے۔ (اس حدیث کی مزید تفصیلات کی ضرورت نہیں کیونکہ پہلے یہ حدیث حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سخاوت کے باب میں گذشتہ اوراق میں گزر چکی ہے)۔ البتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ترتیبِ مراتب میں ایک معیار یہ بھی ہے کہ فتح مکہ سے قبل جان مال خرچ کرنا بھی بعد میں جان مال خرچ کرنے والے صحابہ کرام کے مقابلے میں ایک وجہ برتری ہے۔

۱۴۔ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ O (المجادلۃ۔۲۲)

ترجمہ: آپ ایسی قوم کو جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتی ہے، نہیں پائینگے کہ وہ ان لوگوں کو دوست رکھیں جو اللہ اور اسکے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دشمن سمجھتے ہوں۔ (جھگڑا کرتے ہوں، اہل اسلام کی سچائی تسلیم نہ کرتے ہوں) اگرچہ وہ (دشمن سمجھنے والے) ان کے باپ لگتے ہوں، خواہ بیٹے لگتے ہوں، خواہ ان کے بھائی لگتے ہوں یا قریبی رشتہ دار لگتے ہوں، (اللہ تعالیٰ نے) ایسے لوگوں کے دلوں میں ایمان

ثبت کر دیا ہے۔ اور انہیں فیض خاص (نور قلبی) سے قوت عطا فرمائی۔ (اللہ تعالیٰ) انہیں ایسے باغوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، جن میں وہ ہمیشہ رہینگے، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا گروہ ہیں اور (اچھی طرح) سن لو! اللہ تعالیٰ کا گروہ ہی (دونوں جہانوں میں) کامیاب ہونے والا ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایک تمدنی زندگی کا مکمل شعور عطا فرمایا۔ ایک فرد سے لے کر پوری قوم تک اور پوری قوم سے لے کر بین الاقوام تک ایک جامع پروگرام دیا۔ سیاسی، معاشی اور دفاعی معاملات تک ایک جامع حکمت عملی اور نظام حیات کا ایک مکمل پروگرام بتایا۔ اور مسلمانوں کو جغرافیائی، نسلی، علاقائی اور لسانیاتی قید و بند سے آزاد فرما دیا۔ اور مسلمان کو بتایا کہ مسلمان، قوم پرست، نسل پرست، زبان پرست اور مفاد پرست نہیں ہے۔ مسلمان ہر طرح کے نشیب و فراز میں اسلامی حدود و قیود کا پابند ہے۔ اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زلف دوتا کا اسیر ہے وہ کسی رنگ و نسل کے جھانسے میں آنے والا نہیں ہے، بہار ہو کہ خزاں اس کا نعرہ لا الہ الا اللہ ہے۔ خاندانی رواداریاں پالنا وطنیت کے پھندوں کا پابند سلاسل ہونا یہ شیوۂ عاشقان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں۔

یہ ہندی وہ خراسانی یہ افغانی وہ تورانی
تو اے شرمندۂ ساحل اچھل کر بیکراں ہو جا

(علامہ اقبالؒ)

اس آیت کریمہ کے آئینے میں پاکستان کی جنگی آزادی کا فوٹو دیکھا جائے تو

خدا پرست نگاہیں اور ایمان دوست شخصیتیں یقیناً وہ چہرے پہچان جائینگی جنہوں نے اس آیت کے مضمون سے کھلی بغاوت کی اور اسلامی نظریہ قومیت کو دانستہ طور پر چھوڑ کر بتوں کے پجاریوں کا صرف ساتھ ہی نہیں دیا بلکہ انہیں اپنا قائد مطلق تسلیم کیا۔ کیا اسوقت روح رسول کریم بے چین نہ ہوئی ہو گی؟ کیا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفاؤں پر قیامت نہ ہو کر گزری ہو گی؟ کیا اس وقت ان لوگوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیئے ہوئے نظام زندگی کا شیرازہ اپنے ہاتھوں سے تار تار نہیں کیا ہو گا؟ کیا جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے باپوں، بیٹوں، بھائیوں اور قریبی رشتہ داروں کو بدر اور اُحد کی جنگوں میں قتل کیا تھا ان کی روحیں ایک ماہی بے آب کی طرح نہیں پھڑکی ہوں گی؟ سنیت کی پیروی کا معیار تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ سنت کی پیروی کا دعویدار مسلمانوں کو چھوڑ کر مندروں اور کلیساؤں کو حرم سمجھ بیٹھا، افسوس صد افسوس!

گلہ جفائے وفا نما کہ حرم کو اہل حرم سے ہے
کسی بتکدے میں بیان کروں تو کہے صنم بھی ہری ہری

ایسے میں علمائے اہل سنت، خصوصاً اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی، سید محمد محدث کچھوچھوی، سید نعیم الدین مراد آبادی، سید السادات سید پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری اور خواجہ خواجگان رئیس المجد دین پیر سیّد مہر علی شاہ گولڑوی (فاتح قادیانیت ونجدیت) اور علامہ ابو الحقائق پیر محمد عبد الغفور ہزاروی (رحمۃ اللہ علیہم) کا کردار نمایاں طور پر ممتاز رہا۔

یہ آیت شریف سورہ مجادلہ کی آیت نمبر ۲۲ ہے اسمیں صحابہ کرام کا ایک معیاری کردار ایک قانون کے پردے میں بیان کیا گیا ہے۔

امام واحدی نیشا پوری نے اپنی کتاب اسباب النزول ۱۰۔۳۰۹ پہ لکھا ہے کہ یہ آیت جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس عمل پر نازل ہوئی کہ ابو قحافہ والد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت حبیب کبریا علیہ وعلی آلہ اطیب الصلوٰۃ والسلام کی شان پاک میں گستاخی کا ارتکاب کیا۔ جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اتنا زور سے دھکا دیا کہ ابو قحافہ بری طرح سے زمین پر گر پڑے۔ انہوں نے سرکار کی خدمت باعظمت میں جا کر ساری سرگذشت کہہ سنائی۔ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالی مدار نے جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بلا کر کہا؛ کیا تو نے ایسا ایسا کیا ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا؛ ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ آپ نے فرمایا: دوبارہ یہ کام نہیں کرنا۔ حضرت ابو بکر صدیق نے مودبانہ عرض کیا؛ اگر اسوقت تلوار مجھے میسر ہوتی تو میں انہیں قتل کر دیتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (ابو قحافہ مسلمان ہوئے اور جلیل القدر صحابی بنے اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خصائص میں سے ہے کہ بیک وقت چار پشتیں مسلمان ہوئیں اور سارے کے سارے صحابہ تھے)

عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی جبکہ انہوں نے اپنے باپ کو بدر کی جنگ میں قتل کر ڈالا۔ اور اسی طرح ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی جبکہ آپ نے اپنے بیٹے جناب عبد الرحمان بن ابی بکر کو مقابلے کا چیلنج کیا۔ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے وہ رک گئے۔ اور مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی جبکہ انہوں نے اپنے حقیقی بھائی عبید بن عمیر کو اُحد کی جنگ میں واصل جہنم کر دیا۔ اور جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی جبکہ

آپ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ کو بدر کی جنگ میں مار ڈالا۔اور جناب علی مرتضٰی ؓ وجناب امیر حمزہ ؓ کے میں نازل ہوئی جبکہ علی مرتضٰی ؓ نے ولید بن عتبہ ،رستم عرب کو قتل کیا اور جناب امیر حمزہ ؓ نے ربیعہ کو قتل کیا اور شیبہ کو دونوں نے مل کر قتل کیا اور یہ جنگ بدر تھی ،تو یہ آیت اتری جس نے بتایا کہ یہ آیت مبارکہ جن اشخاص کے بارے میں نازل ہوئی ان کے ایمان کی مکمل تصدیق ہو گئی۔

اب اگر کوئی ان کے ایمان کی سچائی پر انگلی اٹھائے تو وہ اس لئے دائرہ ایمان سے خارج ہو جائے گا کہ اس نے قرآن کی تصدیق کو جھٹلایا ہے جو سراسر کفر ہے۔معلوم ہوا ان لوگوں کا ایمان صرف سچا ہی نہیں ہوگا بلکہ ایمان کی سچائی کی کسوٹی بن گیا ہے۔اب قیامت تک جس کی بھی پالیسی مشکوک نظر آئے گی تو ہم اس کو اسی کسوٹی پر پرکھیں گے۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی تاریخی یادگاریں

حضرت ابوبکر صدیق ؓ ایک تاریخ ساز شخصیت کا نام ہے۔آپ کے ایمان لانے سے جو لوگ مسلمان ہوئے وہ مکہ اور اس کے گردونواح کی موثر شخصیات تھیں۔معاشرے اور سوسائٹی پر ان کا زبردست دباؤ تھا۔اور خود ابوبکر صدیق ؓ کے شریف کے مضافاتی علاقوں پر پوری طرح اثر انداز تھے۔حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی ترغیب وتبلیغ سے جو لوگ مسلمان ہوئے وہ اسلام کے سینے کا زور بن گئے۔اور اسلامی عمارت میں ان کی حیثیت ٹیپ کے بند کی بن جاتی ہے۔اور کفر وکفریات کے راستے میں وہ لوگ سدّ سکندری ٹھہرے۔اسلام کی شب دیجور پر صبح کامرانی طلوع ہونے والی ہو

اور یہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا انفرادی کارنامہ تھا۔جسکو اسلامی تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی بلکہ تاریخ کا یہ حصہ جو حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی دینی خدمات سے لبریز ہے۔ہر تاریخ کے لیے تاج زرنگار ہے۔ابوجہل اور اس کے اعتقادی ہم زلف سارے محو حیرت اور نقش بر دیوار ہو چکے ہیں۔یہ کیا ہو رہا ہے۔زمیں پاؤں تلے سے نکلی جا رہی ہے۔

امام محب الدین شافعی مکی طبری متوفی ۶۹۴ھ ریاض النضرۃ،۱۔۹۱ پر خامہ فرسائی فرماتے ہیں۔سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں؛حضرت ابوبکر صدیق نے عثمان بن عفان،طلحہ،زبیر اور سعد رضی اللہ عنہم سے رابطہ کیا اور اپنی خداداد صلاحیتوں سے انہیں دین سمجھایا اور سرکار صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر ایمان لانے کی ترغیب دی۔

ذبح کر ڈالا تیری اللہ اکبر نے

خدا جانے وہ صور اسرافیل تھا یا بجلی کا کڑکا جس نے ان کے دلوں کے کفرانی قلعے یکا یک مسمار کر دیئے۔عثمان بن مظعون ابوعبیدہ بن الجراح،عبدالرحمان بن عوف،ابوسلمہ اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہم بھی ان خوش نصیب لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے جناب ابوبکر صدیق ؓ کے وسیلہ جلیلہ سے اسلام قبول کیا۔اور حضرت سعد بن وقاص ؓ کا بھی شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے مصاحبت ابوبکر صدیق ؓ میں یہ وادی ہفت خوان طے کی۔

احادیث در فضائل ابوبکر صدیق ؓ

(۱) روی البخاری عن ابن عمر قال : کنا نخیر بین الناس فی زمان رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فنخیر ابا بکر ثم عمر ابن

الخطاب ثم عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم و زاد الطبرانی فی الکبیر فیعلم بذالک النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ولا ینکرہ

ترجمہ: (امام بخاری (رحمۃ اللہ علیہ) نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے انہوں نے کہا؛ ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں درجے کے فیصلے کیا کرتے تھے۔ لوگوں کے درمیان افضلیت دیا کرتے تھے (یعنی اُمت محمدیہ میں لوگوں کو ایک دوسرے پر افضلیت دیا کرتے تھے) تو ہم لوگ ابو بکر صدیق ﷺ کو افضل بتایا کرتے تھے، پھر جناب عمر بن الخطاب ﷺ کو پھر عثمان بن عفان ﷺ کو اور طبرانی نے معجم الکبیر میں زیادہ کہا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات کو جانتے تھے اور اسکو برا نہیں سمجھتے تھے)

(۲)۔ واخرج ابن عساکر عن ابن عمر قال کنا وفینا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نفضل ابا بکر و عمر و عثمان و علیا

ابن عساکر نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس حدیث کا اخراج کیا ہے۔ انہوں نے کہا؛ ہم لوگ افضلیت دیا کرتے تھے جناب ابو بکر صدیق، عمر، عثمان و علی (رضی اللہ عنہم) کو، جبکہ ہمارے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود تھے۔

(۳) و اخرج ابن عساکر عن ابی ہریرۃ قال کنا معا شر اصحاب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ونحن متوافرون نقول افضل ھذہ الامۃ بعد نبیھا ابو بکر ثم عمر ثم عثمان ثم نسکت

ترجمہ: (ابن عساکر نے جناب ابوھریرہ ﷺ سے اس حدیث کا اخراج کیا، انہوں نے

فرمایا؛ ہم لوگ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کئی جماعتیں تھے اور ہم لوگ بڑی تعداد میں تھے۔ ہم لوگ کہا کرتے تھے کہ اس امت میں سے افضل بعداز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابو بکر صدیق ﷺ ہیں، پھر عمر ﷺ ہیں، پھر عثمان ﷺ ہیں، پھر چپ ہو جایا کرتے تھے۔

انشاء اللہ تعالیٰ ان تینوں احادیث پر (افضلیت ابو بکر صدیق ﷺ میں پوری تفصیل آجائے گی۔ بفضلہٖ تعالیٰ پڑھنے والے کی پوری تشفی ہو جائے گی، حضرات اہل سنت سے حوالہ جات پیش کیے جائیں گے۔ شروح حدیث پیش کی جائیں گی۔ کوئی پہلو تشنۂ تکمیل نہیں چھوڑا جائے گا۔ اور اسی مضمون کی چند احادیث جو محمد بن حنفیہ و علی مرتضی ﷺ کی طرف منسوب ہوئیں انکو بھی وہیں زیر بحث لایا جائیگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ)۔

(۴) امام ترمذی نے جابر بن عبداللہ انصاری سے اس حدیث کا اخراج کیا ہے؛ جناب عمر ﷺ نے ابو بکر صدیق ﷺ سے کہا:

یا خیر الناس بعد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔

فقال ابو بکر: اما ان قلت ذاک فلقد سمعتہ یقول: ما طلعت الشمس علی رجل خیر من عمر.

ترجمہ: اے وہ شخص جو سب لوگوں سے بہتر ہے بعداز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، تو جناب ابو بکر صدیق ﷺ نے کہا کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ سورج کسی ایسے شخص پر طلوع نہیں ہوا جو جناب عمر ﷺ سے بہتر ہو۔

اس بیان میں ایک حدیث موقوف ہے جو کہ حضرت عمر فاروق ؓ کا قول ہے اور دوسری حدیث مرفوع ہے جو کہ حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے بیان فرمائی ہے۔ بجوائے حدیث موقوف (قول عمر ؓ) معلوم ہوتا ہے کہ ابو بکر صدیق ؓ ساری اُمت مسلمہ سے افضل ہیں مگر حدیث مرفوع کے مقابلے میں یہ حدیث درخور اعتنا نہیں ہوگی۔ حدیث بروایت ابو بکر صدیق ؓ، حدیث مرفوع ہے جو کہ بتاتی ہے کہ حضرت عمر فاروق ؓ پوری امت سے افضل ہیں۔ ظاہر حدیث سے تو حضرت ابو بکر صدیق ؓ کی افضلیت کی نفی ہوئی۔ بادی النظر میں حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے حضرت عمر ؓ کی افضلیت پر حدیث مرفوع پیش کر کے اپنی افضلیت سے دست برداری کا اعلان کر دیا۔ اب جو شخص حضرت ابو بکر صدیق ؓ کو افضل نہ ماننے پر سنیت سے اخراج کا حکم دیتا ہے، وہ حضرت ابو بکر صدیق ؓ کے بارے میں کیا حکم دے گا؟

سنیت کا معیار آج کل کا فیشنی سنی نہیں ہے بلکہ سنیت کا معیار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ ان سے جو سنیت ملے گی اس پر آئندہ سنیت کو پرکھیں گے۔ اسی مضمون کی بہت ساری احادیث (افضلیت حضرت ابو بکر صدیق ؓ) میں لائی جائیں گی۔ اور دیگر ضروری انکشافات بھی اسی مقام پر کیے جائیں گے)۔

(۵) امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر ؓ سے اس حدیث کا اخراج کیا، آپ نے کہا: **ابو بکر سیدنا وخیرنا واحبنا الی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)**۔ حضرت عمر ؓ کا فرمان ہے: ''ابو بکر ؓ ہمارے سردار ہیں، ہم سب میں اچھے ہیں اور سب سے زیادہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیارے ہیں''۔

ہمارا اپنا عقیدہ بحیثیت سنی کے جناب ابو بکر صدیق ؓ کے بارے میں بحیثیت خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برحق ہونے کے افضل الامت ہونے کا ہے۔ مگر ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور علمائے امت کو سنیت سے خارج نہیں کیا جا سکے گا جو ہماری اس رائے سے اختلاف رکھتے ہیں۔ (افضلیت ابو بکر صدیق ؓ) کے باب میں تفصیلی بحث ہوگی لیکن چند ایک نمونے یہاں بھی ملاحظہ فرمالیں:

اس جگہ حضرت عمر ؓ کے یہ تین ارشادات

(۱) ابو بکر سیدنا (ابو بکر ؓ ہمارے سردار ہیں)

(۲) خیرنا (ہم میں سے سب سے اچھے ہیں)

(۳) واحبنا الی رسول اللہ (اور ہم میں سب سے زیادہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیارے ہیں)

قابل غور ہیں۔ سید و خیر کا مفہوم متبادر تو افضل ہوتا ہے اور سب سے زیادہ پیارا ہونے کو بھی افضلیت میں دخل ہے۔

سب سے پہلے تو علم المصطلح کی رو سے یہ بات قابلِ غور ہوگی کہ یہ حدیث موقوف ہے۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ''تدریب الراوی'' میں حدیث موقوف پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر قیاس صحابی کو قول صحابی میں دخل نہ ہو تو حدیث لفظاً موقوف ہوگی مگر حکماً مرفوع ہوگی

یہاں چونکہ قول صحابی میں قیاسِ صحابی کو دخل ہے اس لئے اس حدیث کو مرفوع حکمی کا درجہ نہیں دیا جائے گا چونکہ شیخین میں دوستانہ ہے لہٰذا اس طرح کے الفاظ دوستی پر مبنی ہو سکتے ہیں۔ اسکے بالمقابل حدیث مرفوع ہے، جو یہ کہتی ہے:

اول من اشفع له یوم القیامه من امتی اهل بیتی ثم الاقرب فا لا قرب من قریش ثم الانصار ثم من آمن بی وا تبعنی من الیمن ثم سائر العرب ثم الا عا جم ومن اشفع له اولا افضل

۱۔ فتاوی رضویہ ۲۳۔۲۳۲ حدیث نمبر ۸۹ رواہ الطبرانی فی الکبیر حدیث ۱۳۵۵۰ (الصواعق المحرقہ)

۲۔ یہی حدیث امام سخاوی متوفی ۹۰۲ نے اپنی کتاب الاستجلاب ۱۱۵ پر درج کی ہے

۳۔ یہی حدیث انہی الفاظ میں ابی شجاع بن شہرویہ بن وشہرور بن شہرویہ دیلمی ہمدانی متوفی ۵۰۹ھ نے اپنی کتاب مسند الفردوس ۱۔۲۳ پر نقل کی ہے

۴۔ سید علاء الدین علی متقی دکنی برھان پوری متوفی ۹۷۵ھ اپنی کتاب "کنز العمال" ۱۲۔۹۴ حدیث ۳۴،۱۴۵ کے طور پر درج فرمائی ہے۔

۵۔ امام طبرانی (الحافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد (متوفی ۳۶۰ھ) نے اپنی کتاب معجم کبیر ۲۔۱۲/۳۲۱ پر یہی حدیث انہی الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے۔

اب ذرا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

جسکی قیامت کے دن سب سے پہلے شفاعت کرونگا میری امت میں سے وہ میری اہلِ بیت ہے۔ پھر اسکے بعد قریش میں سے جو میرے زیادہ قریبی ہونگے۔ پھر انکے بعد جو زیادہ قریبی ہونگے۔ اسکے بعد انصار کی شفاعت کرونگا پھر اسکے بعد جو میرے اوپر ایمان لایا اور میری پیروی کی۔ اہل یمن سے اسکی شفاعت کرونگا پھر سارے عرب کی کرونگا پھر عجمیوں کی کرونگا اور جسکی سب سے پہلے شفاعت کرنگا وہ سب سے افضل ہوگا۔

اب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول ذاتی رائے کی حیثیت رکھتا ہے اگر حدیث سے متعارض نہ ہوتا تو اس میں بھی حجتِ شرعیہ تھی۔ سیّد و خیر کے جو دو الفاظ جناب عمر رضی اللہ عنہ نے استعمال فرمائے انکی وضاحت ہوگئی۔ اب جو آپ نے فرمایا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذاتِ والا صفات، سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے زیادہ پیارے ہیں اسکا بھی جائزہ لے لیتے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذاتِ پاک بہمہ صفت موصوف شخصیت ہیں لیکن بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں فیض یاب لوگوں کے مختلف پہلو اور مختلف مدارج ہیں۔

حضرت امام محمد عبدالرؤف بن علی بن زین العابدین مناوی مصری متوفی ۱۰۳۱ھ اپنی کتاب "سیدۃ نساء اھل الجنۃ" ص ۱۶ میں خامہ فرسا ہیں:

"منزلها هی و زوجها عند رسول الله (صلی الله علیه وآله وسلم)" عن النعمان بن بشیر. استأ ذن ابو بکر علی المصطفی (صلی الله علیه وآله وسلم)، فسمع عائشة (رضی الله تعالی عنها) عالیا و هی تقول. والله لقد عرفت ان فاطمة (رضی الله تعالی عنها) و علیا (رضی الله تعالی عنه) احب الیک منی و من ابی مرتین او ثلثا. فاستأ ذن ابو بکر فا هوی علیها. فقال یا بنت فلان الا سمعتک ترفعین صوتک علی رسول الله (صلی الله علیه وآله وسلم) (رواه الامام احمد و رجاله رجال الصحیح) یہ حدیث امام احمد بن حنبل نے فضائل صحابہ جلد اول ص ۹۰ پر نقل فرمائی ہے)

نعمان بن بشیر سے روایت ہے: کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری کی اجازت مانگی۔ تو انہوں نے جنابِ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اونچی اونچی آواز سے باتیں کرتے ہوئے پایا۔ جبکہ آپ کہہ رہی تھیں: خدا کی قسم مجھے پتہ ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور علیؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مجھ سے اور میرے والد (حضرت ابو بکر صدیقؓ) سے دوگنا یا تین گنا پیارے لگتے ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت سے انکی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے۔ اے فلاں کی بیٹی (یعنی اپنا نام لیا) میں نے تجھے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز پر آواز اونچی کرتے ہوئے پایا۔

اس موقعہ پر جنابِ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ جملہ کہنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور علی مرتضیٰؓ کو مجھ سے اور میرے والد گرامی سے دوگنا یا تین گنا زیادہ پیار کرتے ہیں۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکے اس دعوی کی تردید نہ کرنا حدیثِ تقریری کہلائے گا جو کہ شرع میں حجتِ شرعیہ اور حدیث مرفوع ہوگا۔ وہاں جنابِ عمر رضی اللہ عنہ کا ذاتی قول تھا جس میں انکے قیاس کو دخل نہ ہوتا تو بظاہر حدیث موقوف کہلاتا مگر حکماً حدیثِ مرفوع کہلاتا جو قابلِ احتجاج ہوتا۔ اب اس حدیث مرفوع کی موجودگی میں یہ قول قابلِ احتجاج نہیں ٹھہرتا۔

حضرت مولا مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا بارگاہ خداوندی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد امتِ محمدیہ میں سب سے زیادہ پیارا ہونا ایک ایسی مسلمہ حقیقت ہے جسکا انکار کرنا کسی بھی خداپرست اور حق شناس سنی کے لئے ممکن نہیں۔

حدیث طیر پر ایک ضمنی تبصرہ

حضرت علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ عمدۃ القاری شرح بخاری ١٦۔٢١٥ پر تحریر فرماتے ہیں: انہ احب الخلق الی اللہ بعد رسول اللہ صلی علیہ وآلہ وسلم رواہ انس فی حدیث الطائر

(ترجمہ): جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد (اور سارے انبیاء کے بعد) اللہ کی بارگاہ میں سب سے زیادہ پیارے ہیں۔ (اس بات کو جناب انسؓ نے حدیثِ طائر میں روایت کیا ہے)۔ ایک طائرانہ نگاہ سے وہ حدیث بھی ملاحظہ فرمائیے:

عن انس: قال کان عند النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) طیر فقال اللھم ائتنی باحب خلقک الیک یاکل معی ھذا الطیر فجاء علی فاکل معہ (ترمذی شریف ٢۔٢٣٦ مطبوعہ قرآن محل مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی) (للحافظ المتقن ابی عیسی محمد بن عیسی الترمذی)

(ترجمہ) حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں ایک پرندہ (بھنا) ہوا تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا اے میرے اللہ میرے پاس وہ بندہ لے آجو تیرے نزدیک تیری مخلوق میں سب سے پیارا ہو۔ جو میرے ساتھ یہ پرندہ کھائے۔ سو حضرت علیؓ آگئے تو انہوں نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مل کر اُسے کھایا۔

شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ورطہ تحریر میں لاتے ہیں:

این حدیث دلالت دارد برآنکه علی مرتضیٰؓ احبّ خلق

خدا۔بود نزد خدا و شارحان بدان رفته اندو تخصیصات و تقلیدات می کنند که از جمله احب خلق خدا مراد است یا از احب از بنی اعمام آنحضرت یا قرابتان قریب وے صلی الله علیه وآله وسلم یا کسیکه اولی و اقرب و احق است با احسان کردن من بوے و غالباً این تخصیصات بجهت آن است که احبیت از ابوبکر صدیق و عمر فاروق لازم نیاید به حقیقت حاجت بایں تخصیصات نیست زیراکه یقین است که مراد تمام خلق علی العموم نیست چه احب مطلق سید المحبوبین و افضل المخلوقین است صلی الله علیه وآله وسلم و در صحابه اگر بعضے را محبوب تر به بعض وجوه وارند چه میشود و افضلیت از جهت کثرت ثواب منافات بآن ندارد چه مراد بجمیع وجوه نیست چنانکه در مسئله افضلیت و احبیت بعضے علماء گفته اندو مقام وسیع است، اینهمه تضییق درکار نیست فافهم و بالله التوفیق (اشعۃ اللمعات ص٦٦٥-٦٦٦ ج۴، شاہ عبدالحق قادری محدث دہلوی)

(ترجمہ) یہ حدیث اسپر دلالت کرتی ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ ﷛ خدا کی بارگاہ میں امت محمدیہ میں سب سے زیادہ پیارے تھے۔اور شارحین نے یہ رائے قائم کی ہے (کئی ایک) تخصیصات کرتے ہیں اور (کئی ایک) قیدیں بڑھاتے ہیں (اور وہ یوں کہ) اس سے مراد ہے (حضرت علی ﷛) اس مخلوق خدا میں سے ہیں جو اللہ کے پسندیدہ لوگ ہیں، یا آپ کے چچیرے بھائیوں میں سے جو احب خلق ہیں، یا

آپ کے دوسرے اقرباء میں سے جو قریب لوگ ہیں ان میں سے احب ہیں۔اور غالباً یہ تخصیصات اس وجہ سے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق ﷛ اور حضرت عمر فاروق سے زیادہ احبیت لازم نہ آئے۔اور حقیقتاً ان تخصیصات کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ بات یقینی ہے کہ جملہ خلق خدا علی العموم مراد نہیں کیونکہ احب مطلق سید المحبوبین وافضل المخلوقین (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔اور اگر صحابہ میں بعض کو بعض وجوہ کے پیش نظر محبوب تر (بمقابلہ دوسرے صحابہ کے) سمجھا جائے تو کیا ہو گا؟ اور جہت کثرت ثواب سے افضل ہونے کے ساتھ اسکا کوئی ٹکراؤ نہیں۔کیونکہ اس جگہ جمیع وجوہ مراد نہیں جیسا کہ مسئلہ افضلیت و احبیت میں بعض علماء نے کہا ہے۔(یہ) مقام وسیع ہے یہ ساری تنگی کرنے کی ضرورت نہیں۔

اور اسی سے ملتی جلتی بات شاہ عبدالحق قادری محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب تکمیل الایمان صفحہ ۵۷ پر بھی لکھی ہے:

از قول خطابی که از بعضے مشائخ نقل کرده است نیك در توان یافت که چه مقصود وارد خیریت چیست و افضلیت کدام است که گفته است "ابوبکر خیر من علی و علی افضل من ابی بکر" (رضی الله عنهما) اگر مراد خیریت ابی بکر از وجهے دیگر و افضلیت علی از وجهے دیگر پس این سخنے است بیرون از دائره اختلاف و خارج از محل نزاع، و اگر مراد از خیریت کثرت ثواب است و از افضلیت وجوه دیگر مثل شرف ذات و کرامت است و امثال آن، منافات بمقصود ندارد (خطابی از

اولاد عمر فاروق رضی اللہ عنہ و شارح سنن ابی داود، متوفی ۳۸۰، مزار کابل (افغانستان))

(ترجمہ) قول خطابی جو اس نے اپنے بعض مشائخ کے حوالے سے نقل کیا ہے، اچھی طرح معلوم کیا جا سکتا ہے کہ خیریت سے کیا مراد ہے اور افضلیت کیا چیز ہے کہ اسنے کہا ہے۔ ابو بکر خیرمن علی و علی افضل من ابی بکر (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ سے اچھے ہیں اور علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔ اگر جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جناب مرتضٰی رضی اللہ عنہ سے اچھا ہونا اور وجہ سے ہے اور جناب مرتضٰی رضی اللہ عنہ کا جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل ہونا اور وجہ سے ہے تو یہ ایک ایسی بات ہے جو دائرہ اختلاف سے خارج ہے اور اسمیں کوئی جھگڑا نہیں۔ اگر خیریت سے مراد کثرت ثواب ہے اور افضلیت سے مراد دوسری وجوہات مثلاً شرف ذات و بزرگی اور اسطرح کی دوسری خوبیاں تو ان کا مقصود سے کوئی ٹکراؤ نہیں۔

شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات کی عبارت صفحہ ۶۶۔۶۶۵۔ ج ۴ اور تکمیل الایمان کی عبارت صفحہ ۵۸۔۵۷ سے یہ خدشہ دور کر دیا ہے کہ یہ حدیث موضوع یا ضعیف ہے، جسکا ذکر ملا علی قاری نے ''مرقاۃ شرح مشکوٰۃ'' ص ۵۶۹ پر کیا۔ (ابن جوزی نے کہا یہ حدیث موضوع ہے اور حاکم نے کہا حدیث موضوع نہیں) چونکہ اس حدیث کو حضرت امام احمد بن حنبل نے (المناقب) کے اندر بھی روایت کیا ہے جس کا ذکر ملا علی قاری ہروی (متوفی ۱۰۱۴ھ) ۵۔۵۶۹ مرقاۃ شریف میں کیا ہے۔ اس لیے قول ابن جوزی کو معتمد نہیں کہا جا سکتا کیونکہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کتب صحاح کے مصنفین کے بالواسطہ یا بلاواسطہ استاد ہیں۔ اور اہل علم کی دنیا

میں امام شافعی رضی اللہ عنہ کے بعد جملہ محدثین میں کثیر الاطلاع اور نقاد حدیث تسلیم ہوتے ہیں۔ انکے اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد ابن جوزی کی تنقید کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ اور امام بغوی نے اپنی مصابیح میں احادیث احسان میں ذکر کیا اس حدیث کا دیلمی نے بھی اخراج کیا، عمر بن شاہین نے بھی اس حدیث کی تخریج کی، اور نجار نے اسکی تخریج کی (ریاض النضرۃ مصنفہ محبّ الدین طبری متوفی ۶۹۴ھ)۔

اس حدیث کے بارے میں محدثین کو خدشہ ہوا ہے کہ اس حدیث سے روافض کو حضرت مولا مرتضٰی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بلافصل ہونے کا موقعہ ہاتھ آ جائے گا، جو سراسر بے بنیاد ہے۔ اصول حدیث کی رو سے کسی حدیث کو موضوع یا ضعیف کہنے کا یہ کوئی اصول ہی نہیں ہے کہ کوئی حدیث اگر مولا مرتضٰیؓ کی شان میں آ جائے تو شیعہ کی عداوت کی وجہ سے اس حدیث کو ضعیف یا موضوع کہہ دیا جائے اسطرح کا کوئی سقم حدیث میں نہیں ہے جس کی وجہ سے قبول حدیث یا حجیت حدیث پر کوئی اثر پڑے۔ رہ جاتی ہے بات روافض کے جناب مولا مرتضٰی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بلافصل ثابت کرنے کی، یہ سراسر باطل ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں کوئی ایسا لفظ یا عبارت نہیں جو خلافت کا معنی دے۔ یہ خدشہ انہیں ہو سکتا ہے جو امامت صغریٰ یا امامت کبریٰ کے لیے افضلیت کو شرط قرار دیتے ہیں۔ یہ مذہب اہل سنت کا نہیں ہے بلکہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی امامت درست نہیں، یہ روافض کا مذہب ہے، جس کی کوئی بنیاد ہی نہیں۔ اگر امامت کے لیے افضلیت شرط ہوتی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں امام نہ بنائے جا سکتے اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان کی اقتدا کرنا درست نہ ہوتا۔ ثابت ہوا کہ افضلیت اقتدا کے لئے امر مانع

بھی نہیں، اور امامت کبریٰ یا صغریٰ کے لئے افضلیت شرط بھی نہیں ہے۔

کہا جاسکتا ہے کہ وہ تو نماز کی امامت تھی، یہ امامت کبریٰ جس کے ہم درپئے گفتار ہیں، اسکی کوئی مثال لاؤ۔ ہم جواب میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جو تیسرے خلیفہ برحق ہیں کی مثال پیش کرتے ہیں، انکی خلافت ثالثہ پر اہل سنت کا اجماع ہے اسکے باوجود جناب عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور جناب مولا مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے درمیان افضلیت کا اختلاف اہل سنت میں پایا جاتا ہے۔ اگر ترتیب خلافت میں اولیت یا تقدم برابر افضلیت کے ہوتا تو اہل سنت میں یہ اختلاف نہ پایا جاتا معلوم ہوا کہ کسی وجہ سے بھی افضلیت متقاضی خلافت نہیں، لہٰذا روافض کا یہ استدلال باطل ہے کیونکہ سنیوں میں یہ مسئلہ آج تک زندہ ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جناب مولا مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں یا جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔ نیز حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اس حدیث کو خلافت بلافصل برائے جناب حیدر کرار رضی اللہ عنہ کا مفید مطلب سمجھتے تو وہ جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بیعت نہ کرتے۔ انہوں نے جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دست حق پرست پر خلیفہ راشد جان کر بیعت کی اور زندگی بھر اس پر قائم رہے۔ معلوم ہوا کہ یہ حدیث جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بلافصل ہونے پر کسی طرح بھی دلالت نہیں کرتی۔

مزید برآں جناب مولا مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بذات خود خواہ دیر یا سویر سے، جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی اور زندگی بھر ان کے پیچھے نمازیں پڑھیں، جمعہ اور عیدین کی نماز بھی ادا فرماتے رہے۔ اگر اس حدیث کی جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت بلافصل پر دلالت ہوتی تو (انا مدينة العلم وعلي بابها) کی شان رکھنے والا اس سے کیسے آگاہ نہ ہوتا۔

نیز تمام جنگی مہمات میں جناب خلیفہ برحق، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت کرتے رہے۔ تاریخ کے صفحات بحروف جلی یہ شہادت دے رہے ہیں کہ اس حدیث سے خلیفہ بلافصل مراد لینا مراد مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نہیں، یہ نفس وشیطان کی پیروی اور خواہشات کو اپنے معبود بنانے کے برابر ہے:

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ (سورة الجاثية.23)

ترجمہ: (کیا تم نے دیکھا اس شخص کو جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنالیا ہے)

زباں سے گر کیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل؟

بنایا ہے بت پندار کو اپنا خدا تو نے

(علامہ اقبالؒ)

اس جگہ نواب محمد قطب الدین دہلوی کی ''مظاہر حق'' شرح مشکوٰۃ ۷۔۳۴۶ کے چند اقتباسات پیش کر دینا بھی بے فائدہ نہیں ہوگا۔ وہ اسی حدیث کی شرح لکھتے کے آخر میں لکھتے ہیں۔ ایک بات اہل سنت سے بھی کہہ دینا ضروری ہے کہ افضلیت کا مسئلہ ''ظنی'' ہے اسکو ایمان وکفر کا معاملہ نہیں بنانا چاہیے اور اسطرح اس روایت کو موضوع قرار دینے پر زور صرف کرنا، چاہے فنی اور تحقیقی طور پر کتنا ہی درست ہو مگر ظاہری طور پر اس کو شدت وتنگی بلکہ تعصب پر محمول کیا جانا مستبعد نہیں ہے۔ اس طرح کے الفاظ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شان میں بھی وارد ہوئے ہیں اُن میں اس طرح کی کے دعوے نہیں ہوتی مثلاً:

ما طلعت الشمس علي خير من عمر (حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بہتر

آدمی پر سورج طلوع نہیں ہوا)۔ جسکا معنی ہے کہ حضرت عمر فاروق، جناب ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہما) سے بھی افضل ہیں۔ اور ایک دوسری حدیث میں یہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں: **ارفع درجة فی الجنة عمر** (جنت میں سب سے بلند مرتبہ انسان حضرت عمر فاروق ؓ ہوں گے (ملخصا)۔

ان دونوں احادیث میں نہ ہی جناب ابوبکر صدیق ؓ اور نہ ہی انبیاء و مرسلین کو مستثنیٰ کیا گیا ہے تو اس جگہ علمائے اہل سنت و جماعت میں سے کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔ نہ ہی حضرت ابوبکر صدیق ؓ پر برتری ثابت ہونے پر آزردہ ہوکر ان احادیث کو موضوع یا ضعیف کہا ہے، جس سے صاف طور پر یہ مطلب لیا جاسکتا ہے کہ صرف نام علی مرتضیٰ ؓ سے کد ہونے کی وجہ سے اس طرح کی دورازکار باتیں کی گئی ہیں۔ ورنہ معانی و مطالب سمجھنے میں تو کوئی دقت نہیں جبکہ اس حدیث کی ابتدائی شرح میں حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی کی اشعۃ اللمعات سے وضاحت پیش کی گئی۔ اور بہت ساری آیات و احادیث حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی شان میں وارد ہوئیں وہ آپ کے سب سے افضل ہونے کے باب میں بیان کی جائیں گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

سببِ تالیف

ہمارے سنی علمائے کرام برطانیہ میں مساجد و مدارس میں دینی خدمات انجام دے رہے تھے کہ آج سے چند برس پہلے چند نظریاتی دہشت گردوں کی ایک جماعت جوزمرہ علماء سے تعلق رکھتی تھی اس ملک میں آنکلی اور انہوں نے سنی علماء و عوام میں ایک مہم چلادی جو سنی و وہابی اور سنی و شیعہ کے عنوان سے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت

تخریب کاری کا پروگرام تھا اور دراصل وہ ایک جماعتِ نواصب کے لوگ تھے جنہوں نے مختلف بہروپ بنائے۔ اور کئی ایک کانفرنسوں میں زورازوری گھسے اور مائک کر وقت لئے۔ اور بغیر منتظمین مجالس کی اجازت کے انہوں نے مسلمانوں کے دوسرے فرقوں کو جو اہل سنت کے سوا تھے، کھلم کھلا کافر کہنا شروع کر دیا۔ مثلاً وہابی کافر ہیں، شیعہ کافر ہیں، جنکی ٹیپیں ہمارے پاس موجود ہیں۔ اس سے برطانیہ میں ایک انتشار پیدا ہوگیا اور طبقاتی جنگ کے واضح امکانات پیدا ہوگئے، لوگوں میں جا بجا ہاتھا پائی تک نوبت آئی۔ ہم نے ملک گیر سطح پر امن و آشتی کے لئے مقدور بھر کوشش کی جو ایک حد تک کارگر ثابت ہوئی۔

اب اس نظریاتی دہشت گرد جماعت کے دو گروہ بن گئے۔ ایک کا کام لوگوں کو وہابی یا شیعہ قرار دینا تھا اور دوسرے گروہ کا کام ان دونوں جماعتوں کے لوگوں کو کافر قرار دینا تھا۔ اسطرح اول الذکر گروہ صغریات تیار کرتا گیا اور دوسرا گروہ انہیں کافر قرار دے کے کبریات بناتا گیا۔ بالآخر شیعہ جماعت نے ان کی کارکردگی کے پیش نظر بڑی بڑی کانفرنسیں منعقد کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالخصوص جناب امیر معاویہ ؓ کی شان میں نہایت تکلیف دہ کلمات کہہ کر اہل سنت و جماعت کے جذبات کو بری طرح زخمی کیا۔ جو سوالات شیعہ علماء نے کئے وہ بدقسمتی سے ان سے حل نہ ہو پائے۔ آخر (ڈوبتے کو تنکے کا سہارا) کے طور پر اہل سنت و جماعت کے اکابر کی تصانیف کی کاپی کر کے کتابیں چھاپ دیں مگر سوئے قسمت سے وہ سوالات جو شیعہ حضرات نے کئے تھے وہ ان اکابر کی کتب میں زیر بحث نہیں لائے گئے تھے اس لئے ان سوالات کا جواب نہ دیا

جاسکا اور اہل سنت کے عوام آج تک ان جوابات کا انتظار کرتے رہے ہیں۔

یہاں آ کر انہوں نے شیخین کریمین (حضرت ابوبکر صدیق ؓ اور حضرت عمر فاروق ؓ) کے فضائل کی آڑ میں اہل بیت اطہار کے بارے میں بڑا پر اسرار طریقہ اپنا لیا۔ چونکہ شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کے فضائل و کمالات پر اس ملک میں کافی کام ہوا ہوا تھا لہٰذا اس طرز گفتگو کو بہت پسند کیا گیا۔ اور ہم لوگ بھی فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم اور خصوصاً امتیازات شیخین کریمین کو استحسان کی نظروں سے دیکھتے رہے۔ باوجودیکہ ان کے اصلی پروگرام سے ہم لوگ شروع شروع ہی میں آگاہ ہو گئے تھے۔ ناصبیت پر جو سنیت کا خول چڑھا ہوا تھا وہ زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکا۔ حقیقت کو چھپانا خاصا مشکل کام ہے۔

لوگ اپنی دیرینہ عادت کے مطابق نعرہ حیدری لگاتے رہے۔ کچھ دیر یہ لوگ چپ رہے بالآخر ان کا جام صبر لبریز ہو گیا۔ لوگوں کو برملا طور پر نعرہ حیدری سے روکنے لگے اور عذر یہ پیش کرنے لگے کہ یہ نعرہ لگانے سے شیعہ کو فائدہ پہنچتا ہے۔ لوگ نعرہ بھی اسوقت لگاتے تھے جب جناب حیدر کرار ؓ کی شجاعت و بہادری اور دلیری کا ذکر آجائے۔ چونکہ پوری امت کے مسلمات میں سے ہے کہ جناب حیدر کرار ؓ ان اوصاف میں واضح امتیاز رکھتے تھے۔ جیسے جناب ابوبکر صدیق ؓ و جناب عمر فاروق ؓ کی خدمات یا محاسن کا ذکر چل نکلنے پر ان کے نام پاک کے کوئی نعرے لگائے تو اعتراض کی گنجائش نہیں۔ اسطرح جناب مرتضیٰ ؓ کے نعرہ پر اعتراض بھی نہیں ہونا چاہیے تھا۔ ان لوگوں نے اپنا شعار بنا لیا کہ ہماری مجالس میں نعرہ حیدری ؓ نہیں لگے گا۔ مگر سنی لوگ چار یار کبار پر بھی اور خلیفہ پنجم حضرت امام حسن ؓ پر بھی جان

دینے والے لوگ ہیں۔ انہوں نے شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کے نعرے بھی، جناب مولا مرتضیٰ ؓ کے نعرے بھی خوب لگائے۔ اس پر جگہ جگہ تصادم ہوا مگر یہ لوگ پند پذیر ہوئے۔ اب یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا اس نعرہ سے شیعہ ہی کو فائدہ پہنچتا ہے؟ اہل سنت کو فائدہ نہیں پہنچتا؟

امام ابوالحسن اشعری (متوفی ۳۳۰ھ) اپنی کتاب (مقالات الاسلامیین ۱۔۱۶۷) میں بیان فرماتے ہیں: **اجمعت الخوارج على اكفار على بن ابى طالب (رضوان الله عليه) ان حكم وهم مختلفون :هل كفره شرك ام لا**

جناب مرتضیٰ ؓ کے کافر گرداننے پر (معاذاللہ) خوارج نے اجماع کیا یہ کہ انہوں نے تحکیم کی (کافر کہنے کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے فیصلہ کرنے کے لئے اپنی طرف سے ابوموسیٰ اشعری ؓ کو حکم بنایا۔ اور ان خوارج کا آپس میں اختلاف تھا اس بارے میں کہ آیا حضرت علی مرتضیٰ ؓ کا کفر (معاذاللہ) از قسم شرک ہے کہ نہیں۔

اور اسکے برعکس اسی کتاب کے اسی صفحہ پر درج ہے:

والفرقة العاشرة الخوارج ويقال لهم النواصب والحرورية نسبة الى حروراء موضع خرج فيه اولهم على على (رضى الله تعالى عنه) وهم الغلاة فى حب ابى بكر و عمر (رضى الله تعالى عنهما) وبغض على بن ابى طالب (رضى الله تعالى عنه)

(ترجمہ): مبتدعہ کا دسواں فرقہ خوارج ہیں انہیں نواصب بھی اور حروریہ بھی کہا جاتا ہے۔ حروریہ ایک اسم منسوب ہے۔ یہ ایک جگہ کی طرف منسوب ہے۔ یہ ایک جگہ کا

نام ہے جہاں ان کے پہلے فرقے نے جناب علی مرتضیٰ ﷛ پر خروج کیا تھا۔اور یہ خوارج جناب شیخین کریمین (حضرت ابو بکر صدیق وحضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما) کی محبت میں غالی تھے اور بغض علی ﷛ میں بھی غالی تھے۔

اب اگر نعرہ شیخین سے روکنے والا یہ عذر پیش کرے کہ یہ نعرہ صرف اسلئے نہیں لگانا چاہیئے کہ اس سے خوارج کو فائدہ پہنچے گا تو یہ عذر بغض شیخین کی علامت ہو گا۔کیونکہ اگر شیخین کی محبت میں خارجیوں کے غالی ہونے کی وجہ سے خوارج کو فائدہ پہنچے گا تو اہل سنت بھی تو محبان شیخین ہیں۔ان کو بھی فائدہ نہیں پہنچے گا؟ حاصل یہ کہ جسطرح عذر خوارج کی وجہ سے نعرہ شیخین روکنا درست نہیں اور بغض شیخین کی علامت ہے۔اسطرح شیعہ کا بہانہ بنا کر نعرہ حیدری روکنا، یہ بغضِ علی ﷛ کی نشانی ہے جو کہ نواصب کے لائق ہے، اہل سنت کے لائق نہیں۔

اگر کوئی آدمی یہ تجویز دے کہ جو آیات جناب عیسیٰ علیہ السلام کی شان بیان کرتی ہیں ان کو قرآن سے نکال دو کیونکہ ان کے بیان سے عیسائیوں کو تقویت ملتی ہے۔یا جو آیات موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی شان بیان کرتی ہیں ان کو قرآن سے نکال دو کیونکہ ان کے بیان سے یہودیوں کو تقویت پہنچتی ہے۔یہ دونوں تجاویز حرام ہیں۔یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے رسول (علیہما السلام) ہیں۔ہم مسلمانوں کا کام تمام انبیاءؑ و مرسلین کی شان کو پھیلانا اور تحفظ مہیا کرنا ہے۔اسی طرح ہم لوگ سنی ہیں، ہمارا کام اہل بیت رضوان اللہ علیہم پر بھی قربان ہونا ہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم پر بھی نثار ہونا ہے۔

چونکہ نظریاتی دہشت گردوں نے پہلے پاکستان میں سنی وہابی فساد اور سنی شیعہ

...ات کا کامیاب تجربہ کر لیا ہوا تھا۔اس لئے اسی تجربے کو انگلینڈ میں دہرانا پایا۔یہاں کچھ لوگ پہلے سے اس تخریب کاری میں مصروف کار تھے۔ان لوگوں کو در واش کرتے کرتے دربار ل گیا۔اس میدان کے سابقین اولین نے تو پہلے ہی سے نوجوان طبقے کو گمراہ کر رکھا تھا۔ان لوگوں کی تعلیمات نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔جا بجا نوجوان طبقہ اس طرح کی تحریکوں کی زد میں آیا اور بیشمار گھرانوں کا سکون چھین لیا گیا۔اور بڑی تعداد میں والدین اپنے نوجوان بچوں کے مستقبل سے نا امید ہوئے۔اور یہ نوجوان نسل کے لوگ پرانی اور نئی خلافت کا آپس میں ادغام کرنے لگے اور یہ وہ پالی کرتے وقت اور نیشنیلٹی اپلائی کرتے وقت جس حلف وفاداری یا سچائی پر ایمان داری سے دستخط کیے تھے۔اسکو اسطرح بھول گئے جیسا کہ کلمہ پڑھنے والا کسی بعد میں ایمان کا پابند ہوتا ہی نہیں۔

یاایہاالذین امنوا اوفوا بالعقود (۵۔۱)

اے ایمان والو! اپنے وعدے پورے کرو۔

یہ تحریکیں چلانے والوں نے بے دین لوگوں کی طرح اپنے وعدوں کی مٹی پلید کر کے رکھ دی اور اس سعادت کا سہرا اُن بزرگوں کے سر پر بھی ہے جنہوں نے اپنے اور اپنے چند حواشی کے بغیر سب کو کفر کے تمغے تقسیم کئے۔کاش انہیں پتہ ہوتا کہ ان کی ڈیوٹی لوگوں کو مسلمان بنانا تھا نہ کہ کافر بنانا۔

ان لوگوں کا طریقہ واردات یہ تھا کہ اپنی تحریک کے ایک مرکز میں بیٹھ کر اپنے اپنے فرائض تقسیم کرتے۔ایک کی ڈیوٹی لگاتے کہ آپ مہربانی کر کے اپنے

اثرورسوخ کے ذریعے سے اس جلسہ یا کانفرنس میں مجھے بمعہ میری پوری کابینہ کے دعوت شرکت دلا دیں اگراکے دُکے آدمی کو دعوت مل جاتی تو دوسرے طفیلی (Paracite) بن کر ساتھ چلے جاتے۔ایک تقریر کے دوران کہتا: ''وہابی کافر،شیعہ کافر'' توطفیلی کٹھ پتلیاں واہ واہ، واہ واہ کے نعرے لگاتے اور ہرگز یہ خیال نہ کرتے کہ مذہبی پیشواؤں نے سالہا سال کام کیا تو جب جا کے ایسے حالات پیدا ہوئے ہیں مگران کی بلا سے۔اس نئے سیلاب میں بہت سارے اچھے لوگوں کے تربیت یافتہ نوجوان بھی پانی بن کے بہےاوراپنے بزرگوں کے مشن سے دغا کیا۔

شبابِ شعلہ خس یک نفس ہے
ہوس کو پاس ناموس وفاء کیا!

ان کافرساز اداروں سے ایک دریافت طلب امر یہ ہے کہ جنہوں نے دنیا کے سب سے غالی شیعہ کا جنازہ بھی پڑھااور چالیسویں سے بھی فیضیاب ہوئے ہیں اور وہاں سے پیسے لاکر مدارس بھی قائم کئے ہیں، کتب خانے بھی خریدے ہیں،اور ذاتی مکان بھی خریدے ہیں،ان کا ایمان بھی بچاہے یا انہی سرگرمیوں کی نذر ہوگیا ہے؟

نیز اگر وہابیہ کافر ہیں تو آٹھ تراویح پر عمل کرنے والے وہابی پیر کی بیعت کرنے والے پیر یا صوفی یا مولوی صاحب کا کیا حکم ہوگا؟ کیونکہ آٹھ تراویح تو ائمہ اربعہ اہل السنّت والجماعت میں سے کسی کا بھی مذہب نہیں۔آٹھ تراویح پڑھنا تو وہابیہ کے خصائص میں سے ہے۔اگر کوئی صوفی یا مولوی صاحب ایسے پیر کا مرید ہو جو ساری زندگی آٹھ تراویح ہی پڑھتا پڑھتا مرا ہو، وہ بھی مسلمان رہ گیا ہے کہ نہیں؟ صرف

گیارہویں کھانے یا قادری وغیرہ کہلانے کے سہارے اپنی سنیت پر خوش ہے؟ بعض لوگوں کو ہمارے خلاف یہ بھی احتجاج ہے کہ ہم گیارہویں کھاتے ہیں۔

یار ! ہم تو حضرت غوث پاک کی اولاد ہیں،اگر کھاتے ہیں تو اپنے باپ کا مال کھاتے ہیں۔پوچھنا ان سے ہے جواولادغوث پاک بھی نہیں اور دشمن اولادغوث پاک بھی ہیں،وہ کس ناطے سے گیارھویں شریف کھاتے ہیں؟اور قادری بھی غالباً قادرآباد کا باشندہ ہونے کی وجہ سے کہلاتے ہیں،قادری طریقت کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں۔

نعرہ حیدری

نعرہ کا لغوی معنی آواز کا بلند کرنا،شور مچانا ہے۔

نعرالرجل ، ینـعَـر و ینـعِـر نعیرا،و نعارا: صاح و صوت بخیشومه و هو من الصوت (لسان العرب ۵. ۲۲۰ مصنفه ابن منظور الافریقی مصری). نعرہ کے معنی شور مچانا اور آواز کا بلند کرنا ہے(خصوصاً ناک کے بانسے سے غنغنا کے آواز نکالنا ہے۔

(نعر القوم) قوم نے جوش وخروش ظاہر کیا۔(مصباح اللغات مرتبہ مولانا عبدالحفیظ بلیاوی استاذالادب ندوۃ العلماء لکھنو۸۸۸)

اب مسلمانوں اور خصوصاً اہل سنت والجماعت کے ہاں نعرہ تکبیر نعرہ رسالت اور نعرہ حیدری کا ایک پرانا معمول چلا آرہا تھا،جس پر مسلمانوں کے کسی طبقے کو اعتراض نہیں تھا۔ہم نے خود اپنے کانوں سے، کلکتے سے لیکر طورخم کی زنجیر تک اور مقبوضہ کشمیر سے لیکر آزاد کشمیر تک یہ نعرہ بغیر روک ٹوک کے لگتا سنا۔۱۹۵۳ء یا اسکے کچھ

بعد جہلم میں دوسرے طبقے کے علماء کرام نے ’’نعرہ خلافت‘‘ کہہ کر ’’حق چار یار‘‘ کا جواب تجویز کیا۔ہمارے زمرے کے علمائے کرام نے اپنا پلہ برابر کرنے کے لئے ’’نعرہ خلافت‘‘ کی جگہ ’’نعرہ تحقیق‘‘ کا اجتہاد کیا مگر جواب میں دوسروں کے مقلد ہی رہے،اور جواب میں ’’حق چار یار‘‘ ہی کہا۔اگر جواب میں حق پانچ یار کہہ دیتے تو حضرت امام حسنؓ کی خلافت کو بھی تحفظ مل جاتا اور منکرین امام حسنؓ کی تردید بھی ہوجاتی۔یا اس سے بھی زیادہ وسیع مفہوم کا نعرہ ’’حق سب یار‘‘ لگا دیتے تو سنیت کی اعتقادی حیثیت بھی واضح ہوجاتی اور اغیار کی تقلید سے بھی دامن پاک رہتا۔

اصولی طور پر اہل سنت والجماعت کے مطابق خلافت پانچ خلفاء پر مشتمل ہوتی ہے۔کیونکہ حدیث سفینہؓ میں تیس سالہ خلافت کا ذکر ہے اور جب تک امام حسن کی ششماہی خلافت بیچ میں نہ ڈالی جائے، تیس سالہ خلافت راشدہ پوری نہیں ہوتی۔امام حسنؓ نے چونکہ جناب امیر معاویہؓ کے حق میں دست برداری فرمائی تھی اس لئے منکرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انکے بارے میں بہت منفی رویہ اختیار کیا۔نیز حضرت غوث الثقلین سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے منکرین صحابہ کی خوب خبر لی اور سید علی ہجویری داتا گنج بخش نے بھی مقدور بھر منکرین صحابہؓ کا تعاقب کیا۔اور یہ لوگ چونکہ حضرت امام حسنؓ کی اولاد اطہار میں سے ہیں۔اس لئے ان دونوں حضرات کو بھی اور انکے آباؤ اجداد کو بھی منکرین صحابہ نے بنظر استحقار دیکھا اور قول وقلم کے ذریعے ان سے انتقام لیا۔

بنا بر حقائق مذکورہ بالا اہل السنّت والجماعت کو اپنی یومیہ سرگرمیوں میں

حضرت امام حسنؓ کے ایثار اور حضرت غوث الثقلین رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی دینی خدمات کا احساس کرتے ہوئے انکے تحفظ کے لئے بھی نعرے لگانے چاہئیں تھے جیسا کہ اہل السنّت والجماعت کے دوسرے نعروں میں اس ذوق کا احساس ہوتا ہے۔

اگر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا احساس کر کے خلافت راشدہ کے نعرے لگانے تھے تو ’’حق پنج یار‘‘ کہنا چاہیے تھا اور اگر منکرین صحابہ کی سرکوبی کے لئے نعرے لگانے تھے تو انہیں ’’حق سب یار‘‘ کا نعرہ لگانا چاہیے تھا تاکہ جو لوگ صحابہ رضی اللہ عنہم کے منکر ہیں ان کی بھی تردید ہو جاتی۔مگر موجودہ نعرہ (حق چار یار) میں بغض اہل بیت کی بو آتی ہے یا بغض صحابہ کی (رضی اللہ عنہم)۔

مگر ان لوگوں کا اصلی مقصد نہ ہی صحابہ کا نعرہ لگانا تھا نہ ہی اہلِ بیت کا بلکہ انکا مقصود اصلی نعرہ حیدری کو روکنا تھا اس لیے انہوں نے اپنے خودساختہ رویے پر اصرار کیا۔

نعرہ کی شرعی حیثیت

اب نعرہ کی شرعی حیثیت پر مندرجہ ذیل سطور ملاحظہ فرمایئے:

صاوی علی الجلالین ۴۔۲۷۶ پر علامہ احمد صاوی مالکی یمنی رحمۃ اللہ علیہ درج فرماتے ہیں کہ بعض اسباب کے تحت کئی دن تک وحی نہ آئی۔تو کفارِ مکہ نے یہ مشہور کر دیا کہ ’’ودع محمدا ربه وقلی‘‘ (محمد کو اُن کے رب نے چھوڑ دیا اور ان سے بیزار ہوگیا)۔تو اللہ تعالی نے سورہ والضحی نازل فرمائی۔

وَالضُّحٰی O وَاللَّیْلِ اِذَا سَجٰی O قسم ہے چہرہ تابدار کی اور قسم زلفِ پیچدار کی

مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی: نہ ہی تیرے رب نے تجھے چھوڑا اور نہ ہی بیزار ہوا۔

تو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بآواز بلند نعرہ تکبیر لگایا: **ای قال اللہ اکبر او لا الہ الا اللہ واللہ اکبر او لا الہ الا اللہ واللہ اکبر وللہ الحمد و حکمۃ تکبیرہ تذکرۃ عظمۃ نعمۃ اللہ تعالٰی علیہ فشکر ربہ علی ذالک ولم تشغلہ النعم عن المنعم**

یعنی سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا: اللہ سب سے بڑا ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی معبودِ برحق نہیں۔ اور اللہ سب سے بڑا ہے اور ساری تعریفیں خدا تعالیٰ ہی کے لئے ہیں۔ علامہ صاوی مالکی یمنی لکھتے ہیں کہ آپکے نعرہ تکبیر کی حکمت یہ تھی کہ جو رب تعالیٰ نے آپ پر نعمت بھیجی ہے وہ بہت بڑی ہے۔ اس بات پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کا شکر یہ ادا کیا اور نعمائے الٰہیہ نے آپ کو انعام دینے والے سے بے خبر نہیں کیا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عطیہ پر جب بے حد خوشی و جوش کے ملے جلے احساسات ابھرتے ہیں تو اس جوش میں جو آواز بلند کی جاتی ہے اسکا نام نعرہ ہے۔ اور سورۃ والضحٰی سے لیکر الناس تک ہر سورۃ کے خاتمہ پر نعرہ تکبیر لگانا مذہب شافعی میں سنت سمجھا جاتا ہے۔ تو اب جنابِ مرتضٰی ﷺ کی بدر و احد، احزاب، خیبر اور حنین کی کارکردگی پر مسلمانوں کے جذبات ابھریں اور لوگ نعرہ لگائیں تو عین برمحل ہے۔

جنابِ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی تو آپ کے جانباز ساتھی بھی ترک وطن کرکے مدینہ شریف آگئے اور جو دوسرے ملکوں میں پناہ گزین تھے وہ بھی مدینہ شریف آگئے۔ مدینہ شریف مہاجرین کا ایک کیمپ بن

گیا۔ انصارِ مدینہ نے اپنی املاک تقسیم کرکے ان صحابہ رضی اللہ عنہم کو جو مہاجرین تھے دے دیں۔ مگر صحابہ مہاجرین کا احساسِ مظلومیت دور نہ کیا جاسکا۔ اپنی غربت و تہی دستی کا شعور انہیں ہمیشہ ستاتا رہا۔ بدر کی جنگ میں اترنے تک یہ احساس بدستور زندہ رہا اور میدان جنگ میں صورتِ حال نازک سے نازک تر ہوتی چلی گئی۔ بڑے بڑے شیروں دلیروں کے پتے پانی ہونے لگے، سینوں میں دل دھکڑ دھکڑ بجنے لگے۔ میدان جنگ کا پانسہ پلٹا ہوا دیکھ کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر مبارک سجدے میں چلا گیا اور حضورِ کردگار عرض کیا: مولا یہ مٹھی بھر مسلمان اگر مارے گئے تو قیامت تک تیرا نام لینے والا دنیا میں کوئی باقی نہیں ہوگا۔

ادھر مجموعی نقشہ جنگ یہ تھا اُدھر جنابِ مولا مرتضٰی ﷺ کی جنگی کیفیت دُرِ یکتا کی طرح بے ہمتا تھی۔ اس صورتِ حال کا دباؤ صرف خاکی نژادوں پر ہی نہیں تھا بلکہ آسمانی قدسیوں پر بھی پڑ رہا تھا حتی کہ داروغہ جنت، جنت کی فضاؤں کو چھوڑ کر صفِ کارساز میں اُتر آیا اور بابانگِ دہل یہ نعرہ لگایا:۔

لا سیف الا ذوالفقار	**لا فتی الا علی**
علی کے بغیر مرد کوئی نہیں	ذوالفقار کے بغیر تلوار کوئی نہیں

اس جگہ نعرہ کے معنی صادق آگئے، بے حد خوشی اور جوش کے احساس میں داروغہ جنت رضوان نے یہ نعرہ بلند کیا: **عن ابی جعفر محمد بن علی قال نادی ملک من السماء یوم بدر یقال لہ رضوان: لا سیف الا ذوالفقار لا فتی الا علی** (ریاض النضرۃ ۴۔۱۵۵)

اعتراضات کے جوابات

اس پر معترض کا اعتراض یہ ہوسکتا ہے کہ اس سے تو انبیاء علیہم السلام پر بھی جناب مرتضٰی ﷺ کی برتری لازم آتی ہے، اس بیان سے تو لازم آتا ہے کہ جناب مرتضٰی ﷺ، انبیاء علیہم السلام سے بھی افضل ہوں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی ذوات مقدسہ تو بداہت عقلی سے مستثنٰی ٹھہرتی ہیں۔ کوئی غیر نبی، نبی سے افضل ہرگز نہیں ہوسکتا۔ افضل کی تو کیا بات ہے، نبی جیسا بھی کوئی نہیں ہوسکتا۔

دوسرا اعتراض یہ واقعہ ہوسکتا ہے کہ صرف علی ﷺ ہی نہیں باقی بھی تو دنیا میں مرد گذرے ہیں یہ امر واقعہ کے خلاف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اسلوب کلام بلاغیوں کی زبان میں قصر کہلاتا ہے، جسکو نحوی لوگ حصر کہتے ہیں۔ اسمیں دو اسلوب ہوتے ہیں۔ ایک کا نام قصر حقیقی واقعی ہوتا ہے اور دوسرے کا نام قصر حقیقی ادعائی ہوتا ہے۔ حقیقی واقعی کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ، اس شہر میں نہیں ہے کوئی پہلوان مگر ایک اور سچ مچ اس شہر میں سوائے ایک کے کوئی دوسرا پہلوان نہ ہو۔ اس کا نام ہے قصر حقیقی واقعی۔ یعنی جیسا کہا ویسا ہی ہے۔ یعنی سچ مچ اس شہر میں ایک ہی پہلوان ہے۔ قصر حقیقی ادعائی کی مثال یہ ہے کہ کہنے والے نے کہا، (اس شہر میں کوئی پہلوان نہیں سوائے ایک پہلوان کے) حالانکہ اس شہر میں کئی ایک اور بھی پہلوان ہیں مگر متکلم نے جو معیار ایک پہلوان کے لئے وضع کیا ہے اسپر پورا اترنے والا پہلوان ایک ہی ہے۔ یعنی اگر چہ پہلوان اور بھی ہیں مگر ہمارے معیار پر پورا اترنے والا صرف ایک ہی پہلوان ہے۔

تو داروغہ جنت رضوان فرشتے کے بیان **لا سیف الا ذوالفقار لا فتی الا علی** کا بالکل صاف اور بے عیب مطلب لیا جاسکتا ہے کہ ہمارے معیار پر پوری اترنے والی تلوار صرف ایک ہی تلوار ہے۔ یعنی علی ﷺ جس پر تلوار کا وار کرے وہ جان بر نہ ہو سکے اور جو اس کو مارنا چاہے اسکا کچھ بگاڑ نہ سکے، یہ شان جوانوں میں صرف علی ﷺ کی ہے۔ اور تلواروں میں صرف یہ ذوالفقار کی ہے۔ اس منظر کو دیکھ کر مہاجر صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنی بالادستی کا احساس بھی ہوا اور انصار مدینہ کی جان میں بھی جان آ گئی۔

اب نعرہ حیدری کا مسئلہ ایک حد تک صاف ہو آیا۔ دور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نعرہ حیدری لگایا گیا منع نہ کیا گیا۔ اور لگانے والا آسمانی فرشتہ ہے جسکی بیگناہی مسلمات میں سے ہے۔ بنیادی طور پر یہ نعرہ آسمانی قدسیوں نے سکھایا ہے جسکو زمین والوں نے اپنا لیا تھا۔

اب سنیت جس کا نام ہے اس کا معیار دور حاضر کے مولانا صاحب نہیں ہوں گے بلکہ (ما انا علیہ الیوم واصحابی) کے تحت سنیت کا معیار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہوں گے۔ اب نعرہ حیدری لگنے کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اپنے صحابہ کرام کے دور میں لگا۔

معلوم ہوا کہ نعرہ حیدری سنیت کا نعرہ ہے، ورنہ تو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں اس پر پابندی لگ جاتی۔ اگر پابندی نہیں لگی تو اسپر پابندی لگانا یہ سنیت نہیں ہو گا بلکہ بدعت ہو گا۔ جس طرح ایصال ثواب کا روکنا ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) نے شرح فقہ اکبر کے اندر پہلی بدعت قرار دیا کیونکہ ایصال ثواب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں ہوتا رہا ہے۔ رد کنے والے بعد میں

پیدا ہوئے۔ لہٰذا پہلی بدعت ایصال سے روکنا اور پہلا بدعتی معتزلہ ہے کیونکہ سب سے پہلے ایصال ثواب سے معتزلہ نے روکا ہے۔

اسطرح نعرہ حیدری، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے عہد میں متعدد مرتبہ لگا۔ پہلی مرتبہ جنگ بدر میں داروغہ جنت رضوان نے لگایا جیسا کہ پہلے عرض ہو چکا ہے اور دوسری مرتبہ نعرہ حیدری داروغہ جنت رضوان نے ہی میدان احد میں لگایا (ازالۃ الخلفاء عن خلافۃ الخلفاء جلد ۴، مآثرِ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ مصنفہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی)

نعرہ حیدری روکنے کی وجوہات

سب سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ اگر نعرہ حیدری اہل سنت کے ہاں قابل اعتراض چیز تھی تو ۱۹۵۳ء سے قبل کے جتنے بھی جید و محقق علمائے کرام تھے۔ انہوں نے کیوں نہ روکا؟ معلوم ہوا کہ اس عصر رواں کی کرامات میں سے ہے کہ صوفی صاحب، مولوی صاحب، سیاسی لیڈر، اور گرانٹ دلوانے والے خانہ زاد قائدین کے نعرے لگنے چاہییں مگر علی رضی اللہ عنہ کا نعرہ روکا جانا چاہیے۔ اس سے بغضِ علی کی صراحت ہوتی ہے۔

من احبّ شیأً اکثر ذکرہ (جو کسی چیز سے پیار کرے گا کثرت سے اسکا ذکر کرے گا) تو لامحالہ بطورِ مفہومِ مخالف کے جو بغض رکھے گا وہ ذکر روکے گا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو منافقین کے پہچاننے میں خاصی دقت پیش آتی تھی کیونکہ وہ بہت سنجیدہ قسم کے کپڑے بھی پہنتے تھے اور مسجد نبوی میں اپنی دینی سرگرمیاں بھی خوب دکھلاتے اور وعظ نصیحت میں بھر پور حصہ لیتے۔ ظاہر داری میں عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں بہت ترقی یافتہ مسلمان معلوم ہوتے تھے۔ انکا پہچان

[illegible] بن گیا تھا۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ خدری بڑے فقیہ، مجتہد اور افاضل صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے تھے، فرماتے ہیں کہ ہم نے حدیثِ مرفوع سنی ہوئی تھی۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

کان رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) یقول لا یحب علیا منافق ولا یبغضہ مؤمن (ترمذی شریف ۲۔۲۳۵)

(سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ: کوئی منافق، علی رضی اللہ عنہ سے پیار نہیں کرتا اور کوئی مومن علی رضی اللہ عنہ سے بغض نہیں رکھتا)

اب کوئی یہ تو کہہ نہیں سکتا کہ میں علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا نعرہ محبت کی وجہ سے روکتا ہوں۔ اب ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا فرمان کہ ہم نے حبِ علی رضی اللہ عنہ کو نشان مومن کے طور پر سمجھا ہوا تھا اور بغضِ علی نشان منافقت کے طور پر سمجھا ہوا تھا۔ اس لئے ہم لوگ مومن اور منافق کی تمیز کیلئے نام علی رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے منافق کے چہرے پر منفی قسم کے آثار ظہور میں آجاتے:

ان کنا لنعرف المنافقین نحن معشر الانصار ببغضھم علی ابن ابی طالب (ترمذی شریف ۲۔۲۳۵) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: بے شک ہم لوگ (جو جماعتِ انصار کے لوگ تھے) منافقین کو بغضِ مرتضی رضی اللہ عنہ سے پہچان لیا کرتے تھے۔

تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جس فارمولے کے مطابق منافقین کو پہچانا کرتے تھے وہ پہلے سنیوں کا فارمولا ہے۔ ہم بھی اسی قاعدے کے مطابق منافقین کو پہچاننے کا حق

رکھتے ہیں۔نعرہ حیدری کے روکنے سے بغض علی ﷛ ثابت ہوا اور بغضِ علی ثابت ہونے سے منافقت ثابت ہوئی۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاوی رضویہ میں حدیث نقل فرماتے ہیں: قال صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم :من لم یعرف عترتی والانصار والعرب فهو لا حدی ثلث اما منافق واما لزنیة و اما لغیر فهو حملته وامه علی غیر طهر رواه الباوردی ۔ وابن عدی والبیهقی فی الشعب واخرون عن علی کرم الله وجهه.

ترجمہ:(جو میری عترت اور انصار اور عرب کا حق نہ پہچانے وہ تین حال سے خالی نہیں، یا تو منافق ہے یا حرامی یا حیضی بچہ۔اسے روایت کیا ہے باوردی اور ابن عدی اور بیہقی نے شعب میں اور ان کے علاوہ دوسروں نے علی کرم اللہ وجہہ سے) فتاویٰ رضویہ ج ۲۳ ص ۲۵۳)

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے بغض رکھنے والے کو خود تلاش کرنے اور فیصلہ کرنیکی ضرورت ہے کہ وہ ان تینوں اقسام میں سے کون ہے؟

کافرساز ایجینسیوں کے زعماء کو دعوتِ فکر

۱۔ ستفترق اُمتی علی ثلا ث وسبعین فرقة، الناجیه منها واحده والباقون هلکی قیل: من الناجیه،قال: اهل السنة والجما عة.قیل:ما السنة والجماعة.قال: ما انا علیه الیوم واصحابی. (الملل و النحل ۱.۱۱ علامه عبد الکریم شهرستانی)

ترجمہ:عنقریب میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائیگی۔ان میں سے نجات پانے والا

ایک فرقہ ہوگا۔باقی ہلاک ہونے والے ہونگے۔سوال کیا گیا:نجات پانے والا فرقہ کونسا ہوگا؟آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:(وہ) اہل السنّت والجماعت ہونگے۔سوال کیا گیا اہل السنّت والجماعت کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :(اہل السنّت والجماعت)وہ چیز ہے جس پر میں اور میرے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) آج کے دن ہیں۔

۲۔ عن ابی هریرة ان رسول ا للهصلی الله علیه و آله وسلم قال تفرقت الیهود علی احدی وسبعین فرقةاوا ثنتین و سبعین فر قة و النصاری مثل ذلک وتفترق امتی علی ثلاث وسبعین فرقةً (ترمذی ۲۔۱۰۴)

ترجمہ: جنابِ ابوہریرہ ﷛ سے روایت ہے: رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: یہودی اکہتر یا بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے اور نصرانی بھی اسی طرح (بٹ گئے تھے) اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائیگی۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

وان بنی اسرائیل تفرقت علی ثنتین و سبعین ملة وتفترق امتی علی ثلاثِ وسبعین ملةً کلهم فی النارالا ملة واحدة قالوا من هی یا رسول الله قال ما انا علیه و اصحابی (ترمذی شریف ۲.۱۰۴)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائیگی جو سارے کے سارے دوزخ میں جائینگے۔سوائے ایک فرقے کے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا یارسول اللہ وہ کون ہیں؟ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:(وہ وہ لوگ ہیں) جو اس عقیدے

اورعمل پر ہونگے جو میرا اور میرے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کا ہے۔

۴۔ عن معاویة بن سفیان انه قام فینا فقال الا ان رسول الله (صلی الله علیه وآله وسلم) قام فینا فقال الا ان من قبلکم من اهل الکتاب افترقوا علی ثنتین وسبعین ملة وان هذه الملة ستفترق علی ثلاث و سبعین ثنتان وسبعون فی النار. و واحد فی الجنة وهی الجماعة.

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بن سفیان سے روایت ہے۔ وہ ہم میں کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا: خبردار بیشک ہم میں سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے اور فرمایا: ''خبردار بیشک جو لوگ تم سے پہلے گزرے ہیں اہل کتاب میں سے وہ بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے اور یہ ملت (میری اُمت) تہتر فرقوں میں بٹ جائیگی۔ بہتر دوزخ میں جائینگے اور ایک جنت میں جائے گا اور وہ جماعت ہے۔

یہ ہیں وہ بہتر فرقوں والی احادیث جسمیں صرف تہتر واں فرقہ جنتی ہو گا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ امت جو تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی اور صرف ایک فرقہ جنتی ہوگا باقی بہتر دوزخ میں جائیں گے، کیا یہ امت دعوت ہے یا امت اجابت؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد امت اجابت ہے (جنھوں نے اسلام قبول کیا ہے) امت دعوت مراد نہیں ہے (یعنی وہ لوگ جن کو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کی دعوت دی ہے یا جن کو دینی چاہیے تھی) کیونکہ اگر امت دعوت مراد لی جائے تو وہ تہتر فرقے نہیں بنتے بلکہ وہ تو کئی ہزار ہوں گے۔ لہٰذا اہل علم نے اسی پر اتفاق کیا ہے کہ اس سے مراد امت اجابت ہی ہے۔

یہاں ایک سوال ابھر کر سامنے آتا ہے کہ بہتر فرقے جو دوزخ میں جائیں گے کیا وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے یا کچھ عرصہ اپنے اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر جنت میں آ جائیں گے؟ اس کا جواب اگر یہ دیا جائے کہ وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے تو یہ جواب نصوص واحادیث قطعیہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ امت محمدیہ کا کوئی فرد بھی ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا اور اگر یہ جواب دیا جائے کہ وہ لوگ صرف اپنے اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد واپس جنت میں آ جائیں گے تو اسمیں ان ناری فرقوں کی کیا خصوصیت ہے۔ اسمیں تو اہل السنّت والجماعت کے وہ گنہگار بھی شامل ہوں گے جو گناہوں سے توبہ کیے بغیر مر گئے اور کسی وجہ سے سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کی شفاعت نہ فرمائی اور کسی سبب سے ان پر فضل الٰہی بھی نہ ہوسکا۔

یہ ایک قدیم سوال عقائد کی کتابوں میں چلا آرہا ہے جسکا جواب شرح عقائد کے دیگر شارحین نے بھی دیا ہے اور ملا جلال الدین دوانی نے بھی ''ملا جلال'' میں دیا ہے۔ ان کے جوابات کا خلاصہ یہ ہے باقی فرقے جو ناری کہلاتے ہیں وہ اپنے عقائد باطلہ کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے اور اپنے بطلان عقائد کی وجہ سے دوزخ سے نکل نہیں سکیں گے مگر اہل سنت کا کوئی فرد بھی اپنے عقائد صحیحہ کی وجہ سے دوزخ میں ہمیشہ کیلئے نہیں جائے گا۔ اگر دوزخ میں کچھ مدت کے لئے جائے گا تو صرف اپنے اعمال فاسدہ کی وجہ سے جائے گا۔ اور اپنے اعمال سیئہ کی سزا بھگتنے کے بعد جنت میں آ جائے گا۔ اور زیادہ ممکن یہ بھی ہے کہ اسکے عقائدِ صحیحہ اور نظریاتِ راسخہ کی وجہ سے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شفاعت فرمائیں تو اسکے گناہ معاف ہوجائیں۔

شفاعتی لا ھل الکبائر من امتی (میری شفاعت میری امت کے بڑے بڑے گناہ گاروں کے لئے (بھی) ہے)

اس پر اہل علم نے یہ سوال کیا ہے کہ اس جگہ، اس حدیث میں تو جہنم سے بچنے کی وجہ عقیدہ صحیحہ تو قرار نہیں دیا اور نہ ہی عقیدہ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ تو آپ نے عقیدہ کا مفہوم کس طرح استنباط کیا ہے؟

اس کا جواب عرض ہے کسی پوری کی پوری جماعت کے دوزخ میں داخل ہو جانے کا یا پوری کی پوری جماعت کے دوزخ سے بچ جانے کا سبب کوئی ایسی چیز ہو سکتی ہے جو اُن سب میں یکساں طور پر مشترک ہو۔ اب ظاہر ہے کہ پوری کی پوری جماعت کے اعمال یکساں نہیں ہو سکتے بلکہ پوری کی پوری جماعت کا عقیدہ ایک جیسا ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ہم یہ سمجھنے میں حق بجانب ہیں کہ اہل بدعت کے جماعۃً دوزخ میں جانے اور اہل سنت کے جماعۃً دوزخ سے بچ جانے کا سبب عقیدہ فاسدہ یا عقیدہ صحیحہ علی الترتیب المذکور ہو سکتا ہے۔

اب ایک مسئلہ زیر بحث لایا جاتا ہے کہ اہل حق تو اہل السنّت والجماعت ہیں۔ مگر کیا دوسرے فرقے جنھیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہنمی قرار دیا ہے، انھیں کافر سمجھنا چاہیے جیسے کہ جبریہ و قدریہ ہیں، روافض وخوارج ہیں، معطلہ ومشبہ ہیں۔ علمائے عقائد کا کہنا ہے کہ یہ جملہ فرقے مبتدعہ کہلائینگے، فاسق و فاجر کہلائیں گے، مستوجب جہنم ہونگے۔ مگر اس وقت تک کافر نہیں کہلائیں گے جب تک اُن کی بدعت کفر کو نہیں پہنچتی۔ یعنی جب تک ضروریات دین کا انکار نہیں کریں گے یا نصوص

قطعی کا انکار نہیں کریں گے انکا شمار مسلمانوں کے بدعتی جہنمی فرقوں میں ہوگا مگر کافر نہیں کہلائیں گے۔

شرح عقائد ص ۱۱۵ پر ہے: تجوز الصلوۃ خلف کل بر و فاجر لقولہ علیہ السلام صلوا خلف کل بر و فاجر لان علماء الا مۃ کانوا یصلون خلف کل الفسقۃ واھل الا ھواء والبدع ھذا اذا لم یود الفسق اوالبدعۃ الی حد الکفر

جمہور فقہاء و متکلمین کی رائے درباره مبتدعین

ہندوستان میں جن علمائے کرام نے شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ پہلے پہل عقائد پر کام کیا ان میں سے ایک مولانا فضل رسول بدایونی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، وہ اپنی مشہور کتاب المعتقد المنتقد ص ۱۱۱ پر درج ذیل تحریر میں لاتے ہیں:

وجمہور الفقہاء والمتکلمین الی انہ لا یحکم بکفر احد من المخالفین فیما لیس من الا صول المعلومۃ ضرورۃ من الدین ولکن المخالف فیھا یبدع ویفسق.

جمہور فقہاء و متکلمین کا یہ مذہب ہے کہ کسی ایسے آدمی کو کافر نہ کہا جائے جو اس مسئلے میں اختلاف کرے، جو دین کی اصولی ضروریات میں سے نہ ہو لیکن ایسے مسئلہ میں اختلاف کرنے والے کو بدعتی یا فاسق کہنا چاہیے۔

شرح عقائد ۱۱۵ ص پر ہے: تجوز الصلوۃ خلف کل بر و فاجر لقولہ علیہ السلام :صلوا خلف کل بر و فاجر .لان علماء الامۃ کانوا

يصلون خلف الفسقة واهل الاهواء والبدع من غير نكير

ترجمہ؛ ہر نیک وبد کے پیچھے نماز درست ہے کیونکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ ہر اچھے اور برے (مسلمان) کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو اور اس وجہ سے کہ امت کے علماء فاسقون، اہل اہواء (وہ اہل قبلہ جو اہل سنت جیسے عقائد نہیں رکھتے) اور اہل بدعت کے پیچھے بغیر انکار کے نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔

وما نقل عن بعض السلف من المنع خلف المبتدع فمحمول على الكراهية اذ لا كلام فی كراهية الصلوة خلف الفاسق والمبتدع

جو بعض سلف صالحین کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے مبتدع (غیر سنی) کے پیچھے نماز پڑھنے سے منع کیا ہے اس سے مراد نماز کا مکروہ ہونا ہے۔ کیونکہ فاسق اور مبتدع کے پیچھے نماز مکروہ ہونے میں کوئی بحث ہی نہیں ہے۔

یہ جمہور اہل سنت کی آراء ہیں۔ بحیثیت سنی حنفی کے میں نے مبتدع کے پیچھے نماز کے عدمِ جواز پر اعلیحضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول لکھ دیا ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی نے اپنی کتاب، (میزان العقائد) میں شرح عقائد کے مذکورہ جملے کی شرح میں تحریر فرمایا ہے:

حاشیہ نمبر ۴ : خلف كل بر و فاجر اشارة الى انهما سواء فی الامامة والا لاحاجة لقوله "بر" لانه تجوز الصلوة خلفه مطلقا قطعا (ملاجلال) حاشیہ

خلف کل برو فاجر، اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ دونوں امامت میں برابر ہیں ورنہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کی کوئی ضرورت نہ تھی "بِر" کیونکہ اس کے پیچھے نماز مطلقاً وقطعاً درست ہے۔

نمبر ۵۔ اهل الاهواء هم اهل القبلة الذين لا يكونوا معتقدهم معتقد اهل السنة والجماعة وهم الجبرية والقدرية والروافض والخوارج والمشبهة والمعطلة

جن اہل اہواء کے پیچھے نماز پڑھنے کو شاہ عبدالعزیز نے جائز قرار دیا ہے وہ (اہل اہواء) وہ اہل قبلہ ہیں، جنکے عقائد اہل سنت والے نہیں ہیں اور وہ (جبریہ وقدریہ ہیں روافض وخوارج ہیں اور معطلہ ومشبہ) ہیں۔

علامہ بدرالدین عینی اپنی کتاب "البنایہ فی شرح الہدایہ" ۱-۳۹۲ پر رقمطراز ہیں:

اما الفاسق بالتاويل كمن يسب السلف الصالح فعنه روايتان ،وعن احمد فيه روايتان فی جواز الاقتداء به مطلقا ،اصحهما المنع وقلنا نحن والشافعی بجواز امامته لقوله عليه الصلوة والسلام "صلوا خلف كل بر وفاجر" و لان ابن عمر وانسا و غيرهما من الصحابة رضی الله عنهم والتابعين صلّوا خلف الحجاج الجمعة و غيرها مع انه كان افسق اهل زمانه

ترجمہ: رہی بات اس فاسق کی جو تاویل کرتا ہے، جیسا کہ وہ شخص جو سلف صالحین کو سب کرتا ہے۔ (امام مالک) سے اسکے بارے میں دو روایتیں ہیں اور امام احمد سے

بھی دو روایتیں ہیں۔ایک روایت میں تو مطلقاً جواز ہے (یعنی ایسے مبتدع کے پیچھے جو سلف صالحین کو سب وشتم کرتا ہے مگر کوئی تاویل کرتا ہے، درست ہے) مگر صحیح روایت کے مطابق منع ہے (اسکے پیچھے نماز منع کی گئی ہے۔) ہم نے (احناف نے) اور امام شافعی نے اسکی امامت کو جائز قرار دیا ہے، کیونکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر اچھے اور برے کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو (یعنی کسی بھی درجے کے مسلمان کی اقتداء میں نماز پڑھ لیا کرو) کیونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اور انس ﷺ اور دوسرے صحابہ کرام اور تابعین (رضی اللہ عنہم) نے حجاج بن یوسف کے پیچھے جمعہ اور دوسری نمازیں پڑھیں باوجودیکہ وہ اپنے زمانے کا سب سے بڑا فاسق تھا۔

اسی کتاب کے اسی صفحہ پر علامہ بدرالدین عینی خامہ فرسا ہیں۔

وکان ابن مسعود یصلی خلف الولید بن عقبۃ صلوۃ الجمعۃ وسائر الصلوات وکان الولید والیا با لکوفۃ وکان فاسقا حتی صلی بالناس یوما وھو سکران.

ترجمہ: ابن مسعود ﷺ، ولید بن عقبہ کے پیچھے جمعہ کی نماز اور دوسری نمازیں پڑھا کرتے تھے جبکہ ولید بن عقبہ کوفے کا گورنر تھا اور فاسق تھا حتیٰ کہ اسنے لوگوں کو ایک دن نماز پڑھا دی جبکہ وہ نشے میں مخمور تھا۔

علامہ بدرالدین عینی اپنی انہی توضیحات میں اسی کتاب کے ص ۳۹۳ پر تحریر فرماتے ہیں: **فأصل الجواب ان من کان من اھل قبلتنا ولم یعمل فی قولہ حتی لم یحکم بکفرہ تجوز الصلوۃ خلفہ**

(ان کی سوالات کا) اصل جواب یہ ہے کہ جو ہمارے اہل قبلہ میں سے ہو اور کوئی ایسی بات نہ کرے کہ اسکے کفر کا حکم کیا جائے اسکے پیچھے نماز درست ہوگی۔

اسی صفحہ پر علامہ عینی لکھتے ہیں:

وعن ابی یوسف من اتخذ من ھذہ الاھواء شیئا فھو صاحب البدعۃ

ترجمہ (جو کوئی ان چیزوں میں سے کسی کو اختیار کرے خلق قرآن کا قول کرے یا رافضی غالی جو ابوبکر صدیق ﷺ کی خلافت کا انکار کرے یا مشبہ کا مذہب اختیار کرے وہ بدعتی ہوگا (کافر نہیں ہوگا)۔

اسی کتاب کے اسی صفحہ پر بدرالدین عینی تحریر فرماتے ہیں؛

وروی محمد عن ابی حنیفۃ و ابی یوسف ان الصلوۃ خلف اھل الاھواء لا تجوز

ترجمہ: امام محمد نے ابوحنیفہ وابو یوسف (رحمہم اللہ) سے روایت کیا، اہل اہواء (غیر اہل سنت) کے پیچھے نماز درست نہیں۔

چونکہ ہم لوگ سنی حنفی ہیں ہمارے امام صاحب (امام ابوحنیفہ ﷺ) کسی بھی مبتدع کے پیچھے نماز کو جائز قرار نہیں دیتے لہٰذا ہم کسی مبتدع کے پیچھے نہ ہی نماز پڑھتے ہیں اور نہ ہی جائز قرار دیتے ہیں باوجود اس بات کے کہ ہمارے ائمہ کسی بھی مبتدع کو کافر نہیں قرار دیتے۔

یہ جتنی بحث مبتدع (غیر سنی) کے بارے میں گزری ہے جسکے پیچھے دوسرے ائمہ دین نماز پڑھ لینے کو بھی جائز قرار دیتے ہیں اور کافر بھی قرار نہیں دیتے اور ہمارے

ائمہ اہل سنت حنفی کافر قرار نہ دینے میں تو متفق ہیں مگر ان کے پیچھے نماز پڑھنے کو جائز نہیں قرار دیتے، اس سارے بیان سے یہ مراد ہوگی کہ جب تک انکی بدعت درجہ کفر کو نہیں پہنچتی اس وقت تک انکے پیچھے نماز جائز ہے، (بقول غیر حنفی سنی کے) مگر جب انکی بدعت کفر کو پہنچ جائے گی تو وہ لوگ کافر بھی قرار پائینگے اور انکے پیچھے نماز بھی درست نہ ہوگی۔

شرح عقائد نسفی ص ۱۱۵ پر ہے: **هذا اذا لم يود الفسق او البدعة الى حد الكفر، اما اذا ادى اليه فلا كلام فى عدم جواز الصلوة خلفه**

ترجمہ: یہ (مراعات؛ کفر کا حکم نہ لگانا اور انکے پیچھے نماز جائز قرار دینا) اسوقت تک ہے جسوقت تک فسق یا بدعت کفر کی حد تک نہ پہنچے مگر جس وقت اس حد (کفر) تک پہنچ جائے تو پھر اسکے پیچھے نماز ناجائز ہونے میں کوئی کلام نہیں۔

مسئلہ تکفیر کے بارے میں سید شریف جرجانی (متوفی ۸۱۶ھ) شرح مواقف (بر مواقف مصنفہ قاضی عضد الدین عبدالرحمان متوفی ۷۵۶ھ) ۸۔۳۷۰ پر خامہ فرسا ہیں۔ "**الاتفاق على انه لا يكفر احد من اهل القبلة**"

(اس پر اتفاق ہے کہ کسی بھی اہل قبلہ کو کافر نہیں کہا جائے گا)

جمهور المتكلمين والفقهاء على انه لا يكفر احد من اهل القبلة. فان الشيخ ابا الحسن الاشعرى قال فى اول كتاب "مقالات الاسلاميين" اختلف المسلمون بعد نبيهم عليه السلام فى اشياء ضلل بعضهم بعضا و تبرء بعضهم عن البعض فصاروا فرقا متباينين الا

ان الاسلام يجمعهم ويفهمهم فهذا مذهبه وعليه اكثر اصحابنا.

(ترجمہ) جمہور متکلمین اور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اہل قبلہ میں سے کسی کو کافر نہ کہا جائے۔ شیخ ابوالحسن اشعری نے اپنی کتاب (مقالات الاسلامیین) کے آغاز میں کہا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مسلمان بہت ساری اشیاء میں آپس میں مختلف ہو گئے۔ انہوں نے ایک دوسرے کو گمراہ کہا اور ایک دوسرے کو تبرا کیا۔ مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔ مگر اسلام انہیں آپس میں اکٹھا کرتا ہے اور ہم آہنگی پیدا کرتا ہے، یہی مذہب ہے (امام ابوالحسن اشعری کا اور اکثر احناف کا بھی یہی مذہب ہے)۔

ایک نظر سے علمائے حدیث کا جائزہ لینا بھی مناسب ہوگا۔ اگر اہل سنت کے سوا دوسرے فرقے کافر ہو جاتے ہیں تو فرقہ ہائے مبتدعہ (جبریہ و قدریہ، شیعہ خوارج، مشبہ، معطلہ) سے حدیث لینا کیسا ہوگا؟

تدریب الراوی شرح تقریب النواوی ج ۱۔ص ۳۲۸، ۳۲۹ پر جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: **النوع الثالث و العشرون. صفة من تقبل روايته ومن ترد وما يتعلق به.** اس شخص کی صفت جسکی حدیث لی جائے اور اسکی صفت جسکی حدیث رد کی جائے، اس میں بہت سارے مسائل ہیں جنمیں پہلا مسئلہ یہ ہے:

اجمع الجماهير من آئمة الحديث والفقه انه يشترط فيه ان يكون عدلا، ضابطا بان يكون مسلما، بالغا، عاقلا، سلما من اسباب الفسق وقوارم المروئة (تدريب الراوى ١.٣٠٠)

حدیث و فقہ کے جمہور ائمہ نے اس بات پر اتفاق کیا کہ (قبول حدیث کے لئے) ضروری ہوگا کہ وہ عدل ہو، ضابط ہو، یعنی کہ وہ مسلمان، عاقل، بالغ ہو، اسباب فسق سے پاک ہو اور اخلاق مذمومہ سے بھی منزہ ہو۔

عدل کی تفسیر کرتے ہوئے امام سیوطی حیز تحریر میں لاتے ہیں:

بان یکون مسلما، بالغا، عاقلا فلا یقبل کافر ومجنون مطلق بالا جماع (تدریب الراوی، ۳۰۰) ۔یعنی کہ وہ (راوی) مسلمان ہو، بالغ ہو، عاقل ہو، کسی کافر کی اور مسلسل پاگل رہنے والے کی حدیث قبول نہیں کی جائے گی۔

تدریب الراوی کے ان مندرجات سے پتہ چلا کہ **علم المصطلح** میں کافر سے حدیث لینا ممنوع ہے۔ جسکا معنی یہ ہوگا کہ جس سے حدیث لی گئی اسکو محدثین نے کافر نہیں سمجھا۔ اگر کافر سمجھا ہوتا تو حدیث کبھی نہ لیتے۔

اب ہم محدثین کے مجموعہ ہائے احادیث سے اقتباسات پیش کریں گے جس سے یہ بات طشت از بام ہو جائے گی کہ دور حاضر کے وہ دانشور جو اپنے ذاتی جذبات کی تسکین کے لئے کہتے پھرتے ہیں (وہابی کافر، شیعہ کافر) کیا انہوں نے درسیات پورے پڑھے ہوئے ہیں؟ اگر پورے پڑھے ہوئے ہیں تو یہ سینہ زوری تو انہیں نہیں کرنی چاہئے تھی۔

امام سیوطی، تدریب الراوی شرح تقریب النواوی ۱۔۳۲۸ پر لکھتے ہیں:

اردت عن اسرد هنا من رمی ببدعته ممن اخرج لهم البخاری ومسلم او احدهما وهم (۱) ابراهیم بن طهمان (۲) ایوب بن عائذ طائی (۳) ذر بن عبدالله المدهی (۴) شبابه بن سوار (۵) عبدالحمید بن

عبدالرحمان، ابو یحییٰ حمانی (۶) عبدالمجید بن عبدالعزیز (۷) ابن ابی داود (۸) عثمان بن غیاث بصری (۹) عمر بن زر (۱۰) عمر بن مرہ (۱۱) محمد بن حازم (۱۲) ابو معاویه الفریر (۱۳) ورقاء بن عمر الشکری (۱۴) یحییٰ بن صالح ابو حاظی (۱۵) یونس بن بکیر،

سیوطی تحریر فرماتے ہیں: میں نے چاہا کہ ان لوگوں کو یہاں ترتیب دوں جنکو بدعتی کہا گیا اور مسلم و بخاری نے یا ان میں سے ایک نے ان بدعتیوں سے روایات لی ہیں۔ سیوطی نے ان پندرہ آدمیوں کے نام بطور راویان بخاری و مسلم کے لئے ہیں اور یہ پندرہ آدمی ں نہیں بلکہ مرجہ تھے جنہیں تہتر فرقوں میں سے ایک جہنمی فرقہ قرار دیا گیا ہے۔

اسی طریقے سے امام سیوطی نے ان راویان مسلم و بخاری کے نام لئے ہیں جو بغض علی کے مریض تھے اور ہر دوسرے آدمی کو جناب مرتضٰی رضی اللہ عنہ سے افضل سمجھتے تھے۔

(۱) اسحاق بن سوید العدوی، (۲) ھند بن اسد (۳) ضریر بن عثمان (۴) حصین بن نمیر الواسطی (۵) خالد بن سلمہ الفافاء (۶) عبداللہ بن سالم الاشعری (۷) قیس بن ابی حازم۔ **ھولاء رموا بالنصب**، ان آدمیوں کا نام لینے کے بعد سیوطی تحریر فرماتے ہیں کہ یہ لوگ منکرین مرتضٰی تھے۔ علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتے ہوئے دوسروں کو اُن سے افضل سمجھتے تھے۔

اسی باب میں امام سیوطی لکھتے ہیں (۱) اسمعیل بن ریان (۲) اسماعیل بن زکریا خلقانی (۳) جریر بن عبدالحمید (۴) ابان بن تغلب الکوفی (۵) خالد بن مخلد القطوانی (۶) سعید بن فیروز (۷) ابوالبختر ی (۸) سعید بن اشوع (۹) سعید بن

عقیر(۱۰)عباد بن عموریہ(۱۱)عباد بن یعقوب(۱۲)عبداللہ بن عیسیٰ (۱۳) عبدالرحمان بن ابی لیلیٰ(۱۴)عبدالزاق بن ہمام(۱۵)عبدالملک بن اعین(۱۶) عبیداللہ بن موسیٰ عصبی(۱۷)عدی بن ثابت الانصاری(۱۸)علی بن الجعد(۱۹)علی بن ہاشم بن البرید(۲۰)الفضل بن دلکن(۲۱)فضیل بن مرزوق الکوفی(۲۲)فطر بن خلیفہ(۲۳)محمد بن مجادہ الکوفی(۲۴)محمد بن فضیل بن غزوان(۲۵)مالک بن اسماعیل ابوغسان(۲۶)یحییٰ بن الخراز(تدریب الراوی ا۔۳۲۸)ان چھبیس راویان بخاری و مسلم کا نام لے کر بتایا کہ یہ سب لوگ شیعہ تھے۔اسی طرح اگلے صفحہ پر امام سیوطی نے تیس راویان کے نام درج کئے جو سارے کے سارے قدریہ تھے۔

اسی باب میں امام سیوطی نے چند نام راویان بخاری کے گنوائے اور بتایا کہ یہ لوگ خارجی تھے۔ان میں سے ایک عکرمہ مولیٰ ابن عباس ہے

(۲)ولید بن کثیر ہے، یہ لوگ حروری تھے جو جناب مولا مرتضٰی رضی اللہ عنہ کو تبرا کرتے تھے۔

اب ذرا سوچ کر بتلایئے کہ (وہابی کافر،شیعہ کافر)اور واہ واہ کے نعرے لگانے والے کٹھ پتلیاں،انکی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟ جملہ مبتدعین سے شیخین (مسلم و بخاری) نے احادیث روایت لی ہیں۔چونکہ مسلمان کے سوا سے حدیث لینا ممنوع ہے بطور قاعدہ مسطورہ کے۔اور مسلم و بخاری (رحمۃ اللہ علیہما) دونوں نے ان مبتدعین سے روایات لی ہیں۔ثابت ہوا کہ خارجی، ناصبی اور شیعہ بطور جماعت کے مبتدع ہوں گے،کافر نہیں ہوں گے ورنہ ان جماعتوں سے احادیث لینا درست نہ

ہوا۔چونکہ یہ جماعتیں کلیات مشککہ ہیں اس لئے ان میں سے جو ضروریات دین یا امر قطعی کا منکر ہوگا وہ کافر ہوگا۔

علامہ شامی ہمارے مذہب اہل السنۃ کے نامی گرامی بزرگ ہیں۔آپ کے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں:

مطلب فی عدم تکفیر الخوارج و اھل البدع قد ذکر فی المحیط ان بعض الفقھاء لا یکفر احد ا من اھل البدع و بعضھم یکفر من خالف منھم ببد عتہ دلیلا قطعیا (ص ۲۶۲ ج ۴)

ترجمہ: محیط میں ذکر کیا گیا کہ بعض فقہاء کسی بھی اہل بدعت کو کافر نہیں کہتے۔بعض فقہاء ان اہل بدعت کو کافر کہتے ہیں جو اپنی بدعت کے ذریعے سے کسی دلیل قطعی کی مخالفت کرتے ہیں۔

مطلب لا عبرۃ بغیر الفقھاء یعنی المجتھدین (شامی ص۲۶۳ ج ۲) **کذا قال فی شرح منیۃ المصلی .ان ساب الشیخین و منکر خلافتھما ممن بناہ علی شبھۃ لہ لا یکفر بخلاف من ادعی ان علیا الہ وان جبریل غلط**

مطلب: مجتہدین فقہاء کے بغیر دوسرے لوگوں کے فتویٰ کا کوئی اعتبار نہیں ہو گا (مزید علامہ شامی اسی صفحہ پر تحریر فرماتے ہیں)

کہ شیخین کریمین (ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما) کو سبّ کرنے والا اور ان دونوں کی خلافت کا منکر جو ایک شبے کی بنیاد پر (اس خلافت کا انکار کرتا ہو) اس کو کافر

نہیں کہا جائے گا۔ بخلاف اس آدمی کے جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خدا سمجھتا ہو یا جبرئیل کے (سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن نازل کرنے میں غلطی کا قائل ہو۔ یعنی قرآن جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر نازل کیا جانا چاہئے تھا) وہ کافر ہو جائے گا۔

امام شامی کی تحقیقات سے پتہ چلا کہ بعض فقہائے مجتہدین تو کسی بھی مبتدع کو کافر نہیں کہتے۔ جتنے بھی فرقے اہل سنت والجماعت سے جدا ہو کر بدعتی بنے ہیں، جہنمی قرار پائے ہیں، گمراہ ہیں مگر انکی گمراہی درجہ کفر کو نہیں پہنچتی۔ ایک طبقہ فقہاء نے ان مبتدعین کو بجا طور پر کافر کہا ہے جنہوں نے ادلہ شرعیہ میں سے کسی دلیل قطعی کا انکار کیا ہے۔

تکفیر اہل قبلہ کی مزید توضیح کے لئے دور حاضر کے ایک عظیم فنی دانشور کی تحقیقات پیش خدمت ہیں:

۱۔ **عن ابن عمر ان النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) قال: اذا اکفر الرجل اخاہ فقد باء بہا احد ھما (مسلم حدیث۱۲۳)**

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا،، جب کوئی شخص اپنے دینی بھائی کو کافر کہتا ہے تو دونوں میں سے کسی ایک شخص کی طرف کفر ضرور لوٹتا ہے۔

۲۔ **عن ابن عمر یقول قال رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایھا امرئ قال لا خیہ یا کا فر فقد با ء بہا احدھما ان کان کما قال و الا رجعت الیہ مسلم حدیث ۱۲۴)**

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، جس شخص نے اپنے دینی بھائی سے کہا، اے کافر، تو کفر دونوں میں کسی ایک کی طرف ضرور لوٹے گا۔ اگر وہ شخص واقعی کافر ہو گیا تھا تو ٹھیک ہے ورنہ کفر کہنے والے کی طرف لوٹے گا۔

۳۔ **عن ابی ذر انہ سمع رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لیس من رجل ادعی بغیر ابیہ وھو یعلمہ الا کفر ومن ادعی ما لیس لہ فلیس منا ولیتبوا مقعدہ من النار ومن دعا رجلا بالکفر او قال عدو اللہ ولیس کذلک الا عاد علیہ** (شرح مسلم ۱۔۴۸۱۔۴۸۰، علامہ غلام رسول سعیدی)

حضرت ابوذر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا؛ جس شخص نے علم کے باوجود اپنے نسب کے خلاف کسی اور سے نسب قائم کیا، اس نے کفر کیا۔ اور جس شخص نے دوسرے کی چیز پر دعویٰ کیا وہ ہم میں سے نہیں، وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے اور جس نے کسی شخص کو کافر کہا یا دشمن خدا کہکر پکارا، حالانکہ وہ ایسا نہیں ہے تو یہ کفر اس کی طرف لوٹ کر آئے گا۔

مسلمان کو کافر کہنے کی توجیہات

علامہ یحیٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں: بعض علماء نے اس حدیث کو مشکل احادیث میں شمار کیا ہے۔ کیونکہ اس حدیث کا ظاہری معنی مراد نہیں اس لئے اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ قتل، زنا اور اسی طرح دوسرے کبیرہ گناہوں کی وجہ سے کسی مسلمان کی تکفیر نہیں کی جاتی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہے درآں حال

کہ اسکا یہ اعتقاد نہ ہو کہ دین اسلام باطل ہے تو اسکی تکفیر نہیں کی جائیگی۔ اس وجہ سے اس حدیث کی حسب ذیل توجیہات بیان کی گئی ہیں۔؛

(۱) جو شخص جائز اور حلال سمجھ کر کسی مسلمان کو (اے کافر) کہے، وہ کافر ہو جائے گا۔

(۲) جو شخص مسلمانوں کو بکثرت کافر کہے گا، اسکی شامت سے وہ خود مآل کار کافر ہو جائیگا۔

(۳) جو شخص کسی مسلمان کو کافر کہہ رہا ہے وہ درحقیقت خود کو کافر کہہ رہا ہے۔ ایسے عقائد اسی کی مثل ہیں، وہ اسی کی طرح مسلمان ہے۔ (۴) اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص مسلمان کو کافر کہے گا اس کی تکفیر کا گناہ اسی کی طرف لوٹے گا۔

(۵) اگر کسی مسلمان شخص نے مسلمان کو بطور سب وشتم کافر کہا تو یہ گناہ کبیرہ ہے، اگر مسلمان کو اسکے اسلامی عقائد کی وجہ سے کافر کہا تو پھر یہ کفر اس کی طرف لوٹ جائیگا۔

(۶) قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ یہ حدیث خوارج پر محمول ہے جو مسلمانوں کی تکفیر کیا کرتے تھے لیکن تحقیق یہ ہے کہ باقی اہل بدعت کی طرح خوارج کی بھی تکفیر نہیں کی جاتی۔

ملا علی قاری اس بحث میں لکھتے ہیں:

امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے اہل قبلہ کی تکفیر نہ کرنے پر تفصیل سے کلام کیا ہے، خواہ وہ اہل معصیت ہوں یا اہل بدعت، اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ قول اس پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو سب کرنا کفر نہیں ہے۔ چنانچہ ابو شکور سالمی نے ''تمہید'' میں اسی قول کو صحیح قرار دیا ہے کیونکہ اس تکفیر کا معنی ثابت نہیں ہے۔ مسلمان کو سب کرنا فسق ہے جیسا کے حدیث میں ہے۔ اور اس

لئے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے مسلمان مساوی ہیں اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ کسی شخص نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہما) کو قتل کر دیا بلکہ حضرت عثمان وحضرت علی (رضی اللہ عنہما) کو بھی قتل کر دیا ہے، تب بھی وہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک اسلام سے خارج نہیں ہوگا۔ اور یہ امر مسلم ہے کہ سب کرنا قتل کرنے سے کم درجے کا گناہ ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص حلال سمجھ کر قتل یا سب کرے تو وہ لامحالہ کافر ہوگا۔ (الی قولہ)۔

شرح عقائد میں ہے صحابہ کو سب کرنا اور ان پر طعن کرنا اگر ادلہ قطعیہ کے خلاف ہو تو کفر ہے جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان لگانا، ورنہ بدعت اور فسق ہے۔ اس عبارت میں تصریح ہے کہ متکلمین کے نزدیک حضرت ابوبکر وحضرت عمر (رضی اللہ عنہما) کو سب کرنا کفر نہیں (شرح صحیح مسلم ۱۔۲۸۳ مصنفہ علامہ غلام رسول سعیدی)

اگر کافر ساز اداروں کے ارباب بست وکشاد جملہ مبتدعین (جبریہ وقدریہ شیعہ وخوارج، مشبہ ومعطلہ) کو کافر کہنے پر بضد ہیں، تو ان سے سوال کیا جائے کہ سب سے پہلے جن پر شیعہ کا اطلاق ہوا ہے، وہ تو صحابہ وتابعین کرام (رضی اللہ عنہم) ہیں۔ جن میں سر عنوان حضرت سلمان فارسی، ابوذر غفاری، جابر بن عبداللہ انصاری، ابوسعید خدری اور زید بن ارقم (رضی اللہ عنہم) وغیرہم کا نام بولتا ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی اپنی کتاب تحفہ اثنا عشریہ کے ص ۳ پر ارقام فرماتے ہیں:

الفرقة الاولى : الشيعة الاولى و يسمون " الشيعة المخلصين" ايضا و هم عبارة عن الذين كانوا فى وقت خلافة الامير

کرم الله و جهه من المهاجرین و الانصار و الذین اتبعوهم با
حسان، کلهم عرفوا له حقه، و ا حلوه من الفضل محله، و لم ینتقصوا
احدا من اخوانه اصحاب رسول الله (صلی الله علیه وآله وسلم)

ترجمہ: پہلا فرقہ، شیعہ اولیٰ ہے اور انہیں شیعہ مخلصین بھی کہا جاتا تھا۔ اس سے مراد وہ
لوگ ہیں جو جناب امیر کرم اللہ وجہہ کی خلافت کے وقت موجود تھے، مہاجرین وانصار
اور وہ جنہوں نے اچھے طریقے سے ان کی پیروی کی، سبھی (شیعان علی) نے آپ کا حق
پہچانا اور انکو انکی شان کے مطابق فضیلت دی اور آپ کے بھائیوں میں سے کسی کی
شان میں کوتاہی نہیں کی۔

اب بقول شاہ عبدالعزیز صاحب کے شیعہ اولیٰ متبعین مرتضیٰ ؓ کا نام ہے
جو صحابہ و تابعین کرام (رضی اللہ عنہم) تھے۔ اور دور حاضر کے کافر ساز ادارے شیعہ کو کلی
متواطی جان کر سب کو کافر قرار دے رہے ہیں، اُن کے اپنے ایمان کا کیا بنے گا؟

امام جلال الدین سیوطی، درمنثور ۸۔ ۵۸۹ ورطہ تحریر میں لاتے ہیں،

اخرج ابن عساکر عن جابر بن عبدالله قال کنا عندالنبی
فاقبل علی فقال النبی والذی نفسی بیده ان هذا و شیعته لهم الفائزون
یوم القیامة ۔ اس ذات کی قسم جسکے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، یہ شخص اور انکے
شیعہ ہی یوم قیامت میں کامیاب ہونے والے ہیں۔

جب یہ آیت نازل ہوئی: ان الذین آمنو او عملوا الصالحات
أولئک هم خیرا لبریه : قال رسول الله (صلی الله علیه وآله وسلم)

علی هو انت و شیعتک یوم القیامه راضین مر ضیین
بیشک جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیئے وہی لوگ سب سے اچھی مخلوق ہیں، تو
سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب مرتضیٰ ؓ سے فرمایا وہ (سب سے اچھی مخلوق) تو
آپ اور تیرے شیعہ ہیں جو قیامت کے دن خوش ہوں گے اور خوش کیئے جائیں گے۔

اب اگر امام سیوطی یہ بتائیں کہ جناب مرتضیٰ ؓ کو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے ان اپنے شیعہ کے کامیابی اور خوشی وخرمی کی دستاویز عطا فرمائی، تو اہل دانش کو وہ
شیعہ بھی انکے عقائد کے تلاش کرنے پڑیں گے جن پر کفر کا اطلاق ہو۔ جو شیعہ
ضروریات دین کا انکار کریں گے یا ادلہ قطعیہ کا انکار کریں گے، وہ کافر ہوں گے۔ اور
اس میں صرف شیعہ کی خصوصیت نہیں بلکہ امت مسلمہ میں جو بھی ضروریات دین کا انکار
کرے گا، کافر ہوگا۔ حاصل کلام یہ کہ سوائے اہل سنت والجماعت کے اسلام کے جملہ
دیگر فرقے مبتدع ہوں گے۔ کوئی بھی حق پر نہیں سمجھا جائیگا۔ مگر کافر وہ فرقہ یا شخص
ہوگا جو ادلہ قطعیہ یا ضروریات دین کا منکر ہو، خواہ اہل سنت کیوں نہ کہلاتا پھرے۔

علمائے عقائد کی تحقیق کے مطابق مبتدعہ میں سب سے بڑا فرقہ خوارج کا
ہے۔ جنہوں نے اس ذات مقدس کو کافر کہا جو سب سے پہلے مسلمان تھے اور جنہوں
نے اسلام کی بالادستی کیلئے سب سے پہلے تلوار چلائی تھی اور جس میدان میں تلوار لیکر
گئے، کبھی بھی شکست کھا کر گھر نہیں لوٹے۔

ان خوارج کے بارے میں امام کمال الدین، محمد بن

عبدالواحد سیواسی، سکندری المعروف بابن ہمام الحنفی المتوفی ۶۸۱ھ) اپنی کتاب مستطاب فتح القدیر شرح ھدایہ میں تحریر فرماتے ہیں:

وھؤلاء یسمون بالخوارج یستحلون دماء المسلمین واموالھم و یسبون نسائھم ویکفرون اصحاب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، حکمھم عند جمھور الفقھاء وجمھور اھل الحدیث حکم البغاۃ (فتح القدیر ۶۔۱۰۰)

ترجمہ: ان لوگوں کو خوارج کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے یہ لوگ مسلمانوں کے خون کو مباح جانتے ہیں اور اموال کو (بھی مباح جانتے ہیں) اور مسلمانوں کی خواتین کو گرفتار کرتے ہیں۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کافر کہتے ہیں ان کا حکم جمہور فقہاء اور اہل حدیث کے نزدیک باغیوں والا ہے۔

اسی ضمن میں جناب حیدر کرار ﷺ کا موقف در بارہ خوارج بھی ملاحظہ فرمایئے:

بلغنا عن علی (رضی اللہ عنہ) انہ بینما ھو یخطب یوم الجمعۃ اذ حکمت الخوارج من نا حیۃ المسجد، فقال علی (رضی اللہ عنہ): کلمۃ حق اریدبھا باطل، لن نمنعکم مساجداللہ ان تذکروا فیھا اسم اللہ ولن نمنعکم الفیٔ ما دامت ایدیکم مع ایدینا ولن نقاتلکم حتی تقاتلونا .ثم اخذ فی خطبتہ (فتح القدیر ۶۔۱۰۰)

ترجمہ: ہمیں جناب مرتضیٰ ﷺ کے بارے میں معلوم ہوا کہ جب آپ بروز جمعہ خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک خوارج نے مسجد کے ایک کونے سے (بآواز بلند) کہا: ان الحکم اِلا لِلّٰہ، جناب مرتضیٰ ﷺ نے فرمایا: کلمہ حق ہے جس سے باطل مراد لی گئی ہے (نیز فرمایا) ہم تمہیں اللہ کی مساجد میں ذکر (عبادت کرنے) سے نہیں روکتے اور تمہیں مال غنیمت سے بھی نہیں روکتے جب تک تمہارے ہاتھ ہمارے ہاتھوں سے ملے ہوئے ہیں (جب تک تم ہمارے شریک کار ہو) پھر آپ نے خطبہ پڑھنا شروع کردیا۔

ومعنی قولہ "حکمت الخوارج" ندائھم بقولھم "الحکم للہ.ان الحکم الا للّٰہ" وکانوا یتکلمون بذالک اذا علی فی الخطبۃ لیشوشوا خاطرہ فانھم کانوا یقصدون بذالک نسبتہ الٰی الکفر لرضاہ بالتحکیم فی صفین ولھذا قال علی (رضی اللہ عنہ): کلمۃ حق ارید بھا باطل (فتح القدیر ۶۔۱۰۰)

ترجمہ: قول (حکمت الخوارج) کا معنی (اپنی بات میں آواز بلند کرنا) الحکم للہ (فیصلہ کرنا صرف اللہ کا ہی حق ہے) وہ (خوارج) یہ بات کیا کرتے تھے جب کہ علی مرتضیٰ ﷺ خطبہ شروع فرمایا کرتے، ان کا مقصد (دراصل) حضرت علی ﷺ کو پریشان کرنا ہوتا تھا۔ اور یہ الفاظ بولنے سے ان کا مقصد آپ ﷺ کو کافر کہنا ہوتا تھا۔ بوجہ اس بات کے کہ آپ ﷺ صفین میں تحکیم پر راضی ہوئے تھے۔

اہل نظر سے التماس انصاف ہے

جب حیدر کرار ﷺ کو کافر کہنے والوں کو محققین نے کافر نہیں کہا تو اور کسی کے بارے میں مبتدع کہکر کافر کہنا کہاں کا انصاف ہوگا؟ جناب مرتضٰی ﷺ نے خوارج کو تین طرح کی سہولتیں فراہم فرمائیں جو صرف مسلمان کو دی جاسکتی تھیں۔ہم تمہیں اپنی عبادت گاہوں میں عبادت کرنے سے نہیں روکتے۔مسجد کے اندر عبادت کرنے کی اجازت صرف مسلمان کو دی جاسکتی ہے۔اور مال غنیمت میں تمہیں حصہ ملتا رہے گا جب تک تم ہمارے ساتھ جہاد میں شریک رہوگے۔یہ سہولت بھی صرف مسلمان کو دی جاسکتی ہے اور تمہارے ساتھ لڑائی نہیں کریں گے جب تک تم خود ہم سے جنگ نہ چھیڑو۔ان کوائف کو بروئے کار لانے سے یہ طے ہوگیا کہ بدترین مبتدع خوارج بھی جناب مرتضٰی ﷺ کے قول کے مطابق کافر نہیں تو پھر (وہابی کافر،شیعہ کافر) کے نعرے بے بصری یا تنگ نظری کے نتائج ہوسکتے ہیں۔کسی علمی تحقیق کا نتیجہ نہیں ہوسکتے۔

بہت سارے لوگ اس التباس میں سرگرداں ہیں کہ جب جملہ اہل بدعت مبتدع ہیں کافر نہیں۔جب کافر نہیں ہیں تو ان کی اقتداء میں نماز پڑھ لینے میں کیا مضائقہ ہے؟اور اس سلسلے میں اعلیحضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کارکردگی کو نشانہ تنقید بناتے ہیں کہ آپ نے مذاہب باطلہ کے ائمہ مساجد کے پیچھے اقتداء کرنے کو ممنوع لکھا ہے۔دور حاضر کے کچھ مرنجاں مرنج کی حکمت عملی اختیار کرنے والوں نے اعلی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اس رویئے کو سخت گیری سے تعبیر کیا ہے اور قبول عام کی خاطر گستاخان رسول کے پیچھے نماز پڑھنے کو مباح لکھا ہے۔

نیز عصر رواں میں پیرانِ ہرجائی نے موقعہ بموقعہ اشتہار بانٹے اور برملا اعلان کئے ہمارے دروازے ہر طبقہ اور ہر فرقہ کے لئے کھلے ہوئے ہیں اور بار بار کرتے ہیں کہ ہمارا مقصد اصلاح کرنا ہے۔جب تمہیں خود کو ''[illegible] القرآن'' بھی نہیں آتا،تمہیں اصلاح کیا کرنی ہے؟اس ذوق کے حق [illegible] ان گندی نالیوں میں گندے پانی کی طرح بہے،اگر بروقت ان کا تدارک نہ کیا جاتا تو شائد یو کے (برطانیہ) میں مذہبی حلقوں کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔

میں عرض کرنا چاہوں گا کہ اعلیحضرت کا یہ موقف حق ہے کہ،ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہئے کیونکہ ان کے پیچھے نماز ہوتی ہی نہیں۔

اعلی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ کی دو وجہ ہیں

(۱) اعلیحضرت نے مبتدعین کی عبارات کفریہ بلفظھا لکھ کر ''حسام الحرمین'' میں حرمین شریفین کے مفتیان کرام اور محدثین عظام سے فتاویٰ لئے جنکی روشنی میں یہ امر بالکل واضح ہے کہ ان کے پیچھے نماز نہیں ہوسکتی۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے؛ **وروی محمد عن ابی حنیفه و ابی یوسف رحمهما الله تعالی ان الصلوة خلف اهل الاهواء لا تجوز.** امام محمد نے امام ابوحنیفہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ اہل اہواء کے پیچھے نماز جائز نہیں۔

چونکہ اہل سنت والجماعت کے سوا سبھی اہل بدعت واہل اہواء ہیں ،لہٰذا بقول امام ابوحنیفہ وامام یوسف بروایت امام محمد (رحمہم اللہ) اہل اہواء واہل بدعت کے پیچھے نماز درست نہیں۔

امام طبری اور دیگر ائمہ اہل سنت پر شیعیت کے الزام کی حقیقت

اب جن حضرات کو لوگوں کو (شیعہ وہابی) بنانے کا نیا نیا شوق دامنگیر ہے، ان کے ذوق وسعت پسندی کا جائزہ لیجیے کہ ان کے خنجر بیداد کے مظلوموں میں کن کن لوگوں کا نام بولتا ہے۔ پوری امت اسلامیہ کے مسلمہ اشخاص بھی ان کے نزدیک شیعہ ہیں۔ اگر وہ شخصیات شیعہ ہیں تو یہ صغریات ہوں گے اور ان کے حلقوں نے شیعہ کے متعلق پہلے ہی فتویٰ دیا ہوا ہے کہ (وہ کافر ہیں)۔ اب منطقی صورت یہ ہو گی وہ وہ لوگ شیعہ ہیں اور ہر شیعہ کافر ہے۔ نتیجہ یہ ہوگا وہ لوگ کافر ہیں۔ اب اگر پوری ملت نے آج تک قرآن وحدیث میں انکی قیادت کو قبول کیا ہوگا تو ملت نے کافروں کی پیروی کی ہوگی۔ ملاحظہ فرمائیے؛

(۱) میزان الکتب باب اول، کتاب بست و دوئم مصنفہ مولانا محمد علی لاہوری ۱۷۔۳۰۳، ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ) میں تشیع تھا۔ اس امر کا ثبوت پیش کرنے کے لئے کہ وہ شیعہ تھے۔ ایک تو یہ ثبوت پیش کیا کہ انکا بھانجا شیعہ تھا جسکی قیمت کو اہل علم سمجھتے ہیں۔

اور دوسرا حوالہ جو کسی مستند کتاب کا ہو سکتا ہے وہ ''البدایہ والنہایہ'' کا حوالہ ہو سکتا ہے۔ اس پر منصفانہ غور کرنے سے درجہ تحقیق اور خوفِ خدا کا اندازہ ہو جائیگا۔

البدایہ والنہایہ ۷۔۱۴۶ مصنفہ عماد الدین ابن کثیر:

ابو جعفر محمد بن جریر الطبری. وقد کانت وفاته وقت

المغرب عشية يوم الاحد بيومين بقيا من شوال من سنة عشر وثلاثمائة وقد جاوز الثمانين بخمس سنين او ست ثما نين وفی شعر راسه ولحيته سواد كثير ودفن فی داره لا ن بعض عوام الحنابل ورعاعهم منعوا من دفنه نهارا و نسبوه الی الرفض ،ولما توفی اجتمع الناس من سائر اقطار بغداد وصلوا عليه بداره ودفن بها

ترجمہ: ابو جعفر محمد بن جریر طبری کی وفات مغرب کے وقت (یعنی) اتوار کے دن، دن ڈھلے ہوئی۔ جبکہ شوال کے دو دن رہتے تھے۔ ۳۱۰ھ میں اور آپ کی عمر ۸۵ یا چھیاسی سال سے تجاوز کر چکی تھی۔ اور انکے سر کے اور ڈاڑھی میں کالے بالوں کی اکثریت تھی۔ اور انھیں اپنے گھر کی چار دیواری میں دفن کیا گیا۔ کیونکہ بعض حنبلی عوام اور لوگوں نے دن کے وقت انھیں دفن کرنے سے روک دیا۔ اور انھیں رافضی ہونے کی طرف منسوب کیا۔ جب انھوں نے وفات پائی تو لوگ بغداد کے باقی اطراف سے بھی اکٹھے ہوئے اور انہوں نے انکی نماز پڑھی۔ انکی حویلی میں اور انھیں وہیں دفن کیا گیا۔

اب ملاحظہ فرمائیے کہ امام طبری پر شیعہ ہونے کی تہمت کی اصل کیا ہے:

ودفن فی داره لان بعض عوام الحنابلة ورعا عهم منعوا من دفنه نهارا ونسبوه الی الرفض ومن الجهلة من رماه بالحاد وحا شاه من ذالک كله بل كان احد ائمة الاسلام علما و عملا بكتاب الله و سنة رسوله و انما تقلدوا ذالک عن ابی بكر محمد بن داؤد الفقيه الظاهری حيث يتكلم فيه ويرميه با لعظائم و بالرفض ولما توفی اجتمع

الناس من سائر اقطار بغداد و صلوا علیه بداره ودفن بها مکث الناس یترددون الی قبره شهورا ویصلون علیه (البدایہ والنہایہ ۱۱۔۷۔۱۴۶)

ترجمہ: آپ کو اپنی حویلی میں دفن کیا گیا۔ بعض عوام حنابلہ نے جو جاہل اور سفلہ تھے انہیں دن کے وقت دفن کرنے سے روکدیا تھا۔ اور آپ کو رافضی ہونے کی تہمت دی اور بعض جاہلوں نے آپ کو ملحد ہونے کا الزام دیا تھا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان سب چیزوں سے پاک رکھا۔ بلکہ وہ اللہ کی کتاب اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو جاننے اور عمل کرنے میں ائمہ اسلام میں یکتائے روزگار تھے۔ (الزام دینے والوں نے) یہ ساری باتیں داؤد ظاہری (کے پروپیگنڈے سے) اپنالی تھیں۔ کیونکہ یہ شخص آپ کے خلاف باتیں کرتا رہتا تھا۔ اور بڑی بڑی تہمتیں اور رافضی ہونے کا الزام لگاتا رہتا تھا۔ اور جب آپ کا وصال ہوا تو بغداد کے دوسرے حصوں سے بھی لوگ بڑی تعداد میں اکٹھے ہوئے اور انکی نماز جنازہ پڑھی اور لوگ کئی ماہ تک ان کی قبر پر آتے رہے اور نماز جنازہ پڑھتے رہے۔

اب بتایئے عمادالدین ابن کثیر نے تو یہ الزامات ذکر کیے اور ان کی خوب تردید کی۔ مولوی محمد علی لاہوری صاحب نے یہ الزامات ذکر کئے اور عمادالدین ابن کثیر کی کتاب کا نظریہ ذکر نہ کر کے اپنی شان سے نہایت گراہوا کام کیا اور علمائے کرام کی دنیا میں ایک نہایت افسوسناک یادگار چھوڑی۔

شیعہ ساز عالم دین کی حیثیت سے مولوی محمد علی صاحب لاہوری نے امام طبری کے خلاف ایک اور ثبوت بھی فراہم فرمایا ہے۔

انه کان یقول بجواز مسح القدمین فی الوضوء وانه کان لا یوجب غسلهما وقد اشتهر عنه هذا (البدایۃ والنہایۃ ص۱۴۷ ج۱۱)

ترجمہ: (امام طبری) وضوء میں دونوں پاؤں کے مسح کو جائز قرار دیتے تھے اور اُن دونوں کے دھونے کو واجب نہیں سمجھتے تھے اور آپکے بارے میں یہ بات مشہور تھی)

یہ ہے مولوی محمد علی صاحب لاہوری کی البدایہ والنہایہ سے نقل کردہ عبارت سے دیانت وامانت کا لہو، اگر دیانت وامانت کو بولنے کی عادت ہوتی تو شائد اتنا بڑا استغاثہ مولوی محمد علی صاحب لاہوری کے سوا کسی کے خلاف نہ ہوتا۔

اب البدایة والنهایة کی اصلی عبارت ملاحظہ فرمایئے اور شیعہ ساز علمائے کرام کی دیانت وامانت کا فیصلہ فرمایئے:

ونسب الیه انه کان یقول بجواز مسح القدمین فی الوضوء وانه لا یوجب غسلهما وقد اشتهر عنه هذا فمن العلماء من یزعم ان ابن جریر اثنان احدهما شیعی والیه ینسب ذالک و ینزهون ابن جریر هذا عن هذه الصفات و الذی عول علیه کلامه فی التفسیر عنه یوجب غسل القدمین ویوجب مع الغسل دلکهما ولکن عبر عن ذالک بالمسح فلم یفهم کثیر من الناس مراده ومن فهم مراده نقلوا عنه انه یوجب الغسل والمسح وهو الدلک۔ (البدایۃ والنہایۃ ص۱۴۷ ج۱۱)

ترجمہ: آپ کی طرف یہ بات منسوب کی جاتی ہے کہ آپ وضوء میں پاؤں پر مسح کرنے کا حکم دیا کرتے تھے اور ان کا دھونا ضروری نہیں قرار دیا کرتے تھے اور یہ بات انکے

متعلق مشہور تھی۔ بعض علمائے کرام کا گمان ہے کہ ابن جریر دو ہیں، ان میں سے ایک شیعہ ہے اور اسی کی طرف یہ بات منسوب کی جاتی ہے۔ وہ اس ابن جریر کو ان اوصاف سے پاک قرار دیتے ہیں اور آپ کی تفسیر میں جس چیز پر ان کے کلام کا مدار سمجھا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ آپ پاؤں دھونے کو ضروری قرار دیتے ہیں اور دھونیکے ساتھ ساتھ ملنے کو بھی ضروری قرار دیتے ہیں لیکن انہوں نے ملنے کو مسح سے تعبیر کیا ہے۔ تو بہت سارے لوگ (عوام) ان کی مراد کو سمجھ نہیں سکے۔ اور جنہوں نے انکا مطلب سمجھ لیا ہے، انہوں نے ان کے متعلق بتایا کہ آپ پاؤں کے دھونے اور ملنے دونوں کو لازم قرار دیتے تھے۔

اب بتایئے عمادالدین ابن کثیر کو تو مولوی محمد علی صاحب لاہوری نے امام طبری کے متعلق شیعہ ہونے کا سلطانی گواہ بنایا تھا مگر اس کے مقابلے میں عمادالدین ابن کثیر تو امام طبری کے وکیل صفائی نکلے۔ وہ تو ان تمام الزامات کی تردید کرتے ہیں جو مولوی محمد علی صاحب لاہوری نے عائد کئے تھے۔

مولوی محمد علی صاحب لاہوری نے اپنی اسی کتاب میزان الکتب کے ص ۳۰۸ پر امام طبری کو شیعہ ثابت کرنیکی سعی لاحاصل کی جو ملاحظہ فرمایئے:

ولما بلغه ان ابن ابی داؤد تكلم فی حديث غدير خم عمل كتاب الفضائل و تكلم علی تصحيح الحديث .قلت رأيت مجلدا من طريق الحديث لابن جرير فا ندهشت له لكثرة تلك الطرق.

(تذکرۃ الحفاظ للذھبی ص۲۰۲-۲۰۳ ج۲)

مولوی محمد علی صاحب لاہوری کی دیانت وامانت قابل ملاحظہ ہے۔

ترجمہ: جب امام طبری کو ابن ابی داؤد کے بارے میں معلوم ہوا کہ اس نے حدیث غدیر کے بارے میں خلاف باتیں کیں تو اس (امام طبری) نے (کتاب الفضائل) لکھی اور اس نے اس حدیث کی تصحیح کے حق میں کلام کیا تو میں نے کہا؛ میں نے ابن جریر کی طرق حدیث پر ایک کتاب دیکھی تو نقش بر دیوار رہ گیا۔ امام طبری کے وفور عبارت کو دیکھ کر اور ان کثیر طرق کی اطلاع پر۔

ایمانداری سے بتلایئے اسمیں کوئی شیعیت کی بو تک بھی ہے؟ امام شمس الدین ذھبی (متوفی ۷۴۸ھ) نے تو امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری کی مدح وثناء کی اور مولوی صاحب انہیں شیعہ کہنے کی تاک میں ہیں۔

اب ملاحظہ فرمایئے کہ مولوی محمد علی صاحب لاہوری ان کو شیعہ ثابت کرنے کیلئے شمس الدین ذھبی کی تذکرۃ الحفاظ پیش کر رہے ہیں اور شمس الدین ذھبی کے نظریات دربارہ امام طبری ملاحظہ فرمایئے:

قال ابو بكر الخطيب :كان ابن جرير احد الائمة يحكم بقوله ويرجع الی رأيه لمعرفته وفضله وجمع من العلوم ما لم يشاركه فيه احد من اهل عصره فكان حافظا للكتاب الله وبصيرا بالمعانی فقيها فی احكام القرآن ،عالما با لسنن وطرقها وصحيحها و سقيمها ، نا سخها ومن منسوخها ،عارفا باحوال الصحابة والتابعين ، بصيرا با يام الناس وا خبارهم ،له الكتاب الكبير المشهور فی تاريخ الا مم و له كتاب التفسير الذی لم يصنف مثله و كتاب تهذيب الاثار لم ار مثله فی معناه لكن لم يتمه

و له فی الاصول والفروع کتب کثیرة وله اختیار من اقاویل الفقهاء و قد تفرد بمسائل حفظت عنه(تذکرۃالحفاظ للذهبی ۲۔۱۔۲۰۱)

ترجمہ:ابوجعفر محمد بن جریر طبری ایک ایسے اسلامی امام تھے۔جنکے قول کے مطابق شرعی احکام جاری کیے جاتے ہیں۔اور باقی آراء کو چھوڑ کر آپ کی رائے کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔آپکے عرفان (دین) اور (علم میں) کمال فضیلت کی وجہ سے آپ نے وہ علم جمع کئے۔جس میں انکے دور کا کوئی دوسرا شخص شریک نہیں۔وہ کتاب اللہ کے حافظ تھے اور معانی میں کمال درجے کی بصیرت رکھتے تھے۔احکام القرآن میں فقیہہ تھے علوم الحدیث کے عالم تھے اور طرق حدیث کے جاننے والے تھے،انکے صحیح و سقیم،ناسخ و منسوخ کو بھی بخوبی پہچانتے تھے۔

صحابہ و تابعین کے احوال کی بھی معرفت رکھتے تھے۔لوگوں کی تواریخ وغیرہ کو بھی بکمال معرفت جانتے تھے اور تاریخِ اقوام میں انکی ایک بڑی ضخیم و مشہور کتاب ہے۔اور انکی تفسیر ہے جسکی مثل تصنیف نہیں کی جاسکی۔انکی ایک کتاب "تہذیب الآثار" ہے۔اس معنے میں اسکی مثل میں نے نہیں دیکھی۔لیکن وہ اسے مکمل نہیں کر پائے اور انکی اصول و فروع میں بہت زیادہ کتب ہیں۔اور انکے ہاں اقوال فقہاء کے مختارات بھی ہیں اور بہت سارے مسائل میں ان کی حیثیت منفرد ہے۔جو مجھے صرف ان سے ہی حاصل ہوئے ہیں۔

یہ تو خطیبِ بغدادی کے حوالے سے امام ذھبی کے تاثرات تھے۔جو مولوی محمد علی صاحب لاہوری کے بیانات سے قطعاً متضاد ہیں،یہ تو قطعاً غلط بیانی ہے۔مولوی صاحب نے امانت و دیانت کے ساتھ وہی سلوک کیا ہے جو قصاب

[illegible] کے ساتھ کرتا ہے۔یہ منظر دیکھ کر چنگیز کے ہاتھوں بغداد کی بربادی کا منظر یاد آتا ہے۔اگر حق پوشی و ظلم کوشی کا یہ عالم رہا تو مسلم قوم کا کیا حشر ہوگا۔

اب صرف ایک شہادت علامہ محمد حسین صاحب ذھبی مصری کی دربارۂ طبری پیش کر دیتا ہوں تاکہ یہ ثابت ہو جائے کہ دور حاضر تک اہل دانش و بینش امام طبری کو دنیائے علم و فضل میں تاجور سمجھتے ہیں اور عالم سنیت کا ایک علمبردار اور میرِ کارواں تسلیم کرتے ہیں۔ڈاکٹر محمد حسین صاحب ذھبی مصری نے "التفسیر والمفسرون" دو جلدوں کی کتاب لکھی ہے جسمیں انہوں نے جملہ تفسیرات پر بے لاگ تبصرہ فرمایا ہے:

مبلغه من العلم و العدالة و کان ابن جریر احد الائمة الاعلام یحکم بقوله ویرجع الی رأیه لمعرفته و فضله و کان قد جمع من العلوم مالم یشارکه فیه احد من اهل عصره فکان حافظا لکتاب الله بصیرا بالقرآن عارفا بالمعانی فقیها فی احکام القرآن عالما بالسنن وطرقها صحیحها و سقیمها .ناسخها و منسوخها عارفا باقوال الصحابة و التابعین ومن بعدهم من المخالفین فی الاحکام و مسائل الحلال و الحرام عارفا بایام الناس و اخبارهم هذا هو ابن جریر فی نظر الخطیب البغدادی و هی شهادة عالم خبیر باحوال الرجال

(التفسیر والمفسرون ج ۱ ص۲۰۵)

(ترجمہ) ابن جریر (رحمۃ اللہ علیہ) ایک مشہور امام عالم اسلام تھے۔جنکے قول کے مطابق فیصلے کیے جاتے ہیں اور انکی رائے کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔انکے علم و دانش کی وجہ سے اور (علم و فنون میں) بالادستی کے وجہ سے اور انہوں نے وہ علوم یکجا کر لئے تھے کہ

جسمیں کوئی بھی انکا ہمسر اور ہم پلہ نہ تھا۔ وہ کتاب اللہ کے حافظ تھے، معانیٔ قرآن میں بصیرت رکھتے تھے اور اس مضمون میں انہیں مہارتِ تامہ حاصل تھی اور احکام القرآن کے ایک مکمل قانون دان تھے۔ احادیث کے مکمل عالم تھے اور طرقِ حدیث کے بھی دانائے راز تھے، اُسکے صحیح وسقیم، ناسخ ومنسوخ کو بھی خوب جانتے تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین اور انکے بعد کے لوگوں کے اقوال بھی جانتے تھے۔ اور احکام میں اختلاف مذاہب کو بھی بخوبی جانتے تھے۔ اور مسائلِ حلال وحرام کو بھی خوب جانتے تھے۔ لوگوں کے ایام واخبار تاریخہائے زندگی بھی جانتے تھے۔

یہ ہیں ابن جریر، خطیب بغدادی کی نظروں میں ''**وھی شھادۃ عالم خبیر باحوال الرجال**'' یہ احوال رجال سے باخبر عالم کی شہادت ہے۔

ڈاکٹر محمد حسین صاحب ذھبی مصری لکھتے ہیں:

قد اعتبر الطبری ابا للتفسیر کما اعتبر ابا للتاریخ الاسلامی

(ترجمہ) امام طبری تفسیر کے بانی تسلیم کئے گئے جیسا کہ وہ تاریخ اسلامی کے بانی مانے گئے (التفسیر والمفسرون ج ا ص ۲۰۶)

یہی ڈاکٹر محمد حسین صاحب ذھبی مصری اسی کتاب کے صفحہ ۲۰۷ پر تحریر فرماتے ہیں: **یعتبر تفسیر ابن جریر من اقوم التفاسیر و اشھرھا کما یعتبر المرجع الاول عند المفسرین الذین عنوا بالتفسیر النقلی**

(ترجمہ) ''تفسیر ابن جریر'' ایک نہایت مضبوط اور مشہور تفسیر ہے جیسا کہ وہ پہلا مرجع اور مصدر تسلیم ہوئی ان مفسرین کے ہاں جنہوں نے تفسیر بالماثور کیطرف دھیان دیا۔

ان توضیحات سے غالباً کھل کر یہ بات سامنے آگئی ہوگی کہ جن علمائے عصر کو

شیعہ سازی کا شوق دامنگیر ہے انکے پاس ثبوت جعل سازی ہے۔ سوائے تحریف و تحریف والحاقات کے دلیل سازی کا کوئی دوسرا مصدر انکے پاس نہیں ہے۔

یہ تو ایک نمونہ تھا شیعہ سازی کا جسکے دلائل تارِ عنکبوت سے زیادہ ناتواں ہے لیکن اس پر بس نہیں مولوی محمد علی صاحب لاہوری نے اپنے حلیفوں کو کافر سازی کیلئے اور بھی بہت سارا خام مال مہیا کیا ہے اور کافر ساز اداروں کو ذہنی طور پر خوش حال کیا ہے اور ایسے ایسے قدسی صفات لوگوں کو شیعہ کہا ہے جنہوں نے سنیت کی یادگاری خدمات انجام دی ہیں۔ اب ان لوگوں کی فہرست حسب ذیل ہے جن کو بلاوجہ مولوی محمد علی صاحب لاہوری نے شیعہ قرار دیا ہے۔ انکی گردِ راہ کو بھی پہنچنا مولوی صاحب موصوف کے لیے ممکن نہیں۔

(۱) عبدالکریم شہرستانی۔ صاحبِ **الملل والنحل**

(۲) حافظ ابو نعیم۔ صاحبِ **حلیۃ الاولیاء**، دلائل نبوت۔

(۳) سید علی ہمدانی قادری (م ۷۸۶ھ) چوٹی کے محدث ہیں جنہوں نے پہلی بار کشمیر میں علم حدیث کی نشر واشاعت کی اور (ذخیرہ الملوک) امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر کتاب لکھی۔ اسکے آغاز میں خلفائے راشدین کے اسمائے گرامی انکے مع القاب سے لئے جو سنیت کی پوری عکاسی کرتے ہیں۔

(۴) امام احمد بن شعیب نسائی کو بھی مولوی صاحب نے شیعہ کہا جنکی کتاب کتب صحاح ستہ میں ایک معتبر کتاب ہے۔

(۵) امام عبدالرزاق، صاحب مصنف (دس مجلدات) کو بھی شیعہ کہا جو کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے استاد ہیں اور امام بخاری کے دادا استاد ہیں۔ اور بخاری

شریف میں اس سلسلہ اسناد کی کثیر روایات موجود ہیں۔

(٦) ملا نور الدین عبدالرحمان جامی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی شیعہ کہا ہے جو کہ مذہباً سنی اور سلسلہ طریقت نقشبندیہ میں خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہیں۔

یہ چند نمونے مولوی صاحب کی تنگ نظری کی یادگار کے طور پر پیش کئے ہیں اور انکے شیعہ ہونیکا ثبوت مولوی محمد علی صاحب لاہوری کے پاس وہی کچھ ہے جو انہوں نے امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں پیش کئے۔ سوائے اختراع وافتراء کے مولوی صاحب کے پاس ان بزرگان مذکورہ بالا کے بارے میں اور کوئی ثبوت نہیں مگر ان لوگوں کی خوب خدمت کرڈالی ہے جو جملہ شیعہ کو کافر قرار دیتے ہیں۔ اگر بقول مولوی محمد علی صاحب لاہوری کے یہ جملہ حضرات شیعہ ہیں اور ان کے حلیفوں کے فتویٰ کے مطابق ہر شیعہ کافر ہو کر یہ جملہ حضرات کافر قرار پائینگے اور پیچھے (تدریب الراوی) مصنفہ امام سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) میں سے یہ بحث گزر چکی ہے کہ کافر سے تحمل حدیث منع ہے۔ اسطرح تو کتب صحاح میں بھی ایک بڑا ذخیرہ ممنوعات کا بن جائے گا۔ اس عقیدے نے تو اہل سنت کے بنیادی ڈھانچے کو بکھیر کر رکھ دیا ہے، دوست کے نام سے وہ دشمنی کی جاچکی جسکی دنیا میں مثال نہیں ملتی۔

گلہ جفائے وفا نما کہ حرم کو اہل حرم سے ہے
کسی بتکدے میں بیاں کروں تو کہے صنم بھی ہری ہری

جہاں جہاں بزرگان دین مذکورہ کو شیعہ ہونے کی تہمت دی گئی اور بعد میں آنے والے اہل علم نے اسکی تردید کرکے ان الزامات کا ازالہ کیا، مولوی صاحب موصوف

نے الزامات کا ذکر تو کردیا مگر تردیدی مواد کو چھوڑ دیا جو سراسر خیانت کی قسم کا کام ہے۔ صرف الزام دے دینا کافی نہیں ہوتا، ثابت کرنا بھی ضروری ہے۔ جھوٹے الزامات تو بڑے بڑے بزرگوں کو دیئے گئے مگر اس سے ان بزرگوں کی حیثیت متاثر نہیں ہوئی۔ مثلاً امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو ''کل مجتهد مصيب'' ہر مجتہد حق پر ہوتا ہے، کے قول کا قائل قرار دے کر معتزلی کہا گیا۔ (نور الانوار ص ۲۵۱ مصنفہ ملاجیون انبیٹھوی)

حالانکہ آپ کی ذات والا صفات اس جھوٹے الزام سے قطعی طور پر بری ہے کیا اس قول باطل کی وجہ سے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو معتزلی قرار دیا جائے گا؟

''غنية الطالبين'' میں الحاقات

اسی طرح بعض لوگوں نے ''غنية الطالبين'' مصنفہ حضرت سید عبدالقادر جیلانی غوث اعظم محبوب سبحانی علیہ الرحمۃ میں الحاقات کر کے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو قدری قرار دیا ہے جو کہ ایک جہنمی فرقہ ہے۔

اما ما وقع فى الغنية للشيخ عبدالقادر الجيلانى عند ذكر فرق غير الناجية حيث قال ومنهم القدرية وذكر اصنافا منهم ثم قال منهم الحنفية وهم اصحاب ابى حنيفة نعمان بن ثابت . (شرح فقہ اکبر مصنفہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ ص ۵۹)

ترجمہ: جو سرکار بغداد رحمۃ اللہ علیہ کی ''غـنية'' میں فرقہ ہائے غیر ناجیہ کے بارے میں واقعہ ہوا ہے جہاں آپ نے فرمایا ہے ان میں قدریہ ہیں اور آپ نے انکی (قدریہ کی) کئی اقسام بیان کیں پھر فرمایا ان میں سے حنفیہ ہیں اور وہ نعمان بن ثابت کے پیروکار ہیں۔

امام ابن حجر مکی نے فتاویٰ حدیثیہ میں بیان کیا ہے کہ غنیۃ میں بیشمار الحاقات ہوئے اسلئے اسکے حوالہ جات کو استعمال نہیں کرنا چاہئے۔اسکی پوری شرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کی بحث میں جلد دوئم میں لائی جائے گی۔

امام شافعی پر شیعہ ہونے کا الزام

اسی طرح حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کو شیعہ ہونیکا الزام دیا گیا۔یہ خوارج کی پرانی عادت ہے کہ محبت اہل بیت کے خلاف شیعہ ہونیکی دہشت پھیلاتے رہتے ہیں تاکہ لوگ ڈر کے مارے محبت اہل بیت کا تصور بھی نہ کرسکیں اور اس تہمت کے خوف کے پردے میں خارجیت پرورش پاتی ہے مگر

دیکھنے والے بھی قیامت کی نظر رکھتے ہیں

حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ خود اس الزام کی وضاحت فرماتے ہیں اور رافضیت، شیعیت اور سنیت میں حد فاصل قائم فرماتے ہیں۔

اِذا نَحنُ فَضّلنا عَلیًّا فَاِنَنا
رَوَافِض بِالتَفضِیل عِندَ ذَوی الجھل

ترجمہ: جب ہم حضرت علی کی فضیلت بیان کریں تو ہم جاہلوں کے نزدیک رافضی ہیں

وفضلَ ابی بکر اذا ما ذکرتہ
رمیت بنصب عند ذکری للفضل

ترجمہ: جب میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت بیان کروں تو بیان فضیلت کے وقت مجھے ناصبی ہونے کی تہمت دی جاتی ہے۔

فلا زِلت ذا رفض و نصب کلاھما
بحُبّھما حتی اوسد فی الرمل

ترجمہ: میں ہمیشہ رافضی یا ناصبی کے الزام سے گزرتا رہوں گا اور یہ دونوں باتیں (حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی) محبت کی وجہ سے قبر میں رکھے جانے تک میرے ساتھ رہیں گی۔

حضرت امام شافعی، رافضی و ناصبی ہونے کی تہمت کا برملا اظہار فرماتے ہیں اور اپنی ثابت قدمی کا بھی اعلان فرماتے ہیں۔یعنی نہ ہی میں نے فضیلت ومحبت علی رضی اللہ عنہ سے باز آنا ہے اور نہ ہی جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی محبت وفضیلت سے باز آنا ہے۔جس کا نتیجہ ہمیشہ ہی یہ ہوگا کہ ناصبی مجھے شیعہ کہتا رہے گا اور شیعہ مجھے ناصبی کہتا رہے گا۔نہ ہی میں نے شیعہ سے متاثر ہو کر جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان اور فضیلت میں فرق لانا ہے اور نہ ہی ناصبی سے متاثر ہو کر مولا مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی محبت وفضیلت میں فرق لانا ہے۔موت تک شیعہ اور ناصبی ہونے کا الزام میرے ساتھ رہے گا۔جناب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، محبت اہل بیت میں ڈوبے ہوئے پائے جا کر رافضیت کے الزام میں مبتلا ہیں۔

زاہد تنگ نظر نے مجھے کافر جانا
اور کافر یہ سمجھتا ہے مسلمان ہوں میں

اب ملاحظہ فرمایئے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جوابی اقدامات کیسے فرماتے ہیں:

یعنی بحیثیت ایک سنی پیشوا کے اپنے مذھب کی وضاحت کرتا ہوں کہ نہ ہی میں علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی محبت اور فضیلت کو چھپا سکتا ہوں نہ ہی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی محبت وفضیلت

کو چھپا سکتا ہوں۔کوئی مجھے رافضی یا ناصبی کہے مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مجھے نواصب نے رافضی ہونے کی تہمت دی تو میں نے جواباً کہا:

قالوا "ترفضت" قلت "کلا"

ما الرفض دینی ولا اعتقادی

(ترجمہ)انہوں (نواصب) نے مجھے کہاتو رافضی ہو گیا ہے، میں نے کہاہر گز نہیں، رافضی ہونا نہ ہی میرا دین ہے اور نہ ہی میرا اعتقاد ہے۔

لکن تولیت غیر شک

خیر امام و خیر هادی

ترجمہ: لیکن یقیناً میں نے سب سے اچھے امام اور سب سے اچھے راہنما سے (والہانہ) محبت کی ہے۔

ان کان حب الولی رفضا

فاننی ارفض العباد

ترجمہ: اگر ولی (جناب سید الاولیاء مولا مرتضیٰ علیہ السلام) کی محبت رفض کہلاتی ہے تو میں سب سے بڑا رافضی ہوں۔

حضرت امام شافعی مزید فرماتے ہیں:

یا راکبا قف بالمحصب من منی

واحتف بساکن خیفها والنّاهض

ترجمہ: اے شہسوار منیٰ کے بطن محصب میں ٹھہر جا اور دامن کوہ (مسجد خیف) میں

ٹھہرنے والے اور سحری کے وقت روانہ ہونے والے کو ببانگ دہل بتادے۔

سحرا اذا فاض الحجیج الی منی

فیضا کملتطم الفرات الفائض

ترجمہ: جب حاجی لوگ منیٰ کی طرف اس طرح ابل کے آجائیں جس طرح موجزن دریائے فرات ابل کر آتا ہے۔

ان کان رفضا حب آل محمد

فلیشهد الثقلان انی رافض

ترجمہ: اگر آل محمد کی محبت برابر ہے رافضی ہونے کے تو جن وانسان گواہ رہیں، میں رافضی ہوں۔

یہاں دیکھیں کہ اکابرائمہ پر تہمتیں لگیں اور انہوں نے خود ان کا ذکر کیا تو کیا اس سے ان پر تہمت ثابت ہوگئی یا تہمت کا رد ہوگیا؟ اب یہ جاننا چاہیے کہ نظریاتی دہشت گردوں کی مستقل جماعت جو اندرون پاکستان بھی ہے اور بیرون پاکستان بھی ہے۔ان میں سے کچھ لوگوں کا کام لوگوں کو "شیعہ و وہابی" بنانا ہے اور دوسرے افراد کا کام شیعہ و وہابیہ کو کافر قرار دینا ہے۔بلالحاظ ان کے اختلاف عقائد کے، جبکہ سب شیعہ کا عقیدہ بھی ایک جیسا نہیں اور سب وہابیہ کا عقیدہ بھی ایک جیسا نہیں۔اس پر مسلمانوں کے مختلف دھڑوں میں جا بجا لڑائیاں ہو رہی ہیں اور کشت و خون تک کی نوبت پہنچ رہی ہے مگر یہ نظریاتی دہشت گردجوں کے توں بیگناہ ہیں۔

افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

مذکورہ بالا مسائل کے علاوہ ان نظریاتی دہشت گردوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی افضلیت کو موضوع گفتگو بنا رکھا ہے اور اس موضوع کی آڑ میں ذاتی اغراض کا شکار کھیل رہے ہیں۔ سب سے پہلے تو مطلقاً فضیلت پر گفتگو کرتے ہیں۔

فضائل کی بنیادی طور پر دو قسمیں مانی جاتی ہیں۔ ایک فضیلت فضل اختصاصی سے ملتی ہے اور دوسری فضیلت فضل جزائی سے ملتی ہے جس کا ذریعہ عمل ہوتا ہے۔ فضل اختصاصی سے ملنے والی فضیلت میں رب کی شان کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ اسکا معنیٰ ہوتا ہے کہ رب نے کس کو کتنی فضیلت دی ہے، اسکا انحصار اللہ تعالیٰ کے فضل پر ہوتا ہے:

وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ (البقرۃ۔۱۰۵)

ترجمہ: ۔اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے مخصوص فرمالیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

یعنی بندے کے استحقاق یا عمل کو کوئی دخل نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ بلا استحقاق اپنے فضل سے کسی کو فضیلت دینے کا فیصلہ کر لیتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بغیر کسی عمل کے اور بلا لحاظ دوسرے اوصاف کمال کے برتری عطا فرما کر جمیع کمالات ظاہریہ و باطنیہ سے مالا مال فرما دیا اور یکتائی و بے ہمتائی کی دولت سے سرفراز فرما کر سیادتِ کائنات کا تاج سر پر سجا دیا۔ حضرت آدمؑ کی تخلیق کے وقت

ملائکہ سے گفتگو ہوئی۔ ملائکہ نے انتہائی ادب سے عرض کیا کہ تو اس کو خلیفہ بنانے لگا ہے جو زمین میں فساد کرے گا اور خونریزی کرے گا اور اس کے مقابلے میں ہم تیری تسبیح و تہلیل و تحمید کرتے ہیں۔ اللہ کریم نے ان کی عبادت و حسن عمل کا انکار نہیں فرمایا اور نسل آدم سے جو لوگ آنے والے تھے، ان کے فساد عمل کا بھی انکار نہ فرمایا اور جنہوں نے کروڑہا برس اللہ تعالیٰ کی بندگی کی ہوئی تھی اور اس کے احکام بجا لائے ہوئے تھے، ان کو نظر انداز کیا اور خلافت الٰہیہ کا تاج اس کے سر پر مزین کر دیا جس نے ابھی تک کچھ بھی نہیں کیا ہوا تھا اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام افضل الخلائق ہیں۔ مگر انہیں کسب کے ذریعے سے نہیں بلکہ فضل کے ذریعے منصب نبوت عطا فرمایا۔ منصب نبوت میں عمل اور کسب کو کوئی دخل نہیں۔ بلکہ قاضی عیاض مالکی کی کتاب "الشفا" ص ۵۸۲ اور امام خفاجی رحمۃ اللہ علیہ کی "نسیم الریاض" ج ۶ ص ۳۵۷ ہے کہ نبوت کو کسبی ماننا از قسم کفریات ہے یعنی جو شخص نبوت بذریعہ عمل تسلیم کرے وہ کافر ہے، اور نبوت میں تدریج کا عقیدہ بھی کفریہ ہے یعنی پہلے ولی بنے، پھر مجدد بنے، پھر مہدی بنے اور آخر میں چل کر نبی بنے، یہ عقیدہ کفریہ ہے یعنی نبوت من کل الوجوہ فضل الٰہی ہے۔ اسی طرح اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو بہترین امت کہا گیا ہے۔

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران۔۱۱۰)

یہ کہنا ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کے اعمال دیکھ کر انہیں بہترین امت قرار دیا۔ بلکہ اپنے فضل سے اس امت کو یہ مرتبہ مرحمت فرمایا۔ علیٰ ھذا القیاس

بہت ساری مثالیں دی جاسکتی ہیں جن سے یہ ثابت کیا جاسکے کہ عمل تو کسی اور کا اچھا ہو مگر افضلیت کسی اور کو بفضل الٰہی مل جائے۔

اور دوسری قسم فضیلت کی فضلِ جزائی سے تعلق رکھتی ہے جسمیں اجر و جزا بقدرِ کسب و اخلاص دیا جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

☆ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا (النساء۔۹۵)

ترجمہ: اللہ تعالی نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھنے والوں پر اجر عظیم سے فضیلت دی ہے۔

☆ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لا يَعْلَمُونَ) (سورۃ الزمر۔9)

ترجمہ: کیا وہ لوگ جو جانتے ہیں اور وہ لوگ جونہیں جانتے برابر ہوسکتے ہیں۔

☆ لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ (الحدید۔۱۰)

ترجمہ: تم سے کوئی انکے برابر نہیں ہوسکتا جنہوں نے فتح مکہ سے قبل مال خرچ کیا اور لڑائی کی یہ فضل جزائی کی مثالیں ہیں۔

مسئلہ افضلیت

مسئلہ افضلیت، ایک ایسا مسئلہ ہے جسکا نہ ہی تو کوئی قطعی ثبوت ہے اور نہ ہی یہ ضروریات دین میں سے ہے لہٰذا اس پر زیادہ لے دے کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ ہی بحث و تمحیص میں پڑنے کی حاجت ہے۔ علامہ ابن عبد البر اندلسی اپنی کتاب الاستذکار ۱۴۔۲۳۸ میں رقمطراز ہیں:

واما التعیین فیهم و تفضیل بعضهم علی بعض، فهذا لا یصح فی نظر ولا اعتبار ولا یحیط بذالک الا الواحد القهار المطلع علی

النیات الحافظ للاعمال الا من جاء فیه اثر صحیح بانه فی الجنة جاز ان یقال فیه ذلک اتباعا للاثر لانه افضل من الذین شارکوه فی مثل فضله ذالک ومن فضله رسول الله (صلی الله علیه وآله وسلم) بخصلة وشهد له بها جاز ان یفضل بها فی نفسه لا علی غیره .

رہا ان میں تعین کرنا، اور بعض کو بعض پر افضلیت دینا، یہ نظر و اعتبار میں صحیح نہیں، اسکو سوائے واحد و قہار کے کوئی بھی احاطہ نہیں کرسکتا۔ (وہی جو) نیتوں سے آگاہ ہے، اعمال کا محافظ ہے، سوائے اسکے جس کے حق میں کوئی صحیح حدیث آئی ہوئی ہے کہ "وہ جنتی ہے" اس کے حق میں یہ کہنا حق ہے بوجہ حدیث کی پیروی کرنے کے، نہ یہ کہ وہ افضل ہے بہ نسبت ان لوگوں کے جو اس کے اس طرح کی فضیلت میں شریک ہیں، جسکو رسول اللہ نے کسی ایک صفت میں فضیلت دیدی اور اسکے حق میں اس (فضیلت) کی شہادت دیدی، جائز ہے کہ اسکو اسمیں صاحب فضیلت کہا جائے، مگر دوسرے پر اسکو فضیلت نہ دی جائے۔

اس سے پتہ چلا کہ عالم اسلام میں یہ نظام رائج تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ کے جتنے بھی فیضیاب لوگ تھے سب کو اصحاب فضیلت مانا جاتا تھا، وہ فضیلت انہیں تسلیم ہوتی تھی مگر دوسروں سے اس فضیلت کی نفی نہیں کی جاتی تھی اور نہ ہی اس فضیلت کے ذریعے سے اسکی دوسروں پر برتری ثابت کی جاتی تھی۔ جنکو جنتی کہا گیا انہیں جنتی سمجھا جانا چاہیے اور جنہیں علم، شجاعت و سخاوت، ہنر کے اوصاف سے نوازا گیا انہیں ان اوصاف کا حامل ماننا چاہیئے اور ان اوصاف کے ذریعے سے دوسروں پر ان کی برتری ثابت کرنا ہمارے اسلاف کے طریقہ کار کے خلاف ہے۔

علامہ ابن عبدالبر اندلسی (متوفی ۴۶۳ھ) کتاب الاستذکار ۱۴/۲۳۹ حدیث ۲۰۱۸۶ کے تحت فرماتے ہیں:

لم يأت انه من وجه صحيح تجد الحجة بمثله، انه قال: فلان افضل من فلان اذا كان من اهل السوابق والفضائل وذالک من ادبه ومحاسن اخلاقه لئلا يومى للمفضول بغيبته ويحطه فى نفسه فيخرجه و يخزيه ولم يكن ذالک ايضا من دينه ـ

ترجمہ:۔ کسی بھی طریقہ صحیحہ سے، ہم تک یہ بات نہیں پہنچی جس سے حجت شرعیہ ثابت ہو کہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: فلاں فلاں سے افضل ہے جبکہ وہ دونوں سابقین اولین میں سے تھے اور اصحاب فضائل میں سے تھے اور یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن آداب اور فضائل اخلاق میں سے تھی تاکہ مفضول کی غیر حاضری میں اسکی طرف (تنقیدی) اشارے نہ کیے جائیں اور وہ اپنے آپ کو خود ہی نہ گرادے اور (اسطرح اسکو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) (اپنی صفوں سے) نکال نہ دیں اور رسوا نہ کردیں اور یہ بات بھی آپ کے دین کا حصہ نہیں تھی۔

اسی فقرے میں اختتام پر علامہ موصوف فرماتے ہیں:

لما لم يفعل ، علمنا عن قول القائل فلان افضل من فلان ، باطل وليس بدين و شريعة ـ ترجمہ: چونکہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا نہیں کیا (''یعنی فلاں فلاں سے افضل ہے'' نہیں فرمایا) تو ہمیں پتہ چل گیا کہ یہ کہنے والے کا ''فلاں فلاں سے افضل ہے 'قول' قول باطل ہے، نہ ہی یہ دین ہے اور نہ ہی یہ شریعت۔

حقیقت حال در بارہ افضلیت ایک حد تک واضح ہوآئی۔

کیا مسئلہ افضلیت ضروریات دین میں سے ہے؟

اسی صفحہ پر علامہ موصوف اس سوال کا جواب تحریر فرماتے ہیں:

لقد اجمع علماء المسلمين ان الله تعالى لا يسأل عباده يوم الحساب من افضل عبادى ""ولا هل فلان افضل من فلان" ولا ذا لک مما يسأل عنه احد فى القبر ولكن رسول ا لله (صلى الله عليه وآله وسلم) لقد مدح خصالا وحمد اوصافا من اهتدى اليها حاز الفضائل .

ترجمہ: علماء اسلام نے اس پر اجماع کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندوں سے سوال نہیں کرے گا ''میرے بندوں میں سب سے افضل کون ہے، اور نہ ہی یہ سوال ہوگا'' کیا فلاں فلاں سے افضل ہے اور نہ ہی یہ ان چیزوں میں سے ہے جنکے بارے میں قبر میں سوال ہوگا۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت ساری عادات (صفات) کی تعریف فرمائی ہے (انہیں) سراہا ہے، جو انکی طرف راہ یاب ہوجائے گا وہ فضائل حاصل کرلے گا۔

علامہ ابن عبدالبر الاستذکار ۱۴/۲۴۰، حدیث ۲۰۱۹۲ کے تحت فرماتے ہیں:

روى سحنون عن ابن القاسم من كتاب الديات من "المدوّنة" قال سمعت مالكا وسئل عن على و عثمان ، فقال ما ادركت احدا اقتدى به فى دين ، يفضل احدهما على صاحبه .

(ترجمہ) سحنون نے ابن قاسم سے ''مدوّنہ'' کی کتاب الدیات سے روایت کیا

ہے۔انہوں نے کہا: میں نے امام مالک کوسنا جبکہ ان سے علی ﷺ اور عثمان ﷺ کے بارے میں سوال کیا گیا توانہوں نے فرمایا: میں نے کسی بھی ایسے آدمی کو جسکی دین میں پیروی کی گئی ہو نہیں دیکھا کہ ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر افضلیت دیتا ہو۔

اسی صفحہ پر علامہ موصوف عبداللہ بن وھب سے روایت نقل کرتے ہیں:

قال: سمعت مالکا یقول : لا افضل احدا من العشرة ولا غیر هم علی صاحبه و کان یقول : هذا من علم الله الذی لا یعلمه غیره .

ترجمہ: میں نے امام مالک (رحمۃ اللہ علیہ) کو یہ کہتے سنا: میں عشرہ مبشرہ میں سے کسی ایک کو دوسرے پر افضلیت نہیں دیتا اور نہ ہی کسی دوسرے کو کسی دوسرے پر فضیلت دیتا ہوں۔فرمایا کرتے تھے یہ اللہ تعالیٰ کے اس علم میں سے ہے جسکو (اسکی عطا کے بغیر) کوئی دوسرا نہیں جانتا۔

اسی صفحہ پر امام مالک ﷺ کا فرمان درج ہے:

قال مالک ادرکت شیوخنا بالمدینة وهذا رأیهم

(ترجمہ): میں نے مدینہ طیبہ میں اپنے شیوخ دیکھے یہی انکا عقیدہ تھا۔

اسی صفحہ پر علامہ موصوف، امام مالک کا قول نقل کرتے ہیں:

قول مالک هذا یدل علی انه لم یصح عنده حدیث نافع عن ابن عمر : کنا نفاضل علی عهد رسول الله (صلی الله علیه و آله وسلم) ، فیقول ابو بکر ، ثم عمر ثم عثمان ثم یسکت فلا یفضل احدا و کان افهم الناس لنافع و اعلمهم بحدیثه و کان نافع عنده احد الذین یقتدی بهم فی دینه فلو کان هذا الحدیث عنده صحیح عن نافع عن ابن عمر ماقال قوله هذا

(ترجمہ) امام مالک کا یہ قول اسپر دلالت کرتا ہے۔(یہ بتاتا ہے) کہ انکے نزدیک نافع کی عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت صحیح نہیں:۔ہم حضور علیہ السلام کے عہد سعادت مہد میں افضلیت دیا کرتے تھے، وہ کہا کرتے "ابو بکر، پھر عمر، پھر عثمان" (رضی اللہ عنہم) پھر چپ کر جایا کرتے تھے اور کسی کو فضیلت نہیں دیا کرتے تھے امام مالک وہ نافع ﷺ کو سب سے زیادہ سمجھنے والے تھے اور انکی حدیث کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے اور نافع ﷺ انکے نزدیک ان لوگوں میں سے تھے جنکی دین میں پیروی کی جایا کرتی تھی۔اگر یہ حدیث انکے نزدیک نافع ﷺ سے صحیح ہوتی اور وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیح ہوتی تو امام مالک ﷺ یہ جملہ کبھی نہ بولتے۔

امام مالک ﷺ نے برملا طور پر کہا ہے کہ میں نے ایسے بزرگوں میں سے کسی بھی شخص کو نہیں پایا جو ایک دوسرے پر افضلیت دیتا ہو۔چونکہ امام مالک ﷺ بھی مدینہ طیبہ کے رہنے والے تھے اور نافع ﷺ بھی وہیں کے رہنے والے تھے۔اور ایک دن میں درجنوں مرتبہ ملاقات کے اتفاقات ہو سکتے تھے۔پانچوں اوقات کی نماز میں تو ان دونوں بزرگوں کی ملاقات ایک دن میں پانچ مرتبہ تو ناگزیر تھی۔

اندریں حالات امام مالک ﷺ کو اس حدیث کی اطلاع نہ ہونا اور امام بخاری کو اطلاع ہو جانا کسی طرح بھی قرینِ قیاس نہیں۔جبکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بخارا کے رہنے والے ہوں اور ادوار بھی مختلف ہوں، وہ یہ حدیث معلوم کرلیں اور امام مالک ﷺ کو معلوم نہ ہو؟

اب ذرا غور فرمائیے کہ اگر سنی ہونیکے لئے حضرت ابو بکر صدیق ؓ کی
افضلیت کا اقرار ضروری ہوتا تو امام مالک ؓ تو سنی نہ ہوئے حالانکہ وہ سنیت کی جان
ہیں۔ دراں حال کہ وہ عشرہ مبشرہ میں سے کسی کی بھی افضلیت کا عقیدہ نہیں
رکھتے، خواہ ابوبکر صدیق ہوں یا علی مرتضیٰ (رضی اللہ عنہما) ہوں، وہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ
والی حدیث کو جو آئندہ موضوعِ گفتگو بننے والی ہے، درخورِ اعتناء نہیں سمجھتے۔

کتاب الاستذکار ۱۴/۲۴۱، حدیث نمبر ۲۰۱۹۵ علامہ ابن عبدالبر جیز تحریر میں لاتے ہیں

وھو حدیث شاذہ لا یعضدہ شئ من الاصول و کل حدیث لا اصل لہ لا حجۃ فیہ وقد مالت العامۃ بجھلھا الیہ وھم مجمعون علی خلافہ بحیث لا یعلمون وقد نقضوہ مع قولھم بہ لانھم لا یختلفون فی ان علیا فی التفضیل رابع الاربعۃ

(ترجمہ) یہ حدیث شاذ ہے۔ اصول میں سے کوئی بھی اسکی تائید نہیں کرتی۔ جس
حدیث کی کوئی اصل بھی تائید نہ کرے۔ اسمیں کوئی دلیل تسلیم نہیں ہوتی۔ جاہل لوگ
بوجہ اپنی جہالت کے اسکی طرف مائل ہو چکے ہیں اور انہوں نے (جہلاء نے) لا
شعوری طور پر اسکے خلاف اجماع کر لیا ہے اور اسکو ماننے کے باوجود اسکی خلاف
ورزی کر لی ہے۔ کیونکہ وہ اسمیں کوئی اختلاف نہیں رکھتے کہ علی مرتضیٰ ؓ افضلیت
میں چوتھے نمبر پر ہیں۔

علامہ ابن عبدالبر مالکی اندلسی (متوفی ۴۶۳ھ) مذہب مالکی کا ترجمان
ہونے کی حیثیت سے اس حدیث کی فنی حیثیت پر گفتگو فرماتے ہیں۔ یہ حدیث (فنی
طور پر) شاذ ہے کیونکہ علم حدیث کی بنیادی کتب میں سے کوئی بھی اسکی حمایت نہیں

کرتی۔ یعنی وہ راوی روایت حدیث میں متفرد ہوتا ہے اور اس عمل سے راوی کی
ایسے اوثق راویوں سے مخالفت لازم آتی ہے جس کی وجہ سے حدیث
شاذ کہلاتی ہے۔ اور ثقہ کی اوثق سے مخالفت، روایت کے عدم قبول کی وجہ ہے۔

علامہ ابن عبدالبر کا کہنا ہے کہ عوام اپنی جہالت کی وجہ سے اس حدیث کے
قبول کرنیکی طرف مائل ہوئے ہیں۔ جبکہ اس حدیث کو سند مان لیا تھا تو اسکی مخالفت
کر لی کہ انہوں نے افضلیت میں جنابِ علی مرتضیٰ ؓ کو چوتھے نمبر پر رکھ کر اس
حدیث کی مخالفت کی ہے۔ حالانکہ اس حدیث نے تو ترتیب وار تین خلفائے
راشدین کو افضل مانا ہے، چوتھے کے بارے میں سکوت اور توقف اختیار کیا
ہے۔ چاہیے یہ تھا کہ حضرت علی مرتضیٰ ؓ کو چوتھے نمبر پر نہ رکھتے۔ انہوں نے ایسا کر
کے حدیث کی مخالفت کی ہے۔

حدیث شاذ کی تحقیق

وذکر الحاکم ابو عبداللہ الحافظ ان الشاذ ھو الحدیث الذی یتفرد بہ ثقۃ من الثقات ولیس لہ اصل بمتابع لذالک الثقۃ (مقدمہ ابن صلاح ص ۱۳۶ از ابن صلاح (متوفی ۶۴۲ھ)

(ترجمہ) امام حاکم ابو عبداللہ حافظ نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ شاذ وہ حدیث ہوتی
ہے جسمیں کوئی ثقہ راوی اکیلا ہو، اور کوئی اصل بھی اس ثقہ کی حمایت میں نہ ہو۔

اب بقول علامہ ابن عبدالبر یہ ”حدیث شاذ“ ہے۔ مزید توضیح کے بعد
دیکھتے ہیں کہ حدیث شاذ قابلِ احتجاج ہے کہ نہیں؟

مقدمہ ابن صلاح صفحہ نمبر ۳۶ پر درج ہے:

الذی علیه حفاظ الحدیث ان الشاذ ما لیس له الا اسناد واحد یشذ بذالک شیخ ثقة کان اوغیر ثقة فما کان من غیر ثقة فمتروک لا یقبل وما کان من ثقة یتوقف فیه ولا یحتج به ۔

ترجمہ: جو حفاظ الحدیث کا مذہب ہے وہ یہ ہے کہ شاذ وہ حدیث ہے کہ جسکی سند صرف ایک ہے، جسکو کوئی شیخ روایت کرے خواہ وہ ثقہ ہو یا غیر ثقہ جو ایسی حدیث غیر ثقہ سے مروی ہو وہ متروک ہوگی جو قبول نہیں کی جائے گی۔اور جو (حدیث شاذ) ثقہ سے مروی ہو، وہ متوقف فیہ ہوگی اور اسکو قابل احتجاج نہیں سمجھا جائے گا۔

سو ابن عبدالبر کا دعویٰ ثابت ہوگیا کیونکہ اسکی سند ایک ہی ہے اور کوئی اصل اسکی متابع نہیں اور چونکہ عبداللہ بن عمرؓ ثقہ راوی ہیں، لہٰذا اس حدیث میں توقف کیا جائے گا اسکو دلیل نہیں سمجھا جائے گا۔

مقدمہ ابن صلاح کے اسی صفحہ پر امام شافعیؒ کی فنی رائے منقول ہے:

انما الشاذ ان یروی الثقة حدیثا یخالف ما رواہ الناس

ترجمہ: شاذ حدیث صرف وہ ہے جسے کوئی ثقہ راوی روایت کرے اور دوسرے لوگوں کی روایت کے خلاف ہو۔

چونکہ اس حدیث کو صرف حضرت نافع نے روایت کیا ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے جمیع شیوخ مدینہ کا توقف بتایا ہے اور عشرہ مبشرہ میں بھی کسی کی افضلیت کا دعویٰ نہیں کیا۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت نافع اس حدیث کو روایت کرنے میں خود بھی متفرد ہیں اور انکے مروی عنہ بھی متفرد ہیں جو کہ شیوخ مدینہ کی کثرت رائے کے

مطابق میں تفرد ہے اس وجہ سے حدیث قابل احتجاج نہیں ٹھہرے گی۔

کتاب الاستذکار کے ص ۲۴۱ علامہ ابن عبدالبر ۲۰۱۹۶ کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

فی حدیثهم عن ابن عمر انهم لا یفضلون احدا بعد عثمان وانهم یسکتون بعد الثلاثة عن تفضیل احد فقد نقضوا ما ابرموا والله المستعان عن جهل عامة هذا الزمان .

ترجمہ: انکی حدیث ابن عمرؓ میں یہ بات ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کے بعد کسی کو افضلیت نہیں دیتے اور یہ کہ وہ لوگ تین کے بعد کسی کو کسی پر افضلیت نہیں دیتے۔ تو انہوں نے اٹل فیصلہ کیا تھا وہ توڑ دیا ہے اللہ تعالیٰ اس زمانے کے عوام کی جہالت سے بچائے۔

وذکر زبیر بن بکار قال حدثنا اسماعیل بن ابی اویس عن مالک بن انس : لیس من امر الناس الذین مضوا التفضیل بین الناس (کتاب الاستذکار ۱۴۔۲۴۱ تصنیف ابن عبدالبر حدیث ۲۰۱۹۹)

ترجمہ: امام مالک فرماتے ہیں کہ ہم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں ان لوگوں کے درمیان تفضیل کا نظام نہیں تھا (ایک دوسرے پر افضلیت نہیں دیا کرتے تھے) یعنی دوسری صدی کے دوسرے نصف کے نصف حصے تک تفضیل کے بارے میں توقف تھا اسکے بعد لوگوں کی زبانیں کھلنے لگیں۔

علامہ ابن عبدالبر، کتاب الاستذکار کے ۱۴۔۲۴۲ پر ورطہ تحریر میں لاتے ہیں؛

وقد عورض حدیث ابن عمر هذا بحدیث عبدالله بن مسعود. رواہ شعبة عن ابن اسحاق عن عبد الرحمان بن یزیدعن علقمه عن

عبداللہ قال کنا نتحدث ان افضل اھل المدینۃ علی ابن ابی طالب

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما والی اس حدیث سے حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ والی حدیث کا تعارض لازم آگیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ ہم لوگ کہا کرتے تھے کہ حضرت علی بن ابی طالب ؓ اہل مدینہ سے افضل ہیں۔

(فضائل صحابہ جلد۲ ص۷۴۹ تصنیف امام احمد بن حنبل، مسند بزار ج۵ ص۵۵، مجمع الزوائد ج۹ ص۱۰۵ میں بھی یہ حدیث اسی طرح موجود ہے)

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ والی حدیث کا تعارض حدیث ابن مسعود ؓ سے بایں معنی ہے کہ خلفائے راشدین کا مسکن مدینہ طیبہ ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ جملہ صحابہ کرام کا مجموعی عمل یہی بتاتے ہیں کہ یہ لوگ جناب مولا مرتضیٰ ؓ کو سب سے افضل جانتے تھے۔ اور یہاں لفظ افضل استعمال فرمایا ہے جو کہ صیغہ اسم تفضیل ہے اور اسم تفضیل کے استعمال کے بارے میں ملا نورالدین عبدالرحمان جامی شرح جامی ص۲۸۸ پر تحریر فرماتے ہیں:

یستعمل ای اسم التفضیل علی ثلاثۃ اوجہ وھی بالاضافۃ او من او اللام۔ یعنی اسم تفضیل کا استعمال تین طریقوں میں سے کسی ایک طریقے سے ہوتا ہے۔ اوروہ استعمال (۱) اضافت کے ساتھ ہوتا ہے (۲) من کے ساتھ (۳) الف، لام تعریف کے ساتھ، اس میں ہمارا مقصود صرف اضافت کے ساتھ استعمال کرنا ہے۔

شرح جامی ص۲۸۹ پر ارقام فرماتے ہیں:

فاذا اضیف ای اسم التفضیل فلہ معنیان. احدھما وھو

الاکثر ان تقصد بہ الزیادۃ ای احدھما زیادۃ المقصود بہ علی من اضیف الیہ ای علی ما اضیف اسم تفضیل الیہ۔

جس وقت اسم تفضیل کو مضاف کریں تو اس کے دو معنی ہوتے ہیں۔ ان میں ایک معنی (وہ اکثر ہوتے ہیں) یہ ہیں کہ اس کے ذریعے سے زیادتی مراد لی جائے یعنی اس اسم تفضیل کے موصوف کی (اس صفت میں زیادتی) مضاف الیہ پر مراد لی جائے یعنی اسم تفضیل کو کسی اسم کی طرف مضاف کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مضاف اپنے مضاف الیہ کی اس صفت میں پوری طرح شریک ہے۔ یعنی اس صفت کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس میں اسم تفضیل کا موصوف شریک نہ ہو۔ وہ تمام تر محاسن مضاف الیہ میں پائے جاتے ہیں۔ اس صفت کے حوالے سے ان میں مضاف پوری طرح شریک ہوگا۔ مگر اسم تفضیل کے موصوف میں جو جو اضافہ اور جو برتری پائی جائے گی اس میں مضاف الیہ کا کوئی فرد شریک نہیں ہوگا۔

اب حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کے قول کا معنیٰ یہ ہوگا کہ جملہ اہل مدینہ میں جو خوبیاں پائی جاتی ہیں ان میں حضرت مولا مرتضیٰ ؓ پوری طرح شریک ہوں گے۔ ان میں کوئی بھی حسن وفضل ایسا نہیں جس میں مولا مرتضیٰ ؓ شریک نہ ہوں مگر اہل مدینہ میں کوئی بھی ایسا آدمی نہیں ہوگا جو حضرت حیدر کرار ؓ کے اس فضل میں شریک ہو جو وہ بمقابلہ جملہ اہل مدینہ کے رکھتے ہیں۔

عبداللہ بن مسعود کا یہ قول بظاہر قول صحابی ہو کر حدیث موقوف کہلائے گا مگر اس قول میں قیاس صحابی کو دخل نہیں ہے لہٰذا حکماً حدیث مرفوع کہلائے گا۔ کیونکہ یہ امر اعتقادی ہے اور جملہ عقائد سماعی و توقیفی ہیں لہٰذا یہ سمجھا جائے گا کہ حضرت عبداللہ

بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ضرور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہوگا ورنہ یہ جملہ کبھی نہ بولتے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو متعدد وجوہ سے جناب عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما پر ترجیح حاصل ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مقام ومرتبہ

ابن مسعود اولین سابقین میں سے تھے۔علامہ ولی الدین تبریزی "اکمال فی اسماء الرجال" میں ص ۶۰۵ پر لکھتے ہیں:

کان اسلامه قدیما فی اول الاسلام قبل دخول النبی (صلی اللہ علیه وآله وسلم) دار الارقم قبل عمر بزمان وقیل سادسا فی الاسلام ثم ضمه الیه رسول اللہ (صلی اللہ علیه وآله وسلم) وکان من خواصه وکان صاحب سر رسول اللہ (صلی اللہ علیه وآله وسلم) و سواکه و نعلیه و طهوره فی السفر و هاجر الی الحبشه و شهد بدرا ثم بعدها من مشاهد و شهد له رسول اللہ با لجنة .

ترجمہ: اوائل اسلام میں ان کا اسلام بہت پرانا تھا قبل اسکے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دارارقم میں داخل ہوں۔کہا گیا ہے کہ آپ چھٹے مسلمان تھے پھر سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنے ساتھ وابستہ فرمالیا اور وہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خواص میں سے ہو گئے۔سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھیدی صحابی تھے۔سفروں میں سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مسواک،نعلین اور پانی والا لوٹا لئے رہتے تھے۔(اور سب سے بڑھ کر) حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی۔اور بدر کی جنگ میں شریک ہوئے اور اسکے بعد کی جنگوں میں شریک

ہوئے اور سرکار علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے انہیں جنتی ہونے کی خوشخبری بھی سنائی۔

آپ رضی اللہ عنہ کا بڑا طرہ امتیاز یہ بھی ہے کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

رضیت لامتی ما رضی لها ابن ام عبد وسخطت لها ما سخط لها ابن ام عبد . ترجمہ: میں نے اپنی امت کے لیے وہ چیز پسند کرلی ہے جو ابن اُم عبد (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) نے پسند کی ہے اور میں نے اپنی امت کے لئے وہ چیز ناپسند کی ہے جو ابنِ اُم عبد (عبداللہ بن مسعود) نے اسکے لئے (میری امت کے لئے) ناپسند کی ہے۔

سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قانون سازی میں بھی انہیں ایک عظیم مقام دیا۔امت کے حق میں انکی پسندیدا ایک مثبت قانون ہے۔اور انکی ناپسندیدا امت کے حق میں ایک شرعی ممانعت کا درجہ رکھتی ہے۔اس سے ثابت ہوا کہ جنابِ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا جنابِ مولا مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بارے افضلیت کا عقیدہ ایک شرعی مبنیٰ ہے جسکو جنابِ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول کے مقابلے میں ایک ترجیحی حیثیت حاصل ہے۔اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کوفہ میں قاضی بھی رہے ہیں۔اور بیت المال کے انچارج بھی رہے ہیں اور اسی طرح جنابِ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اوائلِ خلافت میں بھی ایسے اہم عہدوں پر بھی رہے ہیں۔

کتاب الاستذکار ۱۴/۲۴۲ تصنیف علامہ ابن عبدالبر ورطہ تحریر میں لاتے ہیں:

قد عا رضوا حدیث ابن عمر ایضا بقول حذیفة : عن حذیفة ، قال لقد علم المحفوظون من اصحاب محمد (صلی اللہ علیه وآله وسلم) ان ابن مسعود اقربهم عنداللہ وسیلة یوم القیامة.

ترجمہ: حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محفوظ لوگوں کا عقیدہ ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قیامت کے میدان میں اللہ کی بارگاہ میں سب سے قریبی ذریعہ نجات ہیں یعنی بارگاہ خداوندی میں قیامت کے دن (نجات کا) سب سے قریبی وسیلہ جانتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تمام شاگرد جناب عبداللہ بن مسعود کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد سب سے افضل جانتے تھے۔امام شمس الدین ذہبی لکھتے ہیں:
کان تلامذتہ لایفضلون علیہ احداً من الصحابۃ (تذکرۃ الحفاظ، ج۱ص۱۷)۔ ترجمہ: (حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے سارے شاگرد کسی بھی صحابی کو آپ سے افضل نہیں سمجھتے تھے)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مجتہد اور فقہاء صحابہ کے نزدیک یہ امر مسلم تھا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود خدا کی بارگاہ میں (بعد از سرکار عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مغفرت کا سب سے قریب وسیلہ تھے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ وہ سب سے زیادہ قریبی وسیلہ تھے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے افضل الصحابہ ہونے کی شہادت ہے اور یہ امر جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے قول کنا نفاضل کے خلاف ہے۔علامہ ابن عبدالبر کہتے ہیں:

کل من رد حدیث جابر بن عبداللہ الانصاری و ابی سعید خدری "کنا نبیع امھات الاولاد علی عھد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)" ولم یقبلہ لزمہ ان یرد قول ابن عمر "کنا نفاضل علی عھد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)" ولا یقبلہ بل قول ابن عمر اولی بالرد

لانہ لا اصل لہ ولبیع امھات الاولاد حظر من اھل السنۃ المجتمع علیھا

ترجمہ: (علامہ ابن عبدالبر کہتے ہیں) جو شخص حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو رد کرے "ہم امہات الاولاد کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں بیچا کرتے تھے" اور وہ اسے قبول نہ کرے اسکے لئے ضروری ہے کہ وہ قول ابن عمر رضی اللہ عنہ کو رد کرے "ہم حضور علیہ السّلام کے دور پاک میں افضلیت دیا کرتے تھے" اور اسکا فرض ہے کہ وہ قول ابن عمر رضی اللہ عنہ کو قبول نہ کرے بلکہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے قول کا رد اولیٰ ہے کیونکہ اس کی کوئی اصل نہیں اور اجماع اہل سنت کے مطابق امہات الاولاد کی بیع ممنوع ہے۔

یعنی اگرچہ قول ابن عمر رضی اللہ عنہما ثابت ہے مگر اصل نہ ملنے کی وجہ سے شاذ ہے جیسا کہ 'مقدمہ ابن صلاح' کے حوالہ سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ حدیث شاذ قابل احتجاج نہیں ہوتی۔

نیز ان سے زیادہ فقیہہ اور مجتہد صحابی کے حوالہ جات انکے خلاف پیش کیے جا چکے ہیں تو جسطرح ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ جیسے فقیہہ اور مجتہد صحابہ کی احادیث اجماع اہل سنت کے برعکس ہونے کی وجہ سے متروک اور ناقابل عمل قرار پائی ہیں اسطرح سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث شاذ اور بے اصل ہونیکی وجہ سے اور ان سے زیادہ فقاہت واجتہاد رکھنے والے صحابہ کی احادیث کے مقابلے میں اولیٰ بالرد قرار پائے گی۔

نیز مالک بن انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: **لیس من امر الناس الذین مضوا ان یفاضلوا بین الناس** (الاستذکار ج۴ ص۲۴۳)

ترجمہ: جولوگ پہلے گزر چکے ہیں ان کا یہ کام نہیں تھا کہ لوگوں کے درمیان درجات متعین کریں (افضلیت کا تعین کریں)

چونکہ فضائل ان کمالات کا نام ہے جو کسی میں پائے جاتے ہیں اور وہ عنداللہ کن رتبے پر فائز ہوتے ہیں اور اسکا براہ راست علم خدا اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہوتا ہے اسلئے انہیں کوئی تیسرا نہیں جانتا سوائے اس کے کہ اس کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بتا دیں۔ لہٰذا یہ عوامی فیصلہ نہیں تھا جس کو عوام کی رائے پر چھوڑا جائے یعنی اسمیں سابقین مسلمین کا مذہب ''توقف'' تھا۔

مزید برآں، اسی کتاب کے اسی صفحہ پر ہے:

سمعت مصعب بن عبداللہ الولیدی، یقول: لم یکن احد من مشائخنا الذین ادرکنا ببلدنا، یفضل بین احد من العشرۃ لا مالک ولا غیرہ

. ترجمہ: مصعب بن عبداللہ الولیدی کا کہنا ہے جن مشائخ کو ہم نے اپنے شہر (مدینہ طیبہ) میں پایا ان میں کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو عشرہ مبشرہ میں سے کسی ایک کو دوسرے پر افضلیت دے نہ ہی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ایسا کرتے تھے اور نہ ہی کوئی دوسرا ایسا کرتا تھا۔

جس کا مطلب یہ تھا کہ صحابہ کرام اور عشرہ مبشرہ (رضی اللہ عنہم) تک میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا سکوت اور توقف تھا۔ بحیثیت خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کے جناب شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کی تقدیم کا قول بصیغہ تمریض ہے، جو کتاب الاستذکار ج ۱۴ ص ۲۴۴ پر مذکور ہے: **وقد روی عن مالک تقدیم شیخین ابی بکر وعمر رضی اللہ عنہما من روایات ابن القاسم وغیرہ۔**

اور خلفائے اربعہ کی ترتیب خلافت کے مطابق خدمات خلافت میں تقدیم و

تاخیر تسلیم ہوگی جسکی تفصیلات بعد میں آنے والے باب میں ذکر ہونے والی ہیں۔

افضلیت کے بارے میں خواہ خلفاء یا غیر خلفاء کے حق میں کوئی حتمی فیصلہ کرنا اجمالی مشکل ہوگا کیونکہ جملہ احادیث کو مدنظر رکھنا ہوگا۔ ایسی حالت میں فکر و دانش کو جان کے لالے پڑے ہوں گے اسی ضمن میں جناب امام حسن رضی اللہ عنہ کی ایک اور روایت، کتاب الاستذکار نے ۱۴۔۲۴۵ پر نقل کی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں؛

خرج رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مع اصحابہ الی بقیع الغرقد فقال علیہ السلام " السلام علیکم یا اھل القبور لو تعلمون ما نجّٰکم اللہ منہ ما ھو کائن بعدکم " ثم اقبل علی اصحابہ فقال: ھؤلاء خیر منکم، قالو یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اخواننا اسلمنا کما اسلموا وھاجروا کما ھاجرنا وجاھدوا کما جاھدنا ومضوا علی آجالھم وبقینا فی آجالنا، فی ما تجعلھم خیرا منا؟ فقال ان ھو لاء خرجوا من الدنیا ولم یأ کلوا من اجورھم شینا وانا علیھم شھید "اوقال: فانا الشھید علیھم وانکم قد اکلتم من اجورکم ولا ادری ما تحدثون بعدی" ۔

ترجمہ: حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کے ہمراہ بقیع شریف میں گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم پر سلام ہو قبروں والو! کاش تمہیں معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں کس چیز سے نجات بخشی جو تمہارے بعد ہونے والی تھی۔ پھر سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیطرف متوجہ ہوئے اور فرمایا یہ لوگ تم سے بہتر ہیں۔ صحابہ کرام نے عرض کیا، یہ لوگ ہمارے بھائی ہیں ہم بھی اسی

طرح ایمان لائے جیسے وہ لائے تھے اور انہوں نے بھی اسی طرح ہجرت کی جیسے ہم نے کی اور انہوں نے بھی اسی طرح جہاد کیا جس طرح ہم نے کیا۔ وہ اپنی اپنی موتوں کے مطابق چل بسے، ہم اپنی موتوں کے انتظار میں بچ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں کس وجہ سے ہم سے بہتر قرار دے رہے ہیں تو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''یہ لوگ دنیا چھوڑ گئے اور انہوں نے اپنا اجر حاصل نہیں کیا اور میں انکا گواہ ہوں'' یا فرمایا میں ان پر گواہ ہوں اور تم نے اپنا اپنا اجر حاصل کیا اور میں (تک تخمینے سے یا ذاتی طور پر) نہیں جانتا کہ تم میرے بعد کیا نئی چیزیں پیدا کر دو گے۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ صحابہ کا ایک طبقہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب سے افضل تھے جو سرکار ابد قرار کے عہد سعادت مہد میں انتقال کر گئے۔ اسمیں خلفائے کرام یا دیگر عشرہ مبشرہ کی کوئی ہتک نہیں کیونکہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد صریح کی موجودگی میں کسی کو مجال دم زدن نہیں۔

اس مقدمہ کے مشتملات سے صاف ظاہر ہے کہ مسئلہ افضلیت نہ ہی تو ضروریات دین میں سے ہے اور نہ ہی اسمیں پوری امت کا عقیدہ یکساں طور پر پایا جاتا ہے، بلکہ اسکے مصادر ثبوت بھی جا بجا سقیم وضعیف ہیں اور اکابرین امت کے عقائد بھی اسمیں مختلف ہیں جیسا کہ آنے والے باب میں اسکی پوری توضیحات مع شواہد و مصادر پیش کی جائیں گی، انشاء اللہ تعالیٰ۔

افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سنیت کا معیار قرار دینا سراسر غلط ہوگا کیونکہ ہمارے مانے ہوئے بزرگ اسکے پابند نہیں نکلیں گے۔ اگرچہ لوگوں نے دور حاضر میں اسکو سنیت کا معیار قرار دینے کی ناکام کوشش کی ہے۔ خود صحابہ کرام، تابعین اور ائمہ

[illegible] جب اسکے پابند نہیں نکلیں گے تو اسکو سنیت کا معیار قرار دینے کا کیا امکان باقی رہ جائے گا؟ یہ بحث عنقریب آجانے والی ہے، انشاء اللہ تعالیٰ۔

مسئلہ افضلیت میں اختلاف مذاہب

فقیر کے نزدیک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت بحیثیت خلیفہ راشد کے برحق ہے اور اس حیثیت سے آپ افضل الامت ہیں۔ اگرچہ اُمت کے اکابر سے لیکر اصاغر تک کا اس میں اختلاف ہے مگر فقیر کا مذہب وہی ہے جو عرض کر دیا ہے۔ اب اس سلسلے میں امت کے ائمہ عقائد وفقہاء کے مواقف اور ان کے دلائل پیش کیے جاتے ہیں:

☆ کیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جملہ اہل بیت واُمت سے من کل الوجوہ افضل ہیں؟

فتاویٰ عزیزیہ، فارسی ص ۱۸۱، اردو ص ۲۱۲ میں شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں:

سوال﴾ اہل سنت کے نزدیک ثابت ہے کہ تفضیل شیخین پر اجماع ہے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر شیخین رضی اللہ عنہما کی تفضیل ہر وجہ سے ثابت ہے کہ نہیں؟ (بلفظہ)

جواب﴾ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی تفضیل حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر ہر وجہ سے نہیں ہے (فضیلت مطلقہ ثابت نہیں) بلکہ علمائے محققین نے لکھا ہے کہ حضرات شیخین میں سے کسی ایک صاحب کی تفضیل دوسرے پر ہر وجہ سے ثابت ہونا محال ہے اس واسطے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جہاد سیفی وسنانی میں فن قضاء وکثرت روایت حدیث میں اور

ہاشمیت اور حنفیت میں اور علی الخصوص اس وجہ سے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ زوجیت کی قرابت ہے، افضل ہیں۔

ان وجوہ میں حضرت علی ﷺ کی تفضیل حضرت ابو بکر صدیق ﷺ پر قطعی طور پر ثابت ہے اور ایسا ہی حضرت علی ﷺ کی فضیلت عمر فاروق ﷺ پر بھی قطعی طور پر ان امور میں ثابت ہے کہ حضرت عمر ﷺ سے پہلے حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایمان لے آئے اور ایسے ہی پہلے نماز بھی پڑھی۔

مراد اس امر سے حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو حضرت علی ﷺ پر فضیلت ہے یہ ہے کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو صرف ان امور میں فضیلت ہے (۱) سیاست امت (۲) حفظ دین (۳) سد باب فتنہ (۴) ترویج احکام شرعیہ (۵) ممالک میں اشاعت اسلام (۶) اقامت حدود و تعزیرات۔

یہ ایسے امور ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مانند انجام دینے میں حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو حضرت علی ﷺ پر فضیلت ہے اور ایسے ہی مقاصد خلافت کبریٰ کے ہیں۔ اور اسی وجہ سے صحابہ کا اجماع ہوا کہ خلافت کبریٰ کے مقاصد میں حضرات شیخین رضی اللہ عنہما مقدم ہیں بلکہ صواعق محرقہ و دیگر کتب معتبرہ میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

سألت اللہ ان یقدمک یا علی و یابی اللہ الا تقدیم ابی بکر (بلفظہ)

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی نے اپنے فتویٰ کے ذریعے سے اپنی رائے کا اظہار فرمایا کہ حضرات شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کا تقدم مسئلہ خلافت میں پایا جاتا

ہے کیونکہ انعقاد خلافت کے وقت استحقاق خلافت موضوع گفتگو تھا۔ اب اگر صحابہ کرام کا اجماع ہوا ہے تو صحت خلافت پر ہوا ہے کیونکہ موضوع بحث استحقاق خلافت ہونے پر اجماع ہو تو وہ صحت خلافت پر ہو سکتا ہے اگر موضوع گفتگو افضلیت ہو تو اجماع افضلیت پر ہوتا چونکہ افضلیت موضوع بحث ہی نہیں تھی لہٰذا اجماع افضلیت پر نہیں ہوا۔

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کے فتویٰ سے یہ ثابت ہوا کہ شیخین کریمین کو صرف امور خلافت میں تقدم حاصل ہے۔ افضلیت مطلقہ کا عقیدہ سنیت کے خلاف ہے اور اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم کے بھی خلاف ہے، آپ کو بھی اسی پر اجماع کرنا ناگزیر ہوگا جس پر صحابہ کا اجماع ہوا۔

درحقیقت افضلیت کے کسی پہلو پر بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہوا ہی نہیں جیسا کہ آنے والے دلائل و شواہد سے یہ امر روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گا کہ افضلیت کے موضوع پر مجتہدین صحابہ کا کبھی کوئی اجماع نہیں ہوا بلکہ خلافت پر اجماع کو کچھ لوگوں نے افضلیت پر اجماع تسلیم کیا جو کہ محققین کے نزدیک ایک فریبِ بلا مریہ ہے ایک من گھڑت بات ہے۔ جسکی تردید و توضیح ادلہ قویہ و شواہد کتب سے کی جائے گی۔ انشاء اللہ اسمیں کوئی ابہام باقی نہیں رہے گا۔

دور حاضر کے دانشور کو جس کی رائے میں حضرت ابو بکر صدیق ﷺ کو افضلیت مطلقہ حاصل ہے، ثبوت مہیا کرنا مشکل ہوگا، اور اگر دیانت سے کام لے تو یہ ثبوت ممکن ہی نہیں ہوگا۔ پھر خلافت میں تقدم اہل سنت کے نزدیک متفقہ طور پر وجہ فضیلت بھی نہیں ہے بلکہ تقدم کے علاوہ آپ کو افضلیت کی دلیل دینی ہوگی۔ آپ دیکھتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی ﷺ متفقہ طور پر حضرت علی مولا مرتضیٰ ﷺ سے خلافت

میں مقدم ہیں مگر اہل سنت کے نزدیک ان میں افضلیت مختلف فیہ ہے (یعنی ان دونوں میں کون افضل ہے) اگر خلافت میں مقدم ہونا افضلیت کے لئے وجہ کافی ہوتی تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر متفقہ طور پر افضل ماننا چاہیے تھا مگر ایسا نہیں ہوا، جس سے ثابت ہوا کہ خلافت میں تقدم دلیل افضلیت نہیں ہے۔ یہ روافض کا مذہب ہے کہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی امامت درست نہیں اہل سنت کے نزدیک افضل کی موجودگی میں مفضول کی امامت و خلافت درست ہے۔ جیسا کہ بخاری و دیگر کتب صحاح میں موجود ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت میں سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھی اور حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں بھی نماز پڑھی۔ اگر امامت کے تقدم سے افضلیت لازم آتی تو پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ (معاذ اللہ) سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل ہوتے جو کسی طرح ممکن نہیں جس سے ثابت ہوا کہ امامت میں تقدم دلیل افضلیت نہیں۔

مزید برآں کہا جا سکتا ہے کہ یہ مثالیں جو گزشتہ سطور میں پیش کی گئی ہیں وہ امامت صغریٰ کے بارے میں ہیں اور ہمارا مبحث امامت کبریٰ ہے اسکے دو جواب عرض ہیں:

(ا) الیواقیت والجواہر ص۳۳۲ تصنیف امام عبدالوہاب شعرانی بحوالہ محی الدین ابن عربی المعروف شیخ اکبر لکھتے ہیں:

زمانے کے تقدم کو بالذات کوئی شرف حاصل نہیں اور خلافت کے تقدم کو بھی حتمی طور پر دلیل افضلیت سمجھنا یہ ایک علمی لغزش ہے، حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام

کے متعلق قرآن نے کہا: **انی جاعلک للناس اماماً** ترجمہ:۔ میں یقیناً تمہیں لوگوں کے لئے امام بنانے والا ہوں۔ اور یوں بھی کہا **فاتبعوا ملة ابراهيم حنيفا** ترجمہ:۔ تم ملت ابراہیم کی پیروی کرو جو (صحیح معنوں میں) موحد ہیں۔ یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو امامت کبریٰ میں مقدم بھی رکھا اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی پیروی کرنے کا مع امت کے حکم بھی دیا۔ مگر افضلیت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل ہے۔ ثابت ہوا کہ امامت کبریٰ میں بھی تقدم دلیل افضلیت نہیں۔

لیجئے الیواقیت والجواہر کی اصل عبارت ملاحظہ فرمائیے:

بالجملة فلا ينبغي الخوض في مثل ذالک الا مع وجود نص صريح مع انا قائلون بترتيب هولاء الخلفاء الاربعة كما عليه الجمهور. وانما خالفناهم في علة التقديم فهم يقولون هي الفضل ونحن نقول: هي تقدم الزمان ولو ان كل متأ خر كان مفضولا لكان من تقدم محمدا (صلى الله عليه وآله وسلم) افضل منه ولا قائل بذالک احد من المحققين (الیواقیت والجواہر ص۳۳۲)

ترجمہ:۔ حاصل کلام یہ ہے کہ نص صریح کے بغیر ایسے مسائل میں غور و خوض نہیں کرنا چاہیے باوجود اس بات کے کہ ہم لوگ ان خلفائے اربعہ کی ترتیب کے قائل ہیں (جیسا کہ جمہور کا مذہب ہے) ہم نے صرف ترتیب میں مقدم ہونیکی وجہ میں انکی (جمہور کی) مخالفت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ (علت تقدیم۔ خلافت میں مقدم ہونے کی وجہ) افضلیت ہے۔ ہم کہتے ہیں:۔ یہ زمانے میں مقدم ہونا ہے (یعنی اسکی وجہ افضلیت نہیں) اور اگر ہر پیچھے آنے والا مفضول (کم درجے والا) ہوتا تو پھر (لازم

آتا تھا) جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے آیا وہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل ہوتا حالانکہ محققین میں سے کوئی ایک بھی اس کا قائل نہیں ہے۔

محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے پتہ چلا کہ حسب ترتیب، افضلیت خلفائے اربعہ (انکے قول کے مطابق) مذہب جمہور ہے، مذہب اجماعی نہیں اور یہ بات بھی معلوم ہوئی، ترتیب خلافت وامامت میں مقدم ہونا دلیل افضلیت نہیں۔

اما من قطعنا بتفضیل بعضھم علی بعض فذالک مصروف الی اللہ ،فھو عالم بمنازلھم ولم یعلمنا سبحانہ وتعالی بما فی نفسہ تعالی فاللہ تعالی یحفظنا من الفضول ومن مخالفۃ اھل السنۃ والجماعۃ (الیواقیت والجواہر ص۳۳۲)

ترجمہ:۔ جہاں تک انکی ایک دوسرے پر فضیلت کے بارے میں ہمارے اٹل فیصلے کا تعلق ہے یہ بات خدا کے سپرد ہے، وہ انکے اپنی بارگاہ میں مراتب کو خوب جانتا ہے۔ اسنے ہمیں نہیں بتایا کہ اس بارے میں اسکے علم میں کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں فضول باتوں سے بچائے اور اہل سنت وجماعت کی مخالفت سے بھی بچائے (توقف)

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت والے دن جو چیز موضوع گفتگو تھی وہ خلافت تھی نہ کہ افضلیت تھی۔

انصار مدینہ کا کہنا تھا: **منا امیر و منکم امیر** (بخاری، تکمیل الایمان و دیگر کتب عقائد) "ایک امیر ہم میں سے ہوگا اور ایک امیر تم میں سے"۔ تو جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: **نحن امراء وانتم وزراء** (ہم امراء ہوں گے اور تم

وزراء)۔ جب بات آگے بڑھی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: **الائمۃ من القریش**، امام (سربراہان مملکت) قریش میں سے ہوں گے۔

اس حدیث کے پیش کرنے کا مقصد استحقاق خلافت تھا نہ کہ افضلیت۔ اس حدیث کو بطور موضوع اجماع (داعی اجماع) کے پیش کیا گیا۔ جب موضوع گفتگو استحقاق خلافت تھا تو اسپر اگر اجماع منعقد ہو گیا تو اجماع بھی استحقاق خلافت پر تسلیم ہوگا، افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر تسلیم نہیں ہوگا۔

ایک شبہ کا ازالہ

سائل سوال کر سکتا ہے کہ خلافت بذات خود افضلیت ہے لہٰذا اگر خلافت پر اجماع ہو گیا تو یہی اجماع افضلیت پر بھی تسلیم ہوگا۔ جواباً عرض ہے کہ اگر ایسا سمجھا گیا ہوتا تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے متفقہ طور پر خلیفہ تسلیم کیے جانے کے بعد ان کے اور جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے درمیان افضلیت کا اختلاف کبھی نہ ہوتا۔ اور لوگ فوراً کہہ دیتے "جو خلیفہ ہوتا ہے وہی افضل ہوتا ہے" کیونکہ خلافت بذات خود افضل ہوتی ہے لہٰذا جو خلیفہ ہوگا وہی افضل ہوگا مگر ایسا کسی نے نہیں کہا بلکہ وہ اختلاف متکلمین میں آج تک موجود ہے۔ نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ خلافت میں اول ہونا دلیلِ افضلیت نہیں جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر ہر فردِ قریش یکساں طور پر امامت کبریٰ کا اہل ہوگا۔

اس حدیث میں دلیل استحقاق پائی جاتی ہے، دلیل افضلیت نہیں پائی جاتی۔ تو ظاہر ہے اگر اجماع ہوا ہے تو استحقاقِ خلافت برائے قریش پر ہوا ہے، افضلیت پر نہیں ہوا کیونکہ اس میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور باقی قریش من

حیث ھو ھو برابر ہیں، بایں معنی کہ قریش کلی متواطی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس میں کوئی دلیلِ افضلیت نہیں۔

نیز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس حدیث شریف کے تسلیم کیے جانے کے بعد فرمایا: اگر آپ لوگ ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ یا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ میں سے کسی ایک کو خلیفہ بنالو تو میں راضی ہوں (تکمیل الایمان صفحہ ۵۴)۔ مزید براں فرمایا: اگر تم کسی دوسرے قریشی کو جو شرائط خلافت پر پورا اترتا ہے خلیفہ بنالو تو میں پہلا شخص ہوں گا جو اس سے بیعت کرے گا۔ (تکمیل الایمان صفحہ ۵۰)

اگر امامتِ کبریٰ میں افضلیت شرط ہوتی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دوسرے لوگوں کے نام اپنے مقابلے میں پیش نہ فرماتے کیونکہ وہ لوگ تو یقیناً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل نہ تھے۔

اب یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ یہ اجماع صحابہ (رضی اللہ عنہم) استحقاقِ خلافت پر تھا۔ اور اس اجماع کا حاصل یہ ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق ثابت ہوئے۔ افضلیت موضوعِ بحث ہی نہ تھی لہٰذا اس پر منعقد ہونے والا اجماع مفیدِ افضلیت نہیں ہوگا۔ انشاء اللہ اسکی مزید تفصیل آئندہ دلائل کے ضمن میں آجائے گی۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے اس فتوی کے آخر میں جو حدیث پیش کی گئی ہے۔ اسکا بھی مطلب خلافت میں تقدم ہے۔

سالت اللہ ان یقدمک یاعلی و یابی اللہ الا تقدیم ابی بکر

امامتِ صغریٰ موضوعِ گفتگو تھی۔ اس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تقدم

مشہور تھا جس سے افضلیت ثابت نہیں کی جاسکتی، جیسا کہ اس پر بحث ہو چکی ہے۔

اس سوال کا دوسرا حصہ جواب طلب ہے سو جواباً عرض ہے:

سوال: آنکه امامت تفضیلیه جائز است یانه درصلوٰةمقتدیان اوکه اهل سنت باشندچه حکم است؟ (فتاوی عزیزیہ (فارسی) ج ۱ صفحہ ۱۸۱)

جواب: آنکه تفضیلیه دوقسم انداول کسانیکه حضرت علی مرتضیٰ رابرشیخین تفضیل میدهندولیکن درمحبت شیخین وتعظیم اینهاومناقب ومدائح اینهاواتباع روش وطریقه وتمسك باقوال وافعال اینهاسرگرم وراسخ قدم اندمانندآنکه اهل سنت باوجودتفضیل شیخین برجناب مرتضیٰ علی رضی الله عنه بوجهیکه مذکورشدنسبت بجناب مرتضوی کمال رسوخ ومحبت اتباع طریقه وتمسك بقول وفعل آنجناب سرگرم اندواین قسم تفضیلیه داخل سنیان اندلیکن دریں مسئله خطاکرده اندوخلاف ایشاں راباجمهوراهل سنت ازقبیل خلاف اشعریه باماتریدیه بایدفهمیدامامت این قسم تفضیلیه جائز است وبعضی ازعلمای اهل سنت وصوفیه اینهابرین روش بوده اندمثل عبدالرزاق محدث وسلمان فارسی وحسان بن ثابت وبعضے صحابه دیگروقسم دیگراز تفضیلیه کسانے باشندکه گویند مارامحبت مرتضیٰ علی رضی الله عنه واولادواتباع طریقه اینهاوتمسك باقوال وافعال اینهاکافی است وشیخین وصحابه

دیگر رابدنگوئیم لیکن بانهاسروکارے هم نداریم نه محبت نه عداوت نه اتباع ونه ترك اتباع ونه تمسك باقوال وافعال اینها ونه اعراض واین قسم تفضیلیه بلاشبه مبتدع اندوحکم امامت ایشان حکم امامت مبتدع است وهیچکس ازمعتبران اهل سنت این قسم تفضیلیه نبوده است (فتاویٰ عزیزیہ جلد۱ ص۱۸۳)

سوال﴿: تفضیلیہ کوامام بنانا جائز ہے یانہیں؟ اگراسکے پیچھے اہل سنت نماز میں اقتدا کریں تواس بارہ میں کیاحکم ہے۔؟

جواب﴿: تفضیلیہ کی دوقسم ہےایک قسم کے وہ لوگ ہیں کہ جوحضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو شیخین رضی اللہ عنہما پرفضیلت دیتے ہیں مگرشیخین کی محبت وتعظیم میں نہایت سرگرم ہیں۔اورشیخین کے مناقب ومدائح بیان کرنے اورشیخین کے طریقہ اورانکی روش کی اتباع کرنے اورشیخین کے اقوال وافعال پرعمل کرنے میں نہایت مستعداورراسخ قدم ہیں جیسا کہ اہل سنت کہتے ہیں کہ حضراتِ شیخین کوحضرت علی رضی اللہ عنہ پران امور میں جو اوپر مذکورہوئے ہیں،فضیلت ہے مگرحضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت اور پیارمیں نہایت سرگرم ہیں۔اورآپ کے قول وفعل پرعمل کرنے میں نہایت مستعد ہیں،تفضیلیہ کی یہ قسم اہل سنت میں داخل ہے البتہ ان لوگوں نے اس مسئلہ تفضیل میں خطا کی ہے۔اوراس مسئلہ میں ان لوگوں کاجمہور اہل سنت کےساتھ اختلاف ایساہی سمجھناچاہئے جیسااشعریہ اورماتریدیہ میں اختلاف ہے۔اس قسم کےتفضیلیہ کی امامت جائز ہے اور اہل سنت کے بھی بعض علماء وصوفیاء اس روش پر ہوئے ہیں۔مثلاً عبدالرزاق

محدث اورسلمان فارسی اورحسان بن ثابت اوربعض دیگرصحابہ کاایساہی خیال تھا۔اور تفضیلیہ کی دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں کہ کہتے ہیں کہ ہمارے لئے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اورآنجناب کی اولادکی محبت کافی ہےاورایساہی ان حضرات کےطریقہ واقوال وافعال کی اتباع کافی ہےاوروہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرات شیخین ودیگرصحابہ (رضی اللہ عنہم) کوہم لوگ برانہیں کہتے۔لیکن ان حضرات سے ہم کوسروکاربھی نہ محبت نہ عداوت نہ اتباع نہ ترک اتباع نہ ان حضرات کےقول وفعل پرعمل کرنانہ اس سےاعراض کرنایعنی ان امورکی جانب کچھ لحاظ نہیں،اس قسم کےتفضیلیہ بلاشبہ بدعتی ہیں۔جوحکم بدعتی کی امامت کاہے۔یہی حکم ان لوگوں کی امامت کے بارے میں بھی ہے۔اورمعتبراہل سنت کوئی اس قسم کاتفضیلی نہیں ہواہے۔

فقہاءومحدثین کاایک اورنقطہ نظر

کیاحضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت تمام اُمت پربشمول اہل بیت کے ہے،اس ضمن میں شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ "تکمیل الایمان" ص۵۶ پرورطہ تحریرمیں لاتے ہیں: **بعضے از فقهائے محدثین در شرح قصیده امالیه نقل کرده اند که افضلیت خلفائے اربعه مخصوص بما عدائے اولاد پیغمبر (صلی الله علیه وآله وسلم)**

ترجمہ: بعض ان فقہاءنے جومحدثین بھی ہیں قصیدہ امالیہ میں نقل کیاہے کہ خلفائے اربعہ کی افضلیت امت پر،اولادرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوچھوڑکرہے۔

قصیدہ امالیہ کےفقہاءومحدثین کےموقف سے پتہ چلاکہ علمائے امت کے

ایک طبقہ نے خلفائے اربعہ کی افضلیت اولا درسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تسلیم نہیں کی اور انہیں علمائے امت نے اہل سنت سے خارج نہیں سمجھا نہ ہی اس بات کو ایسا درجہ قرار دیا جس سے ان کا اخراج اہل سنت سے لازم آتا ہو۔

حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی (رضی اللہ عنہما) کی تفضیل میں سلف کا اختلاف

نیز علامہ ابن عبدالبر متوفی ۴۶۳ھ نے اپنی کتاب ''الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب'' ۳۔۲۷ پر لکھا ہے: **وروی عن سلمان و ابی ذر و المقداد وخباب و جابر و ابی سعید خدری و زید بن ارقم ان علی ابن ابی طالب اول من اسلم و فضله هولاء علی غیره**

ترجمہ؛۔ حضرت سلمان فارسی، ابوذر غفاری، مقداد بن الاسود، وخباب بن الارت و جابر بن عبداللہ انصاری وابوسعید خدری وزید بن ارقم (رضی اللہ عنہم) سے روایت کیا گیا ہے، کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جو مسلمان ہوئے۔ اور یہ لوگ انہیں (حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ) کو دوسرے سبھی صحابہ سے افضل سمجھتے تھے۔

ابن عبدالبر اپنی روایت میں تنہا نہیں ہیں بلکہ دوسرے لوگ بھی ان کے ساتھ شامل ہیں اور یہی علامہ ابن عبدالبر اسی کتاب کے صفحہ ۵۲ جلد ۳ پر رقم طراز ہیں:

واختلف السلف فی تفضیل علی و ابی بکر.

یعنی یہ مسئلہ ان کے دور حیات (۴۶۳ھ) میں ہی نہیں چھڑا بلکہ سلف صالحین میں بھی بدستور اختلاف گزرا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو افضل سمجھنا چاہیے یا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل سمجھنا چاہئے مگر دونوں جماعتیں سُنّی سمجھی جاتی ہیں ان میں

سے کسی کو بھی سنیت سے خارج نہیں سمجھا گیا۔

قدماء کے ذخائر علمیہ میں بہت سارا مواد اس موضوع پر ملتا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس اختلاف کو چنداں اہمیت نہیں دی جاتی تھی۔ جس طرح دور حاضر میں دی جاتی ہے صحابہ کرام سے لیکر آج تک دونوں طبقے اہل سنت میں پائے جاتے ہیں۔ لیجیے ملاحظہ فرمایئے۔ ابو محمد علی بن احمد بن حزم الظاہری اندلسی اپنی کتاب ''الفصل فی الملل والاھواء والنحل'' ج ۴ ص ۱۱۱ میں لکھتے ہیں:

اختلف المسلمون فیمن هو افضل الناس بعد الا نبیاء علیهم السلام، فذهب بعض اهل السنة و بعض المعتزلة و بعض المرجئة و جمیع الشیعة الی ان افضل الامة بعد رسول الله (صلی الله علیه وآله وسلم) علی بن ابی طالب (کرم الله تعالی وجهه الکریم) وقد روینا هذا القول نصا عن بعض الصحابة (رضی الله عنهم) و عن جماعة من التابعین و الفقهاء و ذهبت الخوارج کلها و بعض اهل السنة و بعض المعتزلة و بعض المرجئة الی ان افضل الصحابة بعد رسول الله (صلی الله علیه وآله وسلم) ابو بکر و عمر (رضی الله تعالی عنهما)

ترجمہ؛۔ مسلمانوں نے اسمیں اختلاف کیا کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد کون افضل ہے۔ سو، بعض اہل سنت، بعض معتزلہ، بعض مرجئہ اور سارے شیعہ کا یہ مذہب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ اس امت میں سب سے افضل ہیں اور ہم نے یہ قول صحابہ اور تابعین وفقہاء کی ایک جماعت سے نصاً (تصریحاً) روایت کیا ہے۔ سارے خارجیوں، بعض اہل سنت اور بعض معتزلہ اور بعض مرجئہ کا یہ مذہب

ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر (رضی اللہ عنہما)، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سارے صحابہ سے افضل ہیں۔

ابن حزم کی تحقیق کے مطابق، جسکی تائید دوسری کتب عقائد میں بھی ملتی ہے، جنکے حوالہ جات بعد میں آرہے ہیں، حضرت ابوبکر صدیقؓ کی افضلیت متفقہ مسئلہ نہیں، جیسا کہ آئندہ حوالہ جات سے اور واضح ہو جائے گا اور یہ کہ مسئلہ افضلیت ضروریات دین میں سے بھی نہیں ہے جیسا کہ فقیر نے کتاب الاستذکار تصنیف ابن عبدالبر کے حوالہ جات سے مکمل واضح کر کے چھوڑا ہے۔ اور قطب الدین دہلوی مصنف مظاہر حق کے حوالہ جات سے اس مسئلہ کے غیر ضروری ہونے کو اچھی طرح ثابت کر دیا ہوا ہے گذشتہ اوراق میں وہ حوالہ جات دیکھے جاسکتے ہیں۔

نیز ان اہل سنت کو بھی اہل سنت کہہ کے ذکر کیا جا رہا ہے جو حضرت علی مرتضیٰؓ کو افضل سمجھتے ہیں۔ ان کو کسی نے شیعہ نہیں کہا کیونکہ شیعہ ہونے کا دارومدار عداوت شیخین پر ہے جو شخص حضرات شیخین (رضی اللہ عنہما) کو پورے کمالات سے مانتا بھی ہے اور ہر قول و عمل میں انکی پیروی بھی کرتا ہے اور انکی جملہ خدمات کو بھی تسلیم کرتا ہے تو ایسے میں اس کو غیر سنی ہونیکی تہمت دینا دور حاضر کی کرامت لگتی ہے کیونکہ یہ بات پیش ہوگی کہ حضرت زید بن علی بن الحسین (رضی اللہ عنہم) تابعین میں دوسرے سنی متکلم ہیں، اور وہ حضرت علی مرتضیٰؓ کو بعد از انبیاء سب سے افضل سمجھتے تھے اسکے باوجود وہ سنی رہنما مانے جاتے ہیں۔ نہ صرف وہ سنی مانے جاتے ہیں بلکہ امام ابوحنیفہؓ کی بیعت بھی انہی سے ہے اور تادم آخرین حضرت امام ابوحنیفہؓ اس بیعت پر ثابت قدم رہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ نے سنیت کے علمبردار ہو کر بیعت اُن

سے کی ہے جو حضرت علی مرتضیٰؓ کو سب سے افضل سمجھتے تھے۔ سو صاف ظاہر ہے کہ یہ مذہب امام ابو حنیفہؓ کے نزدیک سنیت سے خروج کے معنی دیتا تو امام ابوحنیفہؓ کبھی بھی اُن سے بیعت نہ کرتے۔

اسی کتاب الفصل فی الملل والاھواء والنحل ۴/۱۱۱ پر ابن حزم تحریر کرتے ہیں:

روينا نحو عشرين من الصحابة ان اكرم الناس على رسول الله (صلى الله عليه وآله وسلم) على بن ابى طالب و الزبير بن العوام (رضى الله تعالى عنهما) ترجمہ: ہم نے تقریباً بیس صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حضرت علی مرتضیٰؓ اور زبیر بن العوامؓ سب سے افضل ہیں۔

ان بیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جو جناب علی مرتضیٰؓ اور زبیر بن العوامؓ کو ساری امت سے افضل سمجھتے تھے، کسی صحابی یا تابعی یا تبع تابعی نے خارج از سنیت نہیں کہا تو دور حاضر کے جن دانشوروں نے ایسے لوگوں کو خارج از سنیت کہا ہے انکے پاس صرف بغض علی کی سند ہے۔

بغض علی سے باز آ اے وقت کے یزید
حب علیؓ کو دخل ہے تیری نجات میں (مؤلف)

اور جن لوگوں نے قادری کہلا کر انکی تائید و توثیق کی ہے وہ غالباً قادر آباد کے باشندے ہونیکی وجہ سے قادری کہلاتے ہیں۔ بیعت اس سے کی ہوئی ہے جو زندگی میں آٹھ تراویح ماہ رمضان میں پڑھتا پڑھتا مرا ہے۔ وہابیت کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل

چاہیئے ہوگی کہ وہ آٹھ تراویح پڑھے۔ مرید ہوا آٹھ تراویح پڑھنے والے کا اور ہر ماہ گیارھویں کی محالس جمائے، اسکا مقصد گیارھویں ہضم کرنا ہے، گیارھویں دینا نہیں ہے۔

امام المتکلمین امام زید رضی اللہ عنہ کا نظریہ

گذشتہ سطور میں فقیر نے عرض کیا کہ حضرت زید بن علی بن الحسین (رضی اللہ عنہم) سنی متکلمین میں سے تھے۔ لیجیئے ملاحظہ فرمایئے : استاذ ابو منصور عبدالقاہر بن طاہر اشعری اپنی کتاب ''اصول الدین'' ص ۳۰۷ پر حیز تحریر میں لاتے ہیں:

اول متکلمی اھل السنة من الصحابة علی بن ابی طالب (رضی اللہ تعالی عنه) لمناظرته الخوارج فی مسائل الوعد والوعید و مناظرته القدریة فی القدر و القضاء و المشیئة و الاستطاعة .

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے پہلے سنی متکلم ہیں کیونکہ انہوں نے مسائل وعد و وعید میں خوارج سے مناظرہ فرمایا اور قدریہ سے قضاء و قدر میں اور مشیت و استطاعت میں مناظرہ فرمایا۔

اور تابعین میں سے سنی متکلمین میں سے پہلے نام لیا جناب عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا اور دوسرا نام لیا جناب زید بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب (علی جدہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) کا، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

ثم زید بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب (رضی اللہ تعالی عنهم) و له کتاب فی الرد علی القدریة من القرآن .

ترجمہ:۔ تابعین میں دوسرے متکلم جناب زید بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب

(رضی اللہ عنہم) ہیں اور انکی ایک کتاب ہے جو قرآن سے قدریہ کی تردید پر مشتمل ہے۔

حضرت زید بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب کے ایک سنی ماہر متکلم ہونے پر ایک اور حوالہ ملاحظہ فرمایئے۔ ''الفرق بین الفرق'' تصنیف عبدالقاہر بن طاہر بن محمد البغدادی الاسفرائنی متوفی ۴۲۹ھ ص ۳۶۳ پر تحریر فرماتے ہیں:

اول متکلمی اھل السنة من التابعین عمر بن عبدالعزیز و له رسالة بلیغة فی الرد علی القدریة ثم زید بن علی زین العابدین (رضی اللہ عنهم) له کتاب فی الرد علی القدریة .

ترجمہ: پہلے سنی تابعی متکلم حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کا ایک نہایت بلیغ رسالہ قدریہ کے رد میں موجود ہے پھر جناب زید بن علی، زین العابدین رضی اللہ عنہ ہیں جنکی ایک کتاب قدریہ کے رد میں ہے۔

الغرض یہ بات مسلمات میں سے ہے کہ جناب زید بن علی بن الحسین بن علی رضی اللہ عنہم بن ابی طالب ایک چوٹی کے تابعی سنی متکلم ہیں۔ جنکا سنی ہونا اور تابعی ہونا اور چوٹی کا سنی متکلم ہونا اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا شیخ ہونا مسلمات میں سے ہیں۔ اُن کا سنی، تابعی اور متکلم ہونا آپ کے سامنے معتبرات اہل سنت سے ثابت کیا جا چکا۔ اب یہ دیکھنا ہوگا کہ آپ کا عقیدہ کیا تھا اور آپ سے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کہاں سے ثابت ہے؟۔

امام عبدالکریم شہرستانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الملل والنحل ۱۔۱۵۵ صفحہ پر رقمطراز ہیں:

کان مذهبه جواز امامة المفضول مع قیام الافضل، فقال کان علی بن ابی طالب افضل الصحابة الا ان الخلافة فوضت الی ابی بکر

لمصلحة را وها و قاعدة دينية راعوها

ترجمہ:۔انکا مذہب یہ تھا کہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی امامت درست ہے،سوانہوں نے کہا"علی ؓ بن ابی طالب سب صحابہ سے افضل تھے مگر یہ کہ خلافت ابوبکر صدیق ؓ کوسونپی گئی (وہ کسی) مصلحت کے تحت تھی جسکو انہوں نے مدنظر رکھا اور کسی قاعدہ دینیہ کے مطابق تھی جسکی انہوں نے پابندی کی۔

خلاصہ یہ کہ وہ حضرت علی مرتضیٰ ؓ کی مکمل افضلیت کے مدعی تھے اسکے باوجود وہ سنی تھے۔اب یہ دیکھنا چاہیں گے کہ حضرت امام ابوحنیفہ ؓ نے ان سے بیعت کی یا نہ کی۔عبدالکریم شہرستانی اپنی کتاب کے ا۔۱۵۸ صفحہ کو زیور تحریر سے آراستہ فرماتے ہیں:

وكان ابو حنيفة على بيعته و من جملة شيعته حتى رفع الامر الى المنصور فحبسه حبس الا بد حتى مات فى الحبس

ترجمہ: حضرت امام ابوحنیفہ انکی (زید بن علی کی) بیعت پر ثابت قدم تھے اور ان (زید بن علی ؓ) کے شیعہ میں سے تھے حتیٰ کہ معاملہ المنصور عباسی تک پہنچایا گیا،تو اسے زندگی بھر کی قید دے دی یہاں تک کہ جیل ہی میں واصل باللہ ہوئے۔

اب بتائیے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو سنی شیعہ میں تمیز نہیں تھی؟اگر افضلیت علی مرتضیٰ ؓ کے عقیدے کو سنی شیعہ میں فصل تسلیم کرتے تو زید بن علی بن الحسین (رضی اللہ عنہم) کو شیعہ سمجھتے اور شیعہ سمجھتے تو بیعت کیسے کرتے اور اگر ایسی حالت میں بیعت کر لیتے تو عالم سنیت انہیں اپنا امام کیسے سمجھتا؟

یہ کہنا بھی کیسے ممکن ہوگا کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی افضلیت پر اجماع

ہو گیا تھا؟اگر اجماع ہوا ہوتا تو جناب امام ابوحنیفہ ؓ کو پہلے پتہ ہوتا یا چوتھی پانچویں صدی ہجری کے لوگوں کو پہلے پتہ ہوتا؟

آپ نے ابن حزم کی کتاب **الفصل فی الملل ولا هوا و النحل** ج۴۔۱۱۱ کے حوالے سے پڑھ لیا ہے۔بعض سنی حضرت علی مرتضیٰ ؓ کو افضل سمجھتے تھے اور بعض جناب ابو بکر صدیق ؓ کو افضل سمجھتے تھے مگر جو اہل سنت جناب علی مرتضیٰ ؓ کو افضل سمجھتے تھے انہیں کسی نے نہ ہی شیعہ کہا اور نہ ہی سنیت سے خارج کیا جسکا مطلب یہ ہوگا کہ افضلیت ابوبکر صدیق ؓ کا واجب ہونا دور حاضر کی بدعت ہے۔یہ بھی ایک بدعتی فرقہ ہوگا۔

نیز آپ نے کتاب **الملل و النحل** تصنیف عبدالکریم شہرستانی کے حوالہ جات بھی ملاحظہ فرمائے جس میں درج ہے کہ سید زید بن علی،حضرت علی مرتضیٰ (رضی اللہ عنہم) کو افضل الصحابہ اعتقاد کرتے تھے اور امام ابوحنیفہ ؓ نے یہ جانتے ہوئے ان سے بیعت بھی کی اور اسپر ثابت قدم بھی رہے،جب ان سے بیعت کی تو نماز بھی انکے پیچھے ضرور پڑھی ہوگی،اگر نماز ہوتی ہوگی تو پڑھتے ہوں گے۔معلوم ہوا کہ افضلیت علی ؓ کا عقیدہ رکھنے والے کے پیچھے نماز پڑھنے میں کوئی امر مانع نہیں۔وہ گستاخ صحابہ نہ ہو اور اطاعت و اتباع شیخین کو ناگزیر سمجھتا ہو۔جیسا کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اپنے فتاویٰ عزیزیہ میں درج فرمایا ہے اور آخر میں حضرت علی مرتضیٰ ؓ یا ابو بکر صدیق ؓ کے اختلاف افضلیت کو اسطرح قرار دیا ہے۔جسطرح اشاعرہ اور ماتریدیہ کا اختلاف ہے۔اہل علم کے نزدیک اشاعرہ اور ماتریدیہ کے درمیان حق دائر مانا جاتا ہے جسکا معنی یہ ہوتا ہے دونوں حق ہیں۔ان میں سے جسکو بھی اختیار کیا جائے حق

ہے۔فرق ہوگا تو اولیٰ اور غیر اولیٰ کا ہوگا۔جیسا کہ نفل بیٹھ کر پڑھنے اور کھڑا ہو کر پڑھنے میں حق دائر ہے مگر کھڑا ہو کر پڑھنا اولیٰ ہوگا۔یا جسطرح حالت سفر میں روزہ رکھنا اور نہ رکھنا دونوں جائز ہیں۔دونوں باتوں میں حق دائر ہے مگر روزہ رکھنا اولیٰ ہے۔

استاذ ابوزہرہ مصری کی تحقیق

استاذ ابوزہرہ مصری اپنی کتاب ''حیات حضرت امام ابوحنیفہ ؓ'' مترجم اردو صفحہ ۱۸۰ پر نقش زیب قرطاس فرماتے ہیں؛۔یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی ؓ کے افضل الصحابہ رضی اللہ عنہم ہونے کے عقیدے میں شیعہ منفرد نہ تھے بلکہ بعض صحابہ بھی اسکے قائل تھے۔چنانچہ (۱) عمار بن یاسر (۲) مقداد بن الاسود (۳) ابوذر غفاری (۴) سلمان فارسی (۵) جابر بن عبداللہ انصاری (۶) اُبی بن کعب (۷) حذیفہ (۸) بریدہ (۹) ابوایوب انصاری (۱۰) سہل بن حنیف (۱۱) عثمان بن حنیف (۱۲) ابوالہیثم (۱۳) خزیمہ بن ثابت (۱۴) ابو الطفیل (۱۵) عامر بن واثلہ (۱۶) عباس بن عبدالمطلب انکے بیٹے اور تمام بنی ہاشم تفضیل علی کا عقیدہ رکھتے تھے۔

بنو امیہ میں بھی بعض لوگ اسکے قائل تھے۔ مثلاً خالد ؓ بن سعید بن عاص، عمر بن عبدالعزیز ؓ (تابعین میں پہلے سنی متکلم تھے۔جبکہ علی مرتضیٰ ؓ کو افضل سمجھتے تھے۔اگر یہ امر سنیت سے اخراج کے معنی دیتا تو وہ سنی متکلم کیسے ہوتے؟)

شیعہ کے مختلف درجات تھے۔بعض حضرت علی ؓ کی تعظیم و تکریم میں مبالغہ آمیزی سے کام لیتے بعض اعتدال پسند تھے۔مؤخر الذکر عقیدہ کے حامل شیعہ حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کو تمام صحابہ سے افضل سمجھتے مگر کسی کی تکفیر نہ

کرتے۔استاذ ابوزہرہ پروفیسر جامعہ ازہر مصر کے بیان سے یہ بات سامنے آ گئی کہ افضلیت علی مرتضیٰ ؓ کا عقیدہ شیعہ کا منفرد عقیدہ نہ تھا بلکہ صحابہ کی بھاری تعداد (جو بنی عباس اور جملہ ہاشمیوں سے بنتی ہے جو مدینہ شریف کی غالب اکثریت بنتی ہے) افضلیت علی مرتضیٰ ؓ کا عقیدہ رکھتی تھی جنہیں سنیت سے خارج نہ کیا گیا نہ ہی بدعتیت کی انکی طرف منسوب کی گئی۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ مسئلہ تفضیل ناقابل نزاع تھا۔کیونکہ یہ ضروریات دین میں سے بھی نہ تھا۔نیز اسمیں حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی افضلیت کسی اور پہلو سے اور جناب علی مرتضیٰ ؓ کی افضلیت کسی اور پہلو سے تسلیم کی جائے یہ مسئلہ بالکل نزاعی رہتا بھی نہیں۔

جیسا کہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی قادری نے تکمیل الایمان ص ۵۷ پر لکھا ہے:

گفتہ است کہ ابو بکر خیر من علی و علی افضل من ابی بکر، اگر مراد خیریت ابو بکر از وجھی است و افضلیت علی از وجھی پس این سخنی است بیرون از دائرہ اختلاف و خارج از محل نزاع۔

(ترجمہ)(خطابی نے) کہا ہے ابوبکر ؓ علی ؓ سے اچھے ہیں اور علی ؓ ابوبکر ؓ سے افضل ہیں۔اگر انکی مراد یہ ہو کہ ابوبکر ؓ کی اچھائی کسی اور وجہ سے ہے اور افضلیت علی کسی اور وجہ سے ہے۔تو یہ مسئلہ دائرۂ اختلاف سے باہر ہے اور محل نزاع سے خارج ہے۔

اجماع کا پس منظر

اب اس اجماع کا پس منظر واضح کرنیکی ضرورت ہے جو روزانہ کی بول چال میں ایک حقیقت عرفیہ بن گیا ہوا ہے۔امام استاد ابومنصور عبدالقاہر بن طاہر تمیمی

بغدادی متوفی ۴۲۹ھ اپنی کتاب ''اصول الدین'' ۲۹۳ص پر تحریر فرماتے ہیں:

فقال ابو الحسن الاشعری (المتوفیٰ ۳۳۰ھ) یجب ان یکون الامام افضل اھل زمانہ فی شروط الامامۃ ولا ینعقد الامامۃ لاحد مع وجود من ھو افضل منہ فیھا فان عقدھا قوم للمفضول کان المعقود لہ من الملوک دون الائمۃ . ولھذا قال فی الخلفاء الاربعۃ افضلھم ابو بکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی و اختار شیخنا ابو العباس القلانسی جواز عقد الامامۃ للمفضول اذا کانت فیہ شروط الامامۃ مع وجود الافضل منہ. وبہ قال الحسین بن فضل ومحمد بن اسحاق بن خزیمۃ و اکثر اصحاب الشافعی .

ترجمہ: ابوالحسن اشعری نے کہا؛ کہ شروط امامت میں، امام کا افضل اہل زمانہ ہونا ضروری ہے، اگر قوم کسی مفضول (غیر افضل) کو امام بنالے تو جسکو امام بنایا گیا ہوگا وہ بادشاہ ہوگا، خلیفہ نہیں ہوگا۔ بنا بریں، اسنے خلفائے اربعہ کے بارے میں کہا ہے کہ سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق ہیں پھر حضرت عمر، حضرت عثمان پھر حضرت علی افضل ہیں (رضی اللہ عنہم)۔ ہمارے استاد ابوالعباس قلانسی نے مفضول (غیر افضل) کی امامت کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ باوجود افضل کے موجود ہونے کے۔ بشرطیکہ اس میں شروط امامت پائی جائیں۔ اور یہی بات حسین بن الفضل محمد بن اسحاق بن خزیمہ اور اکثر شوافع نے کہی ہے۔

علامہ عبدالقاہر بن طاہر بغدادی اشعری ہیں اور امام ابوالحسن اشعری کے نظریہ اجماع کی وضاحت کرتے ہیں کہتے ہیں امام ابوالحسن کا عقیدہ یہ ہے کہ افضل کے

ہوتے ہوئے مفضول (غیر افضل) کی امامت درست نہیں بلکہ اس طور پر۔ افضل کی موجودگی میں غیر افضل کو خلیفہ بنایا جائے تو وہ خلیفہ، خلیفہ نہیں ہوگا بلکہ بادشاہ قرار پائے گا لہٰذا جسکو خلیفہ بنایا جائے وہ پوری قوم سے افضل ہوگا۔ منطقی شکل یہ بنے گی، اور یہ شکل اول ہوگی جس کو منطقی لوگ برابابا کہتے ہیں۔

(صغریٰ): حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا۔

(کبریٰ): اور ہر وہ شخص جسکو خلیفہ بنایا جائے افضل ہوگا

نتیجہ منطقیہ: لہٰذا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل ہوئے۔

چونکہ صحت نتیجہ کیلئے صحت صوری بھی چاہیے اور صحت مادی بھی۔ یعنی جو مضمون مقدمات میں بیان کیا جائے وہ خارج میں بھی اسی طرح ہو تو نتیجہ درست ہو گا۔ چونکہ اس میں صغریٰ سچا ہے کہ جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا (یہ بات حق ہے واقعہ میں سچی بات ہے) مگر کبریٰ ایک غیر واقعی مفروضہ ہے لہٰذا یہ صورت عقیم رہے گی۔ امام ابوالحسن اشعری نے ترتیب خلافت کو ترتیب افضلیت کیلئے استعمال کیا ہے جس پر ان کے اپنے شاگردوں اور دوسرے اشاعرہ نے ان سے اتفاق نہیں کیا۔

ابوالعباس قلانسی نے جو عبدالقاہر بغدادی کے استاذ ہیں، غیر افضل کی امامت کو جائز قرار دیا ہے۔ اور حسین بن الفضیل ومحمد بن اسحاق بن خزیمۃ نے اور اکثر شوافع نے امامت مفضول کو جائز قرار دینے میں ابو العباس قلانسی کی تائید کی ہے۔ بشرطیکہ مفضول میں شروطِ استحقاقِ امامت موجود ہوں۔ جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ امام ابوالحسن اشعری نے جس قاعدے کو بنیاد قرار دیکر ترتیبِ افضلیت پر ترتیب خلافت

کا نتیجہ اخذ کیا ہے، وہ سراسر بے بنیاد ہے۔

امامت کے لئے افضلیت کا عقیدہ روافض اور بعض معتزلہ کا مذہب ہے۔روافض کا تو خلافت کے بارے میں سب سے بڑا اعتراض یہی ہے کہ جناب علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ افضل تھے۔لہٰذا انکو چھوڑ کر جنابِ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا ہے۔لہٰذا خلافت منعقد نہیں ہوئی۔

معتزلہ: **قال النظام والجاحظ ان الامامة لا يستحقها الا الافضل** (اصول الدین تصنیف عبدالقاہر بغدادی ص ۲۹۳) (نظام و جاحظ معتزلیان نے کہا کہ امامت کا وہی حقدار ہے جو سب سے افضل ہے)

امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے ترتیبِ افضلیت کی بنیاد جس چیز پر رکھی ہے وہ اہل سنت کا عقیدہ ہی نہیں ہے۔امام ابوالحسن اشعری افضلیت پر اجماع ہونے کے مدعی ہو کر افضلیت کے قطعی ہونے کے مدعی ہیں۔شیخ امام ابوالحسن اشعری کی اس رائے کے بارے میں ہم اشاعرہ کے ائمہ پیش کرتے ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اکنوں سخن درآن ماندکه مسئله ترتیب افضلیت یقینی است که برهان قاطع برآن گذشته،چنانچه ترتیب خلافت؟ یاظنی است که دلیل آن امارات وقرائن است که برجحان واولویت رساند؟ بعض برانندکه قطعی است ومختارنزداکثرمحققین آن است که ظنی است،امام الحرمین درارشادبعدازاثبات خلافت علی الترتیب بطریق سوال

میگویند،بعضے ازصحابه راتفضیل می دهندبربعضے دیگربادرمسئله تفضیل وتفضیل آن سکوت واعراض مے کنندجوابش میگویدکه بنائے مسئله تفضیل برآن است که امارت مفضول باوجودفاضل جائزنباشد،ومعظم اهل السنت والجماعت برآننکه امام افضل بایدولیکن اگر نصب وے موجب ثوران وهرج ومرج هیجان فتنه وفسادگردد ونصب مفضول برتقدیراهلیت واستحقاق اومرامامت راباجماع شرائط آن ا زقرشیت وعلم بحلال وحرام ومصالح ومهام دین واسلام وورع وعدالت وشهادت وکفایت جائزباشد.میگویدکه نزدمن این مسئله یعنی اولویت نصب افضل قطعی نیست (تکمیل الایمان ص ۵۸)

ترجمہ:۔اب بات یہ رہ جاتی ہے کہ کیا مسئلہ ترتیبِ افضلیت یقینی ہے کہ اس پر کوئی دلیل قطعی گزری ہو جیسا کہ ترتیب خلافت ہے؟ یا ظنی ہے؟ کہ جسکا ثبوت صرف قرائن وعلامات ہوں جو اسکو (افضلیت کو) راجح یا اولی تک پہنچاتی ہوں؟ (جواباً کہتے ہیں) بعض علماء یہ رائے رکھتے ہیں کہ (یہ ترتیبِ افضلیت) قطعی ہے اور اکثر محققین کے نزدیک (ترتیب افضلیت) ظنی ہے۔امام الحرمین اپنی کتاب ''ارشاد'' میں خلافت کو حسب ترتیب ثابت کرنے کے بعد بطورِ سوال کہتے ہیں۔اب کیا کہتے ہیں (علمائے کرام) بعض صحابہ کو بعض دوسرے صحابہؓ پر فضلیت دیتے ہیں، یا مسئلہ تفضیل اور اسکی تفضیل سے اعراض کرتے ہیں۔اسکا جواب (بقول شاہ عبدالحق محدث دہلوی، امام الحرمین) یوں دیتے ہیں کہ مسئلہ تفضیل کی بنیاد اس پر ہے کہ امامتِ مفضول، فاضل کی

موجودگی میں جائز نہیں ہوتی۔ اکثر اہل السنّت والجماعت کی رائے یہ ہے امام افضل ہونا چاہیے۔لیکن اسکے امام مقرر کرنے سے افراتفری پیدا ہو اور فتنہ وفساد برپا ہوجائے تو اسکے امامت کا مستحق ہونے پر اور صفاتِ امام وشرائط پر پورا اترنے پر جو کہ قریشی ہونا ہے۔حلال وحرام کا عالم ہونا ہے، اور دین واسلام کی مہمات ومصالح کا جاننا ہے۔تقویٰ وپرہیزگاری کا ہونا ہے، بہادری اور عدالت کا ہونا ہے۔(دیگر صلاحیات کا جامع ہونا) (اگر یہ شرائط پائی جائیں) تو مفضول کی امامت بھی درست ہے۔نیز وہ (امام الحرمین، امام غزالی کے استاد) کہتے ہیں۔میرے نزدیک یہ مسئلہ یعنی افضل امام کے نصب کا اولی ہونا یقینی اور قطعی نہیں ہے۔

چند سطور آگے چل کر شاہ عبدالحق محدث دہلوی امام الحرمین کا محاکمہ نقل کرتے ہیں:

پس صحیح آنست که درامامت وخلافت افضلیت شرط نیست پس امامت دلیل افضلیت نتواند بود ونزد ما دلیل دیگر نیست که قاطع بود ودلالت کند بر تفضیل بعضی بر بعضی (تکمیل الایمان ص ۵۸) پس صحیح ہے کہ امامت وخلافت میں افضلیت شرط نہیں۔لہذا امامت دلیل افضلیت نہیں ہوسکتی۔اور ہمارے پاس کوئی دوسری دلیل نہیں جو قطعی ہو۔اور ایک امام کے دوسرے امام سے افضل ہونے پر دلالت کرے۔

مزید اسی مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

چه عقل رابدرک حقیقت راه نیست واخبارکه درفضائل ایشان ورودیافته متعارض اند پس جز توقف وسکوت سبیلے نباشد۔

ترجمہ: کیونکہ اس حقیقت (افضلیت بعض بر بعض) کو ادراک کرنے کے لیے عقل کو

کوئی راستہ نہیں ملتا اور وہ احادیث جو انکے فضائل میں آئی ہیں آپس میں ٹکراتی ہیں اس لیے سوائے رک جانے اور خاموشی اختیار کرنے کے کوئی دوسرا راستہ نہیں ملتا۔

امام ابوالحسن اشعریؒ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی افضلیت کے قطعی ہونے کے مدعی ہیں۔شاہ عبدالحق محدث دہلوی قادری موسوی تکمیل الایمان ص ۶۰ پر تحریر فرماتے ہیں:

شیخ ابوالحسن اشعری تصریح بدان کرده که تفضیل ابوبکر ؓ برسائر صحابه قطعی است وقاضی ابوبکر باقلانی میگوید که ظنی است ومختار امام الحرمین درارشاد نیز همی است وصاحب مفهم درشرح مسلم جزم بظنیت آن کرده۔

ترجمہ: شیخ ابوالحسنؒ اشعری نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی باقی صحابہ پر افضلیت قطعی ہے۔قاضی ابوبکر باقلانی کہتے ہیں کہ ظنی ہے اور "ارشاد" (امام الحرمین کی کتاب کا نام ہے) میں امام الحرمین کا مختار یہی ہے۔(افضلیت کا ظنی ہونا مختار ہے) اور صاحب مفہم (قاضی قرطبی نے) مسلم کی شرح میں اسی بات پر جزم کیا ہے۔ظاہر ہے کہ اگر اجماع ہوا ہوتا تو اسمیں ظنیت کی کیا گنجائش تھی (اجماع نصی تام مفید قطعیت ہوتا ہے، اسکا منکر تو کافر ہوتا ہے جیسا کہ اصول کی ساری کتب وضاحت کرتی ہیں)۔

شاہ عبدالحق محدث دہلوی تکمیل الایمان صفحہ نمبر ۶۱ پر رقمطراز ہیں:

اجماعیکه درین جاست برهمیں افضلیت ظنیه است واهل اجماع نیز قطع بآن نکرده اند۔

ترجمہ؛۔وہ اجماع جواس جگہ ہواہے وہ یہی افضلیت ظنیہ پر ہواہے اوراہل اجماع نے بھی اس میں قطعیت کا حکم نہیں لگایا۔

بقول شاہ عبدالحق محدث دہلوی ،دعویٰ اجماع درست ہے مگر وہ اجماع افضلیت پرنہیں ہوا بلکہ افضلیت کے ظنی ہونے پر ہوا ہے۔

اب اس موقع پرامام ابوالحسن اشعری دعویٰ اجماع پرافضلیت قطعیہ کے مدعی ہیں۔بہتر یہ ہوگا کہ انکی اپنی کتاب کے اقتباسات پیش کیے جائیں جن میں وہ دعویٰ اجماع برائے افضلیت قطعیہ کرتے ہیں (یعنی حضرت ابوبکرصدیق ؓ قطعی طور پر ساری امت اورصحابہ واہل بیت سے افضل ہیں)۔

اذا وجبت امامة ابی بکر (رضی اللہ عنہ) بعد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وجب انہ افضل المسلمین (الا بانہ عن اصول الدیانۃ (۲.۲۵۵ ص) تصنیف امام ابو الحسن اشعری۔

ترجمہ؛۔جسوقت حضرت ابوبکرصدیق ؓ کی امامت ،سرکاردوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد منعقد ہوگئی تو یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ وہ (ابوبکر ؓ) ساری امت سے افضل ہیں۔

بتلایئے کہ یہ اجماع کی بناوٹ ہے؟افضلیت کی حمایت میں کون کون سے مجتہدین شامل ہوئے؟ داعی اجماع کونسی حجت شرعیہ تھی؟اجماع کی کونسی قسم منعقد ہوئی،نصی یاسکوتی یااجماع مرکب؟ ہم انشاء اللہ اجماع کی بحث چھیڑیں گے تو بڑی سیر حاصل بحث ہوگی اگر کوئی شخص انصاف اورخدا پرستی کی بنیاد پر مطالعہ کرے گا تو خیر کثیر حاصل ہوگا۔

نیز اگر ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ اجماع کے بارے میں جزم رکھتے تو اہل سنت کے کئی گروہ دربارہ افضلیت اپنی ہی کتاب میں پیش نہ فرماتے، لیجیے ''مقالات الاسلامیین'' ۲۔۱۴۷،تصنیف امام ابوالحسن اشعری کی عبارت ملاحظہ ہو:

قولهم فی افضل الناس بعد الرسول : و اختلفوا فی ا لتفضیل:.

(۱) فقال قائلون: افضل الناس بعد رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم، ابو بکر، ثم عمر ثم عثمان ثم علی

(۲) وقال قائلون: افضل الناس بعد رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم: ابو بکر، ثم عمر ثم علی ثم عثمان

(۳) قال قائلون:،نقول:. ابو بکر ثم عمر ثم عثمان ثم نسکت بعد ذالک

(۴) قال قائلون: افضل الناس بعد رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم علی ثم بعده ابو بکر

ترجمہ:''انکے (اہل سنت کے) اقوال دربارہ افضل امت بعداز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''انہوں نے تفضیل کے بارے میں اختلاف کیا''

(۱) (ایک طبقے کے) کہنے والوں نے کہا؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد،سب امت سے افضل،ابوبکرصدیق پھرعمر پھرعثمان پھرعلی ہیں۔(رضی اللہ عنہم)

(۲)(دوسرے طبقے نے) کہا؛رسول اللہؐ کے بعد ساری امت سے افضل ابوبکر، پھر عمر،پھر علی، پھرعثمان ہیں۔(رضی اللہ عنہم)

(۳)(تیسرے طبقے نے) کہا؛ ہم کہتے ہیں ابوبکر پھرعمر پھرعثمان (رضی اللہ عنہم) پھر

اسکے بعد چپ کر جاتے ہیں۔

(۴) (چوتھے طبقے نے) کہا؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب امت سے افضل علی ؓ ہیں اور پھر انکے بعد ابو بکر ؓ ہیں۔

اب حضرت امام ابو الحسن اشعری کے دعویٰ اجماع اور افضلیت کے قطعی ہونے کا فیصلہ خود کر لیجئے۔ اگر اجماع نصی تام ہوتا تو دلیل قطعی ہوتا تو اسکا منکر کافر ہوتا کیونکہ اس صفت کا اجماع دلیل قطعی ہوتا ہے اور ایسے اجماع سے افضلیت ثابت ہوئی ہوتی تو افضلیت قطعی ہوتی اور افضلیت کا منکر کافر ہوتا، امام ابو الحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کا اہل سنت کے یہ طبقے بنانا جن میں چوتھا طبقہ اہل سنت کا وہ بھی ہے جو حضرت علی مرتضیٰ ؓ کو حضرت ابو بکر صدیق ؓ سے افضل بھی سمجھتا ہے اور سنی بھی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بقول امام ابو الحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کے جناب علی مرتضیٰ ؓ کو حضرت ابو بکر صدیق ؓ سے افضل جاننے والا سنیت سے خارج نہیں ہوتا۔

عالم اسلام میں حضرت ابو الحسن اشعریؒ متوفی ۳۳۰ھ سے پہلے کوئی امام عقیدہ افضلیت کے قطعی ہونے کا دعویدار نہیں گزرا جیسا کہ شاہ عبد الحق محدث دہلویؒ نے اپنی تکمیل الایمان ص ۶۰ میں اسکی وضاحت فرمائی ہے۔ اور امام ابن حجر مکیؒ نے اپنی کتاب صواعق محرقہ ص ۵۶ پر بعینہٖ یہی وضاحت فرمائی ہے۔ اور بتایا ہے کہ امام ابو الحسن اشعری نے حضرت ابو بکر صدیق ؓ کی افضلیت انکے سوا پر قطعی قرار دی ہے۔ اور ساتھ ہی بتایا کہ انکے متبعین میں سے کسی نے بھی ان کے اس قول کی حمایت نہیں کی۔ ''ابو بکر باقلانی'' نے بھی افضلیت کو ظنی قرار دیا ہے اور امام الحرمین (امام غزالیؒ کے استاد) نے بھی اس قول کی تردید کی اور بتایا کہ افضلیت ظنی ہے اور اس

سلسلہ تحقیق کے مشہور علمبردار قاضی قرطبی صاحبِ مفہم (شرح مسلم) نے بھی افضلیت کے ظنی ہونے پر جزم کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ امام ابو الحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کی افضلیت کے قطعی ہونیکی رائے کو ان کی اپنی جماعت کے کسی فرد نے تسلیم نہیں کیا۔

افضلیت کے ظنی ہونے کی تائید میں، امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ، صواعق محرقہ ص ۵۶ اور شاہ عبد الحق محدث دہلوی قادری موسوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تکمیل الایمان ص ۶۰ پر علی الترتیب المذکور رقمطراز ہیں:

ذکر عبدالرزاق عن معمر قال لو ان رجلاقال: عمر افضل من ابی بکر، ما أعنفه وکذالک لو قال : علی عندی افضل من ابی بکر و عمر لم أعنفه اذا ذکر فضل ا لشیخین و احبّهما، و اثنی علیهما بما هما ا هله، فذکرت ذالک لو کیع فا عجبه و اشتهاه.

امام عبدالرزاق نے معمر کے حوالے سے ذکر کیا (انہوں نے کہا۔ معمر نے کہا: اگر کوئی شخص کہہ دے عمر ؓ ابو بکر ؓ سے افضل ہیں تو میں اس سے سختی نہیں کرتا (بدعقیدہ قرار دیکر ڈانٹ ڈپٹ نہیں کرتا) اسی طرح اگر کوئی یہ کہدے: علی ؓ میرے نزدیک ابو بکر ؓ وعمر ؓ سے افضل ہیں تو میں اس پر (بھی) سختی نہیں کرتا۔ (یعنی بدعقیدہ جان کر غیر سنی سمجھ کر ڈانٹ ڈپٹ نہیں کرتا) جبکہ شیخین کے فضائل بیان کرے اور ان سے محبت کرے اور انکی شان کے لائق تعریف کرے (امام عبدالرزاق کہتے ہیں کہ) یہی بات میں نے وکیع رحمۃ اللہ علیہ سے کی تو انھیں اچھی لگی اور انہوں نے پسند کی)

از عبدالرزاق نقل کردہ است کہ معمر گفتہ کہ اگر مردے گوید کہ عمر از ابو بکر افضل است منعش نکنم و باوے درشتی نکنم

واگر علی را فاضل ترازابوبکروعمرگویدنیزباوے درشتی نکنم واگربه تفضیل شیخین معترف آیدوباایشان محبت داردودادمدح وثنائے ایشان بدانچه اهل ومستحق آنند دهد؛پس عبدالرزاق میگویدکه این ازمعمربوکیع نقل کردم اورانیزخوش آمدوتحسین کرد۔(تکمیل الایمان۔٦٠)

ترجمہ؛(علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے) امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے؛معمر نے کہا: اگر کوئی شخص کہدے؛ جناب عمرؓ حضرت ابوبکرؓ سے افضل ہیں تو میں اسکو نہیں روکتا اور اس سے سختی نہیں کرتا اور اگر جناب علی مرتضیٰؓ کو حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمرؓ سے افضل کہے تو بھی میں اس سے سختی نہیں کرتا اور شیخین کریمین کی افضلیت کا اعتراف کرے اور ان سے محبت رکھے اور انکی مدح وثناء کی وہ داد دے جو انکی شان کے لائق ہے اور استحقاق کے مطابق (تو بھی میں منع نہیں کرتا)

اگر ترتیب افضلیت بحسب ترتیب خلافت ضروری عقیدہ ہوتا تو اسکے خلاف کرنا عقیدہ صحیحہ کی مخالفت ہوتی ،اگر حضرت عمرؓ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ سے افضل جاننا اور علی مرتضیٰؓ کو شیخین کریمین سے افضل جاننا عقیدہ اہل سنت کے خلاف ہوتا تو اسکے روکنے سے معمر کا باز رہنا معصیت ہوتی معصیت سے روکنا واجبات شرعیہ میں سے ہے۔

من رایٰ منکم منکراًفلیغیره بیدہٖ فان لم یستطع فبلسانہٖ فان لم یستطع فبقلبہٖ فذالک اضعف الایمان.

ترجمہ؛۔جو شخص تم میں سے کسی بدی کو دیکھے اسکو چاہیے کہ اسکو اپنے ہاتھ سے روکے

اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے روکے اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو دل سے (برا جانے) سو یہ سب سے کمزور ایمان ہے)۔

یہ کیسے ممکن تھا کہ ائمہ حدیث جنکی سینکڑوں سے زیادہ احادیث امام بخاری نے لی ہیں، وہ سنیت کے اجماعی عقیدے کی خلاف ورزی دیکھتے اور نہ روکتے بلکہ امام وکیع نے نہ صرف اسکو مباح سمجھا بلکہ اسکو یہ رائے اچھی بھی لگی اور انہوں نے اسکو پسند بھی کیا۔

صواعق محرقہ کے اسی ص۵۲ پر امام عبدالرزاق کی عبارت بحوالہ معمر لکھنے کے بعد خطابی کی ایک عبارت نقل فرمائی؛**ابو بکر خیر و علی افضل.**
ترجمہ؛۔ابوبکرؓ اچھے ہیں اور علیؓ افضل ہیں۔

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے خطابی کی اسی عبارت کو تکمیل الایمان ص۵۷ پر یوں نقل کیا ہے:**ابو بکر خیر من علی و علی افضل من ابی بکر** ترجمہ؛حضرت ابوبکر صدیقؓ جناب علی مرتضیٰؓ سے اچھے ہیں اور جناب علی مرتضیٰؓ جناب ابوبکر صدیقؓ سے افضل ہیں۔

امام ابن حجر مکی نے خطابی کی اس عبارت سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ افضلیت ظنی ہے مگر شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے اس عبارت کی جناب ابوبکر صدیقؓ اور جناب علی مرتضیٰؓ پر تطبیق کی ہے۔وہ فرماتے ہیں:

اگر مراد خیریت ابو بکر از وجهے است و افضلیت علی از وجهے دیگر پس این سخنے است بیرون از دائره خلاف و خارج از محل نزاع

ترجمہ:۔ اگر جناب ابو بکر صدیقؓ کی خیریت سے مراد کسی ایک وجہ سے خیر ہونا ہو اور جناب علی مرتضیٰؓ کا افضل ہونا کسی اور وجہ سے ہو تو یہ بات دائرہ خلاف اور محل نزاع سے خارج ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ شاہ عبدالحق محدث کو یہ بات جائز نظر آئی کہ جناب ابو بکر صدیقؓ کسی اور وجہ سے افضل ہوں اور جناب علی مرتضیٰؓ کسی اور وجہ سے افضل ہوں۔ اب افضلیت مطلقہ کے مدعی کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا جس نے افضلیت کے ساتھ مطلقہ کی قید بڑھائی جو ہمارے اسلاف کے ریکارڈ میں نہیں ملتی۔

امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق

چونکہ امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے خطابی کا حوالہ دیا مگر پوری عبارت اتفاق سے نقل نہ کی جا سکی۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خود خطابی کا بھی تعارف کرایا جائے تا کہ خطابی کی بات سمجھنے میں مدد ملے اور انکی وہ اصل عبارت بھی نقل کی جائے۔

خطابی، ابو سلیمان، احمد بن محمد، جناب عمر بن خطابؓ کی اولاد میں سے ہیں شافعی المذھب علاقہ افغانستان شہر بست کے رہنے والے ہیں آپ کی علم حدیث میں بہت ساری تصنیفات ہیں۔ آپ کا وصال ۳۸۸ھ میں ہوا۔ آپ کی کتاب "معالم السنن" "شرح سنن ابی داوٗد" کا حوالہ ج ۴ ص ۲۸۰ ص پر ہے۔ عبارت یہ ہے:

قلت : وللمتأ خرين فى هذا مذاهب ، منهم من قال بتقديم

ابی بکر من جهة الصحابة و بتقديم علی من جهة القرابة و قال قوم : لا يقدم بعضهم علی بعض وقال بعض مشائخنا يقول : ابو بكر خير و علی افضل .

ترجمہ:۔ میں نے کہا؛ اس (افضلیت) کے بارے میں متاخرین کے کئی ایک مذاہب ہیں۔ ان میں سے بعض نے کہا؛ ابو بکرؓ افضل ہیں بحیثیت ایک صحابی کے اور علیؓ افضل ہیں بحیثیت رشتہ دار ہونے کے۔ اور ایک طبقہ نے کہا؛ ان میں سے کسی کو کسی دوسرے پر افضلیت نہیں دینی چاہیے۔ ہمارے بعض اساتذہ کہتے تھے؛ ابو بکرؓ خیر ہیں اور علیؓ افضل ہیں۔

سب سے پہلی بات جو سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر افضلیت حضرت ابو بکر صدیقؓ پر اجماع ہو چکا ہوتا (اجماع نصی تام) تو اسکا منکر کافر ہوتا جیسا کہ عنقریب کتب اصول کے حوالے سے بحث چھڑنے والی ہے جسمیں یہ بات ثابت کی جائے گی اور اجماع سکوتی ہوتا تو اس سے حکم کی ظنیت ثابت ہوتی مگر محققین کی تحقیق کے مطابق، جو چیز ضروریات دین میں سے نہ ہو اسمیں سکوت سے اجماع منعقد نہیں ہوتا جیسا کہ عنقریب بحوالہ کتب اصول یہ بات ثابت کر دی جائیگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

کیونکہ متاخرین کے تین مذاہب اس عبارت میں خطابی نے ذکر کئے ہیں۔ اگر افضلیت مسئلہ اجماعیہ ہوتا تو اہل علم کبھی متاخرین کے ان مذاہب کو درخور اعتناء نہ سمجھتے نہ ہی انہیں معاف کرتے بلکہ انہیں سنیت سے خارج کرتے، معلوم ہوا کہ سنیت سے اخراج کا جنون دور حاضر کی بیماریوں میں سے ہے۔ جب اہل زمانہ انہیں

سزاوار توجہ نہیں سمجھتے تو عوامی توجہ کو مبذول کرانیکے لئے نئے نئے چٹکلے چھوڑتے ہیں۔

نیز ایک جہت سے ابوبکر صدیق ؓ کو اور دوسری جہت علی مرتضیٰ ؓ کو افضل کہا ہے۔ اگر اسکے بارے میں انتخاب رائے کی اباحت نہ ہوتی تو کیسے کئی آراء پرورش پاتیں۔

امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ بحوالہ معمر کی عبارت اور یہ عبارت دونوں ظاہر کرتی ہیں کہ افضلیت کے تعین میں اہل سنت میں ایک حد تک آزادی تھی۔ نیز اس عبارت میں ایک رائے توقف کی ہے جو اہل سنت میں پائی گئی ہے اس پر بہت سارے تائیدی حوالے پیش کئے جائینگے، انتظار فرمائیں۔

اجماع

الکلام فی الاجماع فی رکنه، و اهلیته من ینعقد به و شرطه و حکمه و سببه ، اما رکنه فنو عان : عزیمة و رخصة ، اما العزیمة فا لتکلم منهم بما یوجب الاتفاق منهم او شروعهم فی الفعل فیما یکون من بابه لان رکن کل شئی ما یقوم به اصله و الا صل فی نوعی الاجماع ما قلنا (اصول البزدوی ۳۔۲۵۔۲۲۳ص)

اما الرخصة فان یتکلم البعض و یسکت سائرهم بعد بلوغهم وبعد مضی مدة التأ مل و النظر فی الحادثة و کذالک فی الفعل وقال بعض الناس لا بد من النص و حکی هذا عن الشافعی (اصول البزدوی ۳.۷.۲۲۶ص)

ترجمہ: (اب) بات (شروع کیجاتی ہے) اجماع کے بارے میں اسکے رکن کے بارے میں اور ان لوگوں کی اہلیت کے بارے میں جن سے اجماع منعقد ہوسکتا ہے۔ اسکی شرائط کے بارے میں، حکم کے بارے میں اور اسکے سبب کے بارے میں۔

اسکا رکن سو وہ دو قسم کا ہے (۱) عزیمت (۲) رخصت، عزیمت اس بات کا نام ہے کہ ان میں سے (مجتہدین سے) ایسا قول پایا جائے جو اُن کے اتفاق کو واجب کردے یا ان (مجتہدین) کا (اس کام) کو شروع کردینا اگر ان معاملات میں سے ہو جو از قسم فعل ہوتے ہیں۔ کیونکہ ہر شئے کا رکن وہ چیز ہوتی ہے کہ جس سے اس کا اصل قائم ہوجائے۔ اور اجماع کی دونوں قسموں میں اصل وہ چیز ہے جو ہم نے کہی ہے۔

رخصت یہ ہے کہ بعض مجتہدین کسی واقعہ میں زبانی بول کر کہہ دیں اور باقی (مجتہدین) چپ رہیں، جبکہ انہیں یہ بات پہنچ جائے اور غور وفکر کرنیکے لئے جو مدت چاہیئے وہ بھی گزر جائے۔ اور اسی طریقے سے کسی عملی معاملے میں بھی۔ بعض (اصولیوں) نے کہا کہ بات کی (زبانی) صراحت (ضروری) ہوگی اور (اجماع) خاموشی سے ثابت نہیں ہوگا۔ اور یہ بات امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے بھی ذکر کی گئی ہے۔

اسکی شرح میں امام عبدالعزیز بن احمد بخاری اپنی کتاب ''کشف الاسرار شرح اصول البزدوی'' میں فرماتے ہیں :

الاجماع فی اللغة هو العزم یقال اجمع فلان علی کذا اذا عزم علیه ومنه قوله تعالی اجمعوا امرکم ای اعزموا علیه و الاتفاق ایضا ومنه قولهم اجمع القوم علی کذا ای اتفقو ا علیه والفرق بین المعنین ان

الاجماع بالمعنى الاول يتصور من واحد و بالمعنى الثانى لا يتصور الا من اثنين فما فوقها و فى الشريعة قيل : هو عبارة عن اتفاق امة محمد (صلى الله عليه و آله وسلم) على امر من الامور الدينية

ترجمہ: اجماع لغت میں پختہ ارادے کا نام ہے کہا جاتا ہے فلاں نے فلاں کام کا پختہ ارادہ کرلیا ہے اوراسی قسم کا ارشاد باری ہے اجمعوا امر کم یعنی تم پختہ ارادہ کرلو۔

اوراجماع کا معنی اتفاق بھی ہے اوراسی قسم کا قول ہے: **اجمع القوم على كذا اى اتفقوا** یعنی قوم نے اتفاق کرلیا ایسی ایسی بات پراس پر متفق ہوگئے۔

دونوں معنی کے درمیان فرق یہ ہے کہ پہلے معنی میں اجماع کے معنی ایک سے بھی متصور ہوسکتے ہیں۔اوردوسرے معنی میں تو اجماع کے معنی دو یا دو سے زیادہ ہی سے متصور ہوسکتے ہیں اورشریعت میں کہا گیا ہے ''اس سے مراد امت کا کسی دینی کام پر اتفاق ہوجانے کا نام ہے۔''

امام عبدالعزیز بن احمد شارح اصول البز دوی فرماتے ہیں:

عزيمة : هى ما كان اصلا فى الاجماع اذ العزيمة هى الامر الاصلى

ترجمہ: ''عزیمت'' باب اجماع میں امر اصلی کا نام ہے۔

''**رخصة** '' **هى ما جعل اجماعا لضرورة اذمبنى الرخصة على الضرورة** ترجمہ: رخصت اس امر کا نام ہے جس کو قانون ضرورت کے تحت اجماع قرار دے دیا گیا ہے۔کیونکہ رخصت کی بنیاد ضرورت پر ہے۔

اما العزيمة فا لتكلم بما يوجب الاتفاق منهم او شرو عهم فى الفعل فى

ما يكون من باب الفعل على وجه يكون ذالک موجود ا من الخاص و العام فيما يستوى الكل فى الحاجة الى معرفته بعموم البلوى فيه

ترجمہ: عزیمت اس بات کا نام ہے کہ (مجتہدین واضح طور پر) ایسی بات زبانی کریں جس سے ان کا اتفاق لازم قرار پائے۔یا وہ کسی فعل کو شروع کرلیں اگر وہ عمل کی باوری سے ہوتو، کسی ایسے طریقے سے کہ خواص وعوام میں موجود ہو جسکو جاننے کی حاجت میں بھی (خواص وعوام) برابر ہوں بوجہ ضرورت عامہ ہونے کے۔

امام عبدالعزیز بن احمد شارح اصول البز دوی ۲۲۶/۳ پر شذرات قلم کا یہاں فرماتے ہیں:

صورة المسئلة ما اذا ذهب واحد من اهل الحل والعقد فى عصر الى حكم فى مسئلة قبل استقرار المذاهب على حكم تلك المسئلة و انتشر ذالک بين اهل عصره ومضى مدة التأمل يكون ذالک اجماعا مقطوعا به عند اكثر اصحابنا وكذالک الفعل يعنى اذا فعل واحد من اهل الاجماع فعلا وعلم به اهل زمانه ولم ينكر عليه احد بعد مضى مدة التأمل يكون ذالک اجماعا منهم على ابا حة ذالک الفعل ويسمى هذا اجماعا سكوتيا عند من قال انه اجماع وذكر صاحب الميزان فيه ان الاجماع انما يثبت بهذا الطريق اذا كان ترک الرد والانكار فى غير حالة التقية وبعد مضى مدة التأمل لان اظهار الرضاء و ترک النكير فى حالة التقية امر معتا د بل امر مشروع رخصة فلا يدل ذالک على الرضاء وكذا السكوت

والامتناع عن الرد قبل مضی مدة التأمل حلال شرعا فلا یدل علی الرضاء فلهذا شرطنا مع السکوت وترک الانکار زوال التقیة ومضی مدة التأمل .ثم قال : لا یخلو من ان تکون المسئلة من مسائل الاجتهاد او لم یکن فان لم یکن لا یخلو من ان یکون علیهم فی معرفتها تکلیف او لم یکن علیهم فان لم یکن علیهم فی معرفتها تکلیف یجوز ان یقال :ان ابا هریرة افضل ام انس بن مالک فترک الانکار علی من قال فیها بقول لا یکون اجماعا لانه لم یکن علیهم تکلیف فی معرفة ذالک الحکم لم یلزمهم النظر فیه فلم یحصل لهم العلم بکونه صوریا او خطأ فلا یلزمهم الانکار اذذالک الانکار انما یلزمهم عند معرفة کونه خطأ واذا کان کذالک لم یبعد ان یترکوا الانکار فیه بناء علی عدم معرفة کونه خطأ قد یکون سکوتهم دلیل التسلیم و الرضاء واما اذاکان علیهم تکلیف فی معرفة حکم الحادثة یکون سکوتهم تصویبا ورضا بذالک الحکم .

ترجمہ؛ صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب اہل حل وعقد میں سے ایک دور میں کوئی کسی مسئلہ میں کوئی رائے قائم کر لے اس مسئلہ پر کوئی موقف طے ہونے سے پہلے اور یہ بات اسکے زمانے میں پھیل جائے اور اس پر غور کرنے کا زمانہ بھی گزر جائے اور اسکی مخالفت میں کوئی شخص سامنے نہ آئے تو یہ بھی ایک اٹل اجماع ہوگا۔ ہمارے اکثر احناف کے نزدیک اور اسی طریقے سے فعل (بھی) یعنی اہل اجماع میں سے کوئی شخص اگر ایک کام کرے اور اسکے اہل زمانہ جان لیں اور مدت تأمل گزر جانے کے بعد کوئی شخص

اسکی مخالفت نہ کرے، (تو) یہ بھی اس فعل کے مباح ہونے پر انکی طرف سے اجماع ہو گا اور اس کا نام اجماع سکوتی ہوگا اسکے نزدیک جو اسے اجماع کہتا ہے اور صاحب میزان نے اسمیں ذکر کیا ہے کہ اس میں اس طریقے سے صرف اسی وقت اجماع ثابت ہوگا، جب ترک رد و انکار حالت تقیہ میں نہ ہوا اور مدت تامل کے گزرنے کے بعد، کیونکہ رضا کا اظہار اور ترک تردید حالت تقیہ میں ایک امر عادی ہے بلکہ بطور رخصت کے امر مشروع ہے۔ لہٰذا یہ (ترک تردید ومخالفت واظہار رضا حالت تقیہ میں) رضا کے معنی نہیں دے گا اور اسی طریقے سے مدت تامل کے گزرنے سے قبل خاموش رہنا شرعاً حلال ہے۔ اور رضاء پر دلالت نہیں کرے گا اسی لئے ہم نے سکوت اور ترک انکار کے لئے تقیہ کا نہ ہونا اور مدت تامل کا گزر جانا لازمی قرار دیا ہے۔

پھر (صاحب میزان نے) کہا؛ (یہ مسئلہ جس پر اجماع مطلوب ہے) خالی نہ ہوگا یا مسائل اجتہادیہ میں سے ہوگا یا نہیں ہوگا۔

اگر وہ مسئلہ مسائل اجتہادیہ میں سے نہ ہوا تو پھر خالی نہ ہوگا یا اسکا جاننا واجب شرعی ہوگا (ضروریات دین میں سے ہوگا) یا نہیں ہوگا، اگر وہ (مسئلہ) واجبات شرعیہ میں سے نہیں ہوگا تو پھر یہ کہنا جائز ہوگا، ''ابوھریرہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا انس بن مالک رضی اللہ عنہ افضل ہیں؟'' تو جس نے اس بارے میں کوئی بھی قول کہا، اس پر ترک انکار سے اجماع منعقد نہیں ہوگا کیونکہ اس حکم کا جاننا ان (باقی مجتہدین) پر ضروری (واجبات شرعیہ سے) نہیں تھا اور غور وفکر کرنا، اس مسئلہ پر، انکے لئے ضروری نہیں تھا۔ اور ان کو اس مسئلے کے جائز یا ناجائز ہونے کا علم حاصل نہیں ہوسکا اسی لئے ان پر انکار ضروری نہیں تھا کیونکہ یہ انکار ان پر صرف اسی صورت میں لازم ہوگا جبکہ اسکے خطا ہونیکا انہیں علم ہو

جائے اور جب معاملہ ایسا ہے تو پھر یہ امید نہیں کہ وہ اس معاملے میں ترک انکار اس
وجہ سے کریں کہ انہیں اس معاملے کے خطا ہونے کا علم نہیں، (لہٰذا) ان (مجتہدین کا)
خاموش رہنا دلیل تسلیم ورضا نہیں۔ مگر جس وقت اس حادثہ (مسئلہ) کا جاننا ان (بقیہ
مجتہدین) پر واجب شرعی ہو (ضروریات دین میں سے ہو) تو ان (بقیہ مجتہدین) کا
خاموش رہنا اس حکم کی دلیل تسلیم ورضا ہوگا۔

اب مسئلہ اجماع شب مہتاب کی طرح جگمگا اٹھا ہے۔ چونکہ گزشتہ
صفحات میں اس پر مضبوط بحث گزر چکی ہے کہ کسی بھی صحابی کی کسی دوسرے پر
افضلیت ضروریات میں سے نہیں ہے لہٰذا اس پر لمبا چوڑا وقت خرچ کرنا بے سود
ہے۔ امام عبدالبر ابو عمر یوسف اندلسی (متوفی ۴۶۳ھ) اپنی کتاب الاستذکار
۱۴۔۲۳۹ پر تحریر فرماتے ہیں:

**قد اجمع علماء المسلمین ان اللہ لا یسئل عبادہ یوم
الحساب من افضل عبادی، ولا ھل فلان افضل من فلان ولا ذالک
مما یسئل عنہ احد فی القبر**

ترجمہ: علمائے مسلمین نے اس پر اجماع کیا کہ اللہ تعالیٰ یوم قیامت کو اپنے بندوں سے
نہیں پوچھے گا "میرے بندوں میں سے افضل کون ہے" اور نہ ہی یہ سوال کرے گا
کہ "کیا فلاں، فلاں سے افضل ہے؟" اور نہ ہی یہ معاملہ ان معاملات سے ہے کہ جن
کے بارے میں قبر میں کسی سے سوال ہوگا۔ یعنی یہ ضروریات دین میں سے نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جناب ابوبکر صدیقؓ کی افضلیت کا دعویٰ
کیا اگر دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم اس بارے میں خاموش بھی رہتے پھر بھی اس پر

اجماع سکوتی منعقد نہ ہوتا کیونکہ افضلیت کا مسئلہ ضروریات دین میں سے نہیں تھا لہٰذا
اس پر خاموشی مفید اجماع نہ ہوتی۔ جیسا کہ ابھی عبدالعزیز بن احمد بخاری رحمۃ اللہ علیہ
شارح اصول بزدوی ۳۔۴۲۶ کا حوالہ گزرا ہے کہ غیر ضروریات دین پر ایک مجتہد
کے قول پر دوسرے مجتہدین کے خاموش رہنے سے اجماع منعقد نہیں ہوتا۔

یہاں تو پہلے جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث بلحاظ صحت محل کلام ہے:

قد عورض حدیث ابن عمر ھذا بحدیث عبداللہ بن مسعود (ابن
عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کا جناب عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث سے تعارض
لازم آگیا)

**روی شعبۃ عن ابن اسحاق عن عبدالرحمان بن یزید عن
علقمۃ عن عبداللہ بن مسعود قال: قال کنا نتحدث ان افضل اھل
المدینۃ علی ابن ابی طالب (رضی اللہ تعالی عنھم)**

ترجمہ: ہم لوگ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کہا کرتے تھے کہ اہل مدینہ میں سے افضل
حضرت علیؓ بن ابی طالب ہیں۔

اب جناب عبداللہ بن مسعودؓ اور جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی
فقاہت میں بون بعید تسلیم ہوتا ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول "**کنا
نتحدث**" حکماً حدیث مرفوع کہلائے گا۔ جیسا کہ جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما
کا قول "**کنا نفاضل**" بھی حکماً حدیث مرفوع کہلائے گا۔ بوقت تعارض قول عبداللہ
بن مسعودؓ کو ترجیح حاصل رہے گی۔ دور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جناب
عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کم عمر صحابہ میں شمار ہوتے تھے اس لئے ان کا شمار فقہاء صحابہ

میں نہیں ہوتا تھا۔مگر اس کے برعکس حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جناب ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مدتوں پہلے مسلمان ہوئے تھے۔آپ تاریخ اسلام میں چھٹے مسلمان تھے(اکمال فی اسماء الرجال، مصنف علامہ ولی الدین تبریزی ص ۶۰۵) حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ان کے بارے میں فرمایا:

رضیت لامتی ما رضی لها ابن ام عبد و سخطت لها ما سخط لها ابن ام عبد

ترجمہ:۔میں نے اپنی امت کے لئے وہ چیز پسند کی ہے جو ام عبد کے بیٹے (عبداللہ بن مسعودؓ) نے پسند کی اور میں نے اپنی امت کے لئے وہ چیز ناپسند کی جو ام عبد کے بیٹے (عبداللہ بن مسعودؓ) نے ناپسند کی۔

اور جناب عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث درباره افضلیت علی مرتضیٰؓ کو جناب امام احمد بن حنبلؒ نے فضائل صحابہ ۲۔۶۴۸ پر بھی روایت فرمایا ہے۔جناب امام احمد بن حنبل کے روایت کرنے سے اسکو مزید تقویت ملتی ہے۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما والی حدیث پر مستقلاً تفصیلات آنے والی ہیں۔سر دست اجماع پر گفتگو چل رہی ہے۔اجماع نصی کا کوئی دعویدار نہیں اور اجماع سکوتی کا دعویٰ بے بنیاد ہوگا جسکی دو بنیادی وجوہ ہیں۔

(۱) اگر بالفرض کوئی مجتہد جناب ابوبکر صدیقؓ کی افضلیت کا دعویٰ کرتا تو باقی مجتہدین کے خاموش رہنے سے بھی یہ اجماع منعقد نہ ہوتا کیونکہ مسئلہ افضلیت ضروریات دین میں سے نہیں ہے لہٰذا اس پر خاموشی مفید اجماع نہیں ہو سکتی جیسا کہ گذشتہ صفحات پر یہ امر واضح کیا جا چکا ہے۔

(۲) اس افضلیت کے دعویدار صرف حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہیں جنکی مخالفت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کی جو ان سے مقابلۃً بڑے فقیہہ اور مجتہد ہیں۔نیز علامہ ابن عبدالبر اندلسی متوفی ۴۶۳ھ نے کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ۳۔۲۷ پر ان صحابہ کرام کی طویل فہرست پیش کی ہے جو حضرت علی مرتضیٰؓ کو ان کے غیر سے افضل سمجھتے تھے۔اور ابن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ نے اپنی کتاب الفصل فی الملل والاھواء والنحل ۴۔۱۱۱ پر تحریر کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی افضلیت کے بارے میں کچھ اہل سنت، کچھ مرجیہ، کچھ معتزلہ اور سارے خارجی متفق تھے اور جناب علی مرتضیٰؓ کی افضلیت کے بارے میں کچھ اہل سنت، کچھ مرجیہ،، کچھ معتزلہ اور سارے شیعہ متفق تھے۔

نیز یہ کہ بیس ۲۰ جلیل القدر صحابہ حضرت علی مرتضیٰؓ اور حضرت زبیر بن العوامؓ کی افضلیت پر متفق تھے۔جب اتنے اکابر صحابہ کا اختلاف موجود تھا اور آج تک ہے تو پھر جناب ابوبکر صدیقؓ کی افضلیت پر اجماع کیسے ہو سکتا تھا؟

مزید برآں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لیکر آج تک کے مسلمانوں میں جو اختلافی اقوال درباره افضلیت پائے گئے ہیں انکی تفصیل درج ذیل ہے۔جس سے یہ دریافت کیا جاسکے گا کہ اجماع سکوتی میں دوسرے مجتہدین کے خاموش رہنے سے اجماع سکوتی منعقد ہو سکتا تھا مگر مندرجہ ذیل اقوال دیکھنے سے یہ حقیقت بے غبار ہو جائے گی کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی افضلیت پر کبھی امت اکٹھی نہیں ہو سکی۔لیجئے وہ اختلافی مواقف حسب ذیل ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ کا نظریہ

حضرت ابو ہریرہ کا نظریہ یہ ہے کہ سب سے افضل حضرت جعفر طیارؓ ہیں:

عن ابی هريرة : قال ما احتذى النعال ولا انتعل ولا ركب المطايا ولا ركب الكور بعد رسول الله (صلى الله عليه و آله وسلم) افضل من جعفر (ترمذی ۲۔۱۔۲۴۰ص)

ترجمہ: کسی نے جوتا نہیں (عطف تفسیری، ولا انتعل ۔کسی نے جوتا نہیں پہنا) نہ ہی کوئی اونٹنیوں پر سوار ہوا اور نہ ہی کوئی اونٹ کے کجاوے میں سوار ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، کے بعد جو جعفر طیارؓ سے افضل ہو۔

امام ابن حجر نے ''الاصابہ'' میں لکھتے ہیں:

وكان ابوهريرة يقول انه' افضل الناس بعد النبي صلى الله عليه وآله وسلم ۔(الاصابہ ج ۱ ص ۲۷۲)۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرمایا کرتے تھے کہ بے شک حضرت جعفر طیارؓ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تمام لوگوں سے افضل ہیں۔

اس جگہ حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ رائے از قسم عقیدہ ہے اور عقائد توقیفی ہوتے ہیں جسمیں قیاس صحابی کا دخل تسلیم نہیں ہوتا لہٰذا یہ حدیث لفظاً موقوف ہوگی اور حکماً مرفوع ہوگی (تدریب الراوی)

حضرت ابوھریرہؓ مکثرین میں سب سے زیادہ احادیث روایت کرنے والے ہیں، سن خیبر میں مسلمان ہو کر ۵۹۔۵۷ھ میں مدینہ طیبہ میں واصل باللہ ہوئے۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ جناب ابوبکر صدیقؓ کی افضلیت پر اجماع ہوتا اور انہیں

پتہ چلتا اور اگر پتہ چل جاتا تو پھر وہ یہ قول دہراتے، اور امام ترمذی جو تیسری صدی ہجری کے آدمی ہیں وہ اس قول کو حدیث جان کر مجموعۂ حدیث میں شامل کر لیتے۔

فرزند رسول حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی افضلیت

ابن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ اپنی کتاب الفصل فی الملل والاهواء والنحل ۴۔۱۲۰ میں لکھتے ہیں؛

فلو قال قائل : ايما افضل في الجنة واعلى قدرا ، مكان ابراهيم بن رسول الله (صلى الله عليه وآله وسلم) او مكان ابى بكر و عمر و عثمان و على (رضى الله عنهم) قلنا مكان ابراهيم اعلى بلاشك

ترجمہ:۔ اگر کوئی کہنے والا کہے کہ جنت میں کون افضل ہوگا؟ اور کس کی قدر اعلیٰ ہوگی۔ جناب ابراہیمؓ ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکان (اعلیٰ ہوگا) یا ابوبکر صدیق یا مکان عمر یا مکان عثمان غنی یا مکان علی مرتضیٰ؟ (رضی اللہ عنہم) ہم کہیں گے کہ مکان ابراہیمؓ بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے اعلیٰ ہوگا۔ اور اسکی وجہ عمل صالح نہیں ہوگا بلکہ یہ فضل اختصاصی ہوگا۔

(ولكن ذالك المكان اختصاص مجرد لابراهيم المذكور لم يستحقه بعمل)

ترجمہ: لیکن حضرت ابراہیمؓ بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرتبے کی بلندی محض فضل اختصاصی ہے۔ کسی عمل کی وجہ سے وہ اس مکان کے حقدار نہیں ہوئے۔

یعنی حضرت ابراہیمؓ ابن رسول اللہ کو خلفائے اربعہ پر افضلیت ملی ہے

اسکا نام کثرت ثواب نہیں بلکہ کثرت ثواب والے لوگ پیچھے رہ گئے اور فضل اختصاص والی شخصیت آگے نکل گئی۔ اگرچہ یہ کہنے کی اجازت نہیں ہوگی حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ بن رسول اللہ، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں اور نہ ہی یہ کہنے کی اجازت ہوگی کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ، ابراہیم رضی اللہ عنہ ابن رسول اللہ سے افضل ہیں۔ اصل عبارت ملاحظہ فرمائیے:

فلا يقال ان ابراهيم ابن رسول الله (صلى الله عليه وآله وسلم) افضل من ابى بكر او عمر فلا يقال ان ابا بكر و عمر افضل من ابراهيم (رضى الله عنهم) (کتاب الفصل فی الملل والاھواء والنحل ۴۔ ص ۱۲۰)

ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کی افضلیت

مزید برآں ابن حزم اندلسی لکھتے ہیں: **المفاضله واقعة بين الصحابة و بين نساء رسول الله (صلى الله عليه وآله وسلم) لان اعمالهم وسوا بقهم لها مراتب متناسبة بلاشك فان قال قائل انهن لو لا رسول الله (صلى الله عليه وآله وسلم) ما حصلن تلك الدرجة وانما تلك الدرجة له عليه السلام قلنا و بالله تعالى التوفيق نعم ولا شك ايضا فى ان جميع الصحابة لولا رسول الله (صلى الله عليه وآله وسلم) ما حصلوا ايضا على الدرج التى لهم فيها**

ترجمہ:۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ازواج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان مفاضلہ (ایک دوسرے پر فضیلت دینا) ہوا ہے کیونکہ بلاشبہ انکے اعمال اور سبقتوں

میں متناسب درجات تسلیم ہوتے ہیں۔ پس اگر کوئی کہنے والا کہے کہ "اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ ہوتے تو وہ (ازواج مطہرات) یہ درجات حاصل نہ کر پاتیں، یہ درجات کو ان کو صرف انکی وجہ سے ملے ہیں"۔ ہم (جواباً) کہیں گے؛ اور اللہ کے ہاں توفیق خیر ہے! ہاں بلا شک یہ بھی (حقیقت ہے) کہ جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ ہوتے تو وہ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) ان درجات کو حاصل نہ کر سکتے جو انہیں حاصل تھے۔

ازواج مطہرات کے جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل ہونے پر ابن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ، قرآن حکیم کی ایک اندرونی شہادت پیش کرتے ہیں:

ومن يقنت منكن لله و رسوله و تعمل صالحا نؤتها اجر ها مرتين (۳۳۔۳۱) ترجمہ:۔ جو کوئی تم میں سے اللہ اور رسول کی اطاعت کرے اور اچھے عمل کرے ہم اسے دوگنا اجر دیں گے۔

اسی صفحہ پر ابن حزم اندلسی تحریر فرماتے ہیں:

فهذا فضل ظاهر و بيان لا ئح فى انهن افضل من جميع الصحابة (رضى الله تعا لى عنهم)

ترجمہ:۔ (پروردگار کا) یہ ارشاد واضح فضل الٰہی ہے اور واضح بیان ہے کہ وہ (ازواج مطہرات) جمیع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں۔

یعنی سورۃ ۳۳ کی آیت نمبر ۳۱ نے واضح طور پر بتلا دیا کہ اگر جمیع صحابہ کرام اور پوری امت ایک نیکی کرے تو انہیں انکے عمل کی مناسبت سے اکہرا ثواب ملے گا مگر

ازواج مطہرات وہی عمل کریں تو ان کو جملہ امت کے افراد کے مقابلے میں دوگنا
ثواب دینگے۔اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں
ازواج مطہرات افضل ہیں۔ان حقائق سے ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی
افضلیت پر نہ ہی نصی اجماع ہوا ہے اور نہ ہی سکوتی اجماع ہوا ہے۔

حضرت امام عبدالرزاقؒ اور سلمان فارسیؓ اور حسان بن ثابتؓ اور
امام حسنؓ اور بھی بعض دیگر صحابہ کا ایسا ہی خیال تھا (یعنی وہ جناب علی مرتضیٰؓ کو
باقی جمیع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خصوصاً شیخین سے افضل سمجھتے تھے)۔ فتاویٰ
عزیزیہ فارسی ج ۱ ص ۱۸۲ مصنفہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ محدث دہلوی۔

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی اور انکے والد صاحب شاہ ولی اللہ
محدث دہلویؒ ہیں، جنہوں نے ہندوستان میں شیعہ کے خلاف شدومد سے کام کیا ہے
جنکی قلمی یادگاریں اس موضوع پر واضح طور پر موجود ہیں۔اگر حضرت ابوبکر صدیقؓ
کی افضلیت تامہ ومطلقہ پر اجماع ہوا ہوتا تو شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ ان حضرات
کے اسمائے گرامی اہل سنت کی فہرست میں کیونکر دیتے۔اور اس عقیدہ والے کے پیچھے
نماز پڑھنے کو کیوں جائز قرار دیتے۔نیز انکا یہ لکھنا ''حضرات شیخین رضی اللہ عنہما افضل
ہیں یا حضرت علی مرتضیٰؓ'' اس اختلاف کی وہی حیثیت ہے جو اشاعرہ اور ماتریدیہ
کے اختلاف کی حیثیت ہے (اشاعرہ اور ماتریدیہ میں تو حق دائر ہے حق معین نہیں ہے
جسکا مطلب یہ ہوگا کہ شیخین رضی اللہ عنہما یا علی مرتضیٰؓ کی افضلیت میں حق دائر ہے
ان میں سے کسی کو بھی افضل جانے ،حق بجانب ہوگا)۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی افضلیت

ابن حزم متوفی ۴۵۶ھ اپنی کتاب الفصل ج ۴۔ص ۱۱۱ پر لکھتے ہیں:

روینا عن مسروق بن الاجدع و تمیم بن خدیم و ابراهیم النخعی و غیرهم ان افضل الناس بعد رسول الله (صلی الله علیه و آله وسلم) عبدالله بن مسعود و قال تمیم و هو من کبار التابعین رأیت ابا بکر و عمر فما رأیت مثل عبدالله بن مسعود

ترجمہ: ہم نے مسروق بن اجدع اور تمیم بن خدیم اور ابراہیم نخعی سے روایت کیا
''حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے بعد سب سے افضل عبداللہ بن مسعودؓ ہیں۔اور تمیم
نے کہا جبکہ وہ کبار تابعین سے تھے۔میں نے ابوبکرؓ اور عمرؓ کو دیکھا مگر انہیں
عبداللہ بن مسعودؓ جیسا نہیں پایا۔

تین کبار تابعین نے بتایا کہ وہ عبداللہ بن مسعودؓ کو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کے بعد ساری امت سے افضل اعتقاد کرتے تھے یہ تینوں حضرات اکابر تابعین سے ہو
کر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی پوری امت پر افضلیت کا عقیدہ رکھتے تھے اگر
حضرت ابوبکر صدیقؓ کی افضلیت پر اجماع نصی یا سکوتی منعقد ہوا ہوتا تو یہ لوگ
حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی افضلیت کے کیسے دعویدار ہوتے؟

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی باقی جمیع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر افضلیت
کا عقیدہ ایک واضح عقیدہ تھا جو آپ کے جملہ تلامذہ میں متفقہ طور پر پایا جاتا تھا۔''تذکرۃ
الحفاظ'' مصنفہ امام شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان ذھبی ج ۱۔ص ۱۷۔۱۶ ملاحظہ فرمائیے:

اتفق موته بالمدینة سنة اثنتین و ثلاثین وله نحو من ستین سنة و کان تلامذته لا یفضلون علیه احدا من الصحابة (رضی الله تعالی عنهم)

ترجمہ؛۔آپ کی موت مدینہ (طیبہ) میں ۳۲ھ میں واقع ہوئی اور انکے شاگرد کسی بھی صحابی ؓ کو ان سے افضل نہیں سمجھتے تھے۔

اگر حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی افضلیت شرط سنیت ہوتی تو یہ لوگ سنی کہلانے کے حقدار نہ ہوتے جبکہ یہ لوگ سنیت کے علمبردار ہیں اور امام ابوحنیفہ ؓ کے سلسلہ تعلیمات کے بانی ہیں اور اگر افضلیت حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا انکار کرنے سے سنیت سے اخراج لازم آتا تو یہ لوگ سنیت سے خارج کردیے جاتے۔اور امام ابوحنیفہ ؓ کو بھی کبھی سنیت کی دنیا میں امام اعظم کا لقب ارزانی نہ ہوتا۔

حضرت سیّدہ خاتون جنت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی افضلیت

امام عبدالروف مناوی اپنی کتاب ''سیدۃ النساء'' (اتحاف السائل بما بفاطمة من المناقب والفضائل) ص۱۶ پر رقمطراز ہیں:

عن عائشة رضی الله تعالی عنها انها قالت ما رأیت افضل من فاطمة غیر ابیها ترجمہ؛۔جناب عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا؛''میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے افضل کسی کو نہیں پایا'' (طبرانی معجم الاوسط ۲۷۱۹، مجمع الزوائد ۹۔۲۳۷، مسند ابویعلی ۴۶۸۱)

اگر جناب ابوبکر صدیق ؓ کی افضلیت پر اجماع ہو گیا ہوتا تو جناب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جناب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی افضلیت کا قول کیسے کرتیں؟ جبکہ سرکار

دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان تھا: خذوا ثلثی دینکم من هذه الحمیراء (اس گلفام سے دین کا دوتہائی حاصل کرو۔اتنی فقاہت کے ہوتے ہوئے اس اجماع کو مدنظر رکھتیں۔اور آپ کا وصال ۵۷ھ میں ہوا اور جناب ابوہریرہ ؓ نے آپ کا جنازہ پڑھایا اور تادم آخرین اس قول سے آپ نے رجوع نہ فرمایا۔

بعض اہل علم نے جناب ابوبکر صدیق ؓ کے اَحب ہونے سے بھی انکی افضلیت مطلقہ پر استدلال کیا ہے۔مگر امام مناوی اسی کتاب کے اسی صفحہ پر تحریر فرماتے ہیں:

عن النعمان بن بشیر : استأذن ابو بکر علی المصطفی فسمع عائشة عالیا وهی تقول والله لقد عرفت ان فاطمة و علیا احب الیک منی و من ابی مرتین او ثلاثا فاستأذن ابو بکر فاهوی علیها فقال یا بنت فلان الا سمعتک ترفعین صوتک علی رسول الله (صلی الله علیه وآله وسلم). رواه الامام احمد و رجاله رجال الصحیح.

ترجمہ؛۔نعمان بن بشیر ؓ سے روایت ہے؛حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہونا چاہا تو انہوں نے جناب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اونچی اونچی آواز سے باتیں کرتے ہوئے پایا اور وہ کہہ رہی تھیں؛ خدا کی قسم مجھے معلوم ہے کہ آپ کو فاطمہ رضی اللہ عنہا اور علی ؓ مجھ سے اور میرے والد سے زیادہ دوگنا یا تین گنا زیادہ پیارے ہیں۔حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اجازت لیکر جناب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو خطاب کیا اور کہا؛اے فلاں کی بیٹی! کیا میں نے تمہیں

نہیں سنا کہ تم جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اونچی آواز سے بات کررہی تھیں؟ اسکو امام احمد نے روایت کیا اور بتایا کہ اسکے راویان صحیح کے راویان ہیں۔

اب اگر احبیت بھی بقول بعض اہل علم کے موجب فضیلت ہے تو وہ بھی جناب مرتضٰی ؓ اور جناب سیدہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہے۔ یہ "اجماع مبین" جسکے حق میں ہوا اُن کو کیوں معلوم نہیں اور انکے گھر والوں کو کیوں معلوم نہیں۔ اصولی طور پر تو باپ کے فضائل جسقدر بیٹی کو یاد ہو سکتے ہیں، اسقدر کسی دوسرے کو یاد ہونا محالات عادیہ میں سے ہے۔

حضرت عباس ؓ کا نظریہ

جناب ابوبکر صدیق ؓ کی افضلیت پر اجماع کے خلاف آراء میں سے ایک درج ذیل ہے۔ حافظ ابوبکر احمد بن علی الخطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ھ اپنی کتاب تاریخ بغداد ۹۔۲۹۲ میں تحریر فرماتے ہیں؛ **قال فاما العباس فمات و علی عنده افضل الصحابة** ترجمہ؛۔ رہی بات عباس ؓ کی سو وہ وفات پا گئے جبکہ علی مرتضٰی ؓ ان کے نزدیک سب صحابہ سے افضل تھے۔

اگر سُنّیت کے لئے جناب ابوبکر صدیق ؓ کو افضل سمجھنا ضروری ہوتا تو لوگ انہیں سنی نہ سمجھتے۔ آپ کا وصال ۳۲ھ میں ہوا اور آپ اسی عقیدہ پر تھے۔ معلوم ہوا کہ افضلیت ابوبکر صدیق ؓ اور افضلیت علی مرتضٰی ؓ میں حق دائر سمجھا جاتا تھا ورنہ خود حضرت عباس ؓ آپ کی جملہ اولاد اور جملہ علوی، حسنین کریمین رضی اللہ عنہما حضرت علی مرتضٰی ؓ کو افضل کیسے سمجھ سکتے اگر اجماع نصی یا سکوتی حضرت ابوبکر

صدیق ؓ کی افضلیت پر ہو چکا ہوتا تو اجماع نصی کی صورت میں منکر کافر ہوتا اور اجماع سکوتی کی صورت میں مبتدع ہوتا مگر ان میں سے کوئی بھی ٹائٹل ان لوگوں کو نہیں دیا گیا جس سے ثابت ہوا کہ افضلیت کا عقیدہ محض اختیاری تھا اسلئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جس کو بھی افضل سمجھا وہ حق پر تھے۔

حضرت امام حسن مجتبیٰ ؓ کا نظریہ

ابن حزم اندلسی اپنی کتاب الفصل فی الملل ج ۴۔ ص ۱۳۴ پر لکھتے ہیں؛

كان عمار بن ياسر و الحسن بن علي يفضلان علي ابن ابي طالب علي ابي بكر و عمر (رضي الله تعالى عنهم)

ترجمہ؛۔ عمار بن یاسر اور حسن بن علی، جناب علی مرتضٰی کو حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر سے افضل سمجھتے تھے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

امام حسن ؓ اپنے وقت میں خلیفہ راشد گزرے ہیں جنکا قول اور فعل باقی خلفائے راشدین کی طرح شرع میں سند اور حجت کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی طرح حضرت عمار بن یاسر ؓ سابقین اولین میں سے ہیں انہوں نے آگ میں کھڑے ہو کر بھی اسلام پر استقامت دکھلائی۔ ان دونوں حضرات کا حضرت علی مرتضٰی ؓ کی افضلیت کا عقیدہ رکھنا اور تادم آخرین جناب مرتضٰی ؓ کا ساتھ دینا اور ۳۷ھ میں جنگ صفین میں جام شہادت نوش فرمانا، اس امر کی وضاحت کرتا ہے کہ جناب مرتضٰی ؓ کے نزدیک اگر یہ عقیدہ حد مفتری کو مستلزم ہوتا یا کم از کم قابل اعتراض ہوتا تو امام حسن ؓ اس بات کے زیادہ حقدار تھے کہ انہیں تنبیہ کردی جاتی کہ یہ عقیدہ قابل

اعتراض ہے اس سے تائب ہو جانا ضروری ہے۔ مگر اسکے برعکس جملہ،عباسیہ،علویہ،فاطمیہ،ہاشمیہ اور بیسیوں فقہاء و مجتہدین وافاضل صحابہ (رضی اللہ عنہم) کا افضلیت علی ؓ کا عقیدہ ہونا اس امر کی شہادت ہے کہ مسئلہ افضلیت اختیاری تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کے جملہ تلامذہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کو افضل جانا۔ جناب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جناب خاتون جنت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بعد از نبی سب سے افضل سمجھا، حضرت ابوھریرہ ؓ نے جناب جعفر طیار ؓ کو سب سے افضل سمجھا، امت کے کسی بھی صاحب علم نے ان بزرگوں کے بارے میں کوئی حقیر کلمہ نہیں بولا معلوم ہوا کہ بجوائے **ان اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم** سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مینار ھدایت سمجھا لہٰذا ان میں سے کسی کے قول کی بھی پیروی کی جائے تو موجب رشد و ھدایت ہوگی۔

سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا اور سیّدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اتفاق

امام محمد عبدالرؤف المناوی متوفی ۱۰۳۱ھ اپنی کتاب فیض القدیر ج۴ ص ۵۵۵ میں لکھتے ہیں: **و ذکر علیم الدین العراقی ان فاطمة واخاها ابراهیم افضل من الخلفاء الاربعة بالاتفاق**

ترجمہ؛ علیم الدین عراقی نے ذکر کیا ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور انکے بھائی ابراہیم ؓ متفقہ طور پر خلفائے اربعہ سے افضل ہیں۔ اسی طرح شاہ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب ''تکمیل الایمان'' ص ۵۷ پر ورطہ تحریر میں لاتے ہیں:

شیخ جلا ل الدین سیوطی در کتاب خصائص کبریٰ از امام علیم

الدین عراقی نقل کردہ است کی فاطمة و برادر وے ابراھیم با اتفاق افضل اند از خلفاء اربعه۔

ترجمہ: امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے اپنی کتاب خصائص کبریٰ میں علیم الدین عراقی سے نقل کیا ہے کہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا اور انکے بھائی ابراہیم ؓ خلفائے راشدین سے متفقہ طور پر افضل ہیں۔

امام سیوطی نے اپنی کتاب خصائص کبریٰ کی تلخیص ''**انموذج اللبیب المعروف بخصائص صغریٰ**'' میں ص ۵۶ پر اس عبارت کو نقل فرمایا ہے۔

امام سیوطیؒ جو کہ متصلب قسم کے اشعری ہیں وہ جناب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور آپ کے بھائی ابراہیم ؓ کی افضلیت خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم پر ثابت کر رہے تھے، بحوالہ علیم الدین عراقی تو اسوقت کے دانشوروں اور انکے بعد آنے والے علمائے کرام نے علیم الدین عراقی کو اہل سنت سے خارج کیوں نہ کیا اور کم از کم امام سیوطی ان پر اعتراض کر دیتے یا تردید کر دیتے تو بات سمجھ میں آجاتی کہ یہ عقیدہ قابل اعتراض ہے جیسا کہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی باقی تحریروں میں اس بارے میں زور پایا جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اس موقع پہ اپنے دلائل کے ضعف کو محسوس فرما رہے تھے، ورنہ وہ اس مقام پر ضرور تردید کرتے۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں پر تردید نہیں کی بلکہ تائید کے طور پر امام مالک ؓ کا قول بھی پیش فرما دیا جس میں امام مالک ؓ نے خاتون جنت رضی اللہ عنہا کی تمام امت پر افضلیت بیان فرمائی: **لاافضل علیٰ بضعة من النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احدًا** (الخصائص الصغریٰ ص ۵۷)

یعنی امام مالک فرماتے ہیں، میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جگر گوشہ یعنی سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا پر کسی کی فضیلت تسلیم نہیں کرتا۔

لیجئے جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اس جگہ باوجود متصلب اشعری ہونے کے یہاں سپر انداز ہوتے ہیں۔ (درمنثور ج۶۔ص۵۸۹ تصنیف امام سیوطی)

اخرج ابن مردویہ عن عائشة رضی الله تعالی عنها قالت : قلت : یارسول الله (صلی الله علیه و آله وسلم) من اکرم الخلق علی الله ، قال : یا عائشة اما تقرئین" ان الذین آمنو ا وعملو ا الصلحات اولئک هم خیر البریة .

ترجمہ؛۔ جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے وہ لوگ سب سے افضل لوگ ہیں۔

اخرج ابن عساکر عن جابر بن عبدالله قال: کنا عند النبی (صلی الله علیه و آله وسلم) فا قبل علی فقال النبی (صلی الله علیه و آله وسلم) : والذی نفسی بیده ان هذا وشیعته لهم الفائزون یوم القیامة و نزلت : ان الذین آمنوا و عملوا الصلحات او لئک هم خیر البریة : فکان اصحاب النبی اذا اقبل علی قالوا : جاء خیر البریة

ترجمہ؛۔ ابن عساکر نے جابر بن عبداللہ انصاری سے حدیث اخراج کی، انہوں نے کہا "ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھے کہ اتنے میں علی مرتضیٰ ؓ آنکلے تو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، یہ شخص اور اسکی جماعت کے لوگ ہی قیامت میں کامیاب ہونے

والے ہیں" اور یہ آیت نازل ہوئی "بیشک جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے وہی لوگ بہترین مخلوق ہیں" تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب کبھی علی مرتضیٰ ؓ انکے سامنے آجاتے تو وہ کہتے "سب مخلوق میں سے اچھا شخص آگیا"

جاء خیر البریة اخرج ابن عدی و ابن عساکر عن ابی سعید مرفوعا:علی خیر البریة(درمنثور ج ٦ ص ٥٨٩). ترجمہ؛ عدی وابن عساکر نے ابوسعید سے مرفوعاً روایت کیا ہے: "علی ؓ بہترین مخلوق ہے"۔

اس جگہ جناب علی مرتضیٰ ؓ کو سب مخلوق سے افضل کہا گیا، اس سے مراد ساری اُمت، سارے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں (انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام بداہت عقلی سے مستثنیٰ ہیں)۔ یہاں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جناب مرتضیٰ ؓ کو سب مخلوق سے اچھا فرمانا ایک حجت قویہ شرعیہ ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس پر عمل فرمانا اس بات کا ثبوت ہے کہ اسمیں سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ اُمت کا مجموعی عقیدہ ہے۔ یہاں کوئی تاویل ممکن نہیں ہو گی کیونکہ امام سیوطی افضلیت ابوبکر صدیق ؓ کے اندر ایک سخت گیر وکیل ہیں۔ یہاں ان کا یہ لکھنا صاف طور پر سپر انداز ہونا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ اور مقام علی المرتضیٰ ؓ

امام دارقطنی نے شعبی سے ایک حدیث کا اخراج کیا: **اخرج الدار قطنی عن الشعبی : قال بینما ابو بکر جالس اذ طلع علی فلما رأه قال من سره ان ینظر الی اعظم الناس منزلة و اقربهم قرابة و افضلهم حالة و اعظمهم حقا**

عند رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فلینظر الی ھذا الطالع.

ترجمہ؛ جب ابوبکر صدیق ؓ بیٹھے ہوئے تھے تو ناگاہ علی مرتضی ؓ ادھر آنکلے جب انہوں نے انہیں (علی مرتضی ؓ) کو دیکھا تو کہا؛ جو آدمی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ سب سے اعلی مقام والے، سب سے قریبی، سب سے افضل حالت والے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی، بارگاہ میں سب سے بڑے حقدار کو دیکھے وہ اس سامنے ہونے والے کو دیکھے۔

دار قطنی میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے اس قول کو جو لفظاً حدیث موقوف ہے مگر حکماً حدیث مرفوع ہے دیکھنے پر انسان جناب ابوبکر صدیق ؓ کے علی مرتضی ؓ کے بارے میں عقیدہ سے آشنا ہو جائے گا۔ اعظم الناس منزلۃً (سب سے بڑے رتبہ والا) کہنا، افضلھم حالۃً کہنا علی مرتضی ؓ کی افضلیت کو پوری طرح واضح کرتا ہے۔ اگر غیر ابوبکر صدیق کو جناب ابوبکر صدیق ؓ سے افضل سمجھنا سنّیت سے خروج کے معنی دیتا ہے پھر تو جناب ابوبکر صدیق ؓ کی سنیت بھی خطرے میں پڑ گئی ہوتی؟

معلوم ہوا کہ اس مسئلہ پر چنداں زور ڈالنا دور حاضر کے بعض دانشوروں کا طبع زاد کارنامہ ہے۔ اور اسی حدیث کو قدرے مختلف الفاظ کے ساتھ کتاب 'الریاض النضرۃ فی مناقب العشرہ، ج۴۔ ص۱۱۹ پر روایت کیا گیا ہے۔ اور اسی کتاب کے صفحہ ۱۱۹۔۱۱۸ پر محبّ الدین طبریؒ نے روایت کیا؛

قال جاء ابو بکر و علی یزوران قبر النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بعد وفاتہ ستۃ ایام، قال علی لابی بکر: تقدم یا خلیفۃ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فقال ابو بکر ماکنت لا تقدم رجلا سمعت

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یقول علی منی کمنزلتی من ربی

ترجمہ: حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصال پاک کے چھ دن بعد، ابو بکر صدیق ؓ و علی مرتضی ؓ قبر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے، علی مرتضی ؓ نے ابو بکر صدیق ؓ سے کہا؛۔ اے خلیفۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ آگے ہوں۔ ابو بکر صدیق ؓ نے کہا؛۔ میں ایسے آدمی سے آگے بڑھنے کا نہیں ہوں (جسکے بارے میں) سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا؛ علی مرتضی ؓ کا مرتبہ میرے سامنے ویسے ہی ہے جیسا کہ میرا مرتبہ پروردگار کے سامنے ہے۔

ظاہر ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرتبہ بزم انبیاء میں یکتا و بے ہمتا ہے۔ تو اس تشبیہ کا مقصد یہ ہوگا کہ علی مرتضی ؓ کا مرتبہ صفوف صحابہ رضی اللہ عنہم میں یکتا و بے ہمتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی روایت کے بعد غالب حاجت نہیں رہتی۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے افضلیت علی مرتضی ؓ کا اظہار فرما کر یہ مسئلہ واضح کر دیا کہ علی المرتضی ؓ کو افضل سمجھنا یہ عقیدہ ابوبکر صدیق ؓ ہے۔

مذکورہ بالا روایات کے مزید حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

☆حلیۃ الاولیاء، جلد اول ص۱۰۶ . للامام ابونعیم اصفہانی (م ۴۳۰ھ).

☆الصواعق المحرقہ ص۱۷۷ . للامام ابن حجر مکی

☆جواہر العقدین، ص ۳۸۰، للامام نورالدین علی السمہودی (م ۹۱۱ھ)

حضرت سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ایک اور نظریہ

امام حافظ ابن حجر عسقلانی اپنی کتاب ''الاصابہ فی تمییز الصحابہ'' ج ا ص ۲۳۵ پر ارشاد فرماتے ہیں:

عن عائشہ رضی اللہ عنہا قالت ثلاثة من الانصار لم یکن احد منهم یلحق فی الفضل کلهم من بنی عبدالاشهل، سعد بن معاذ، اسید بن حضیر و عباد بن بشر۔

ترجمہ: تین انصاری تھے جن کو مرتبے میں کوئی بھی نہیں پہنچ سکتا تھا اور وہ سارے بنی عبدالاشہل میں سے تھے۔ (۱) سعد بن معاذ (۲) اُسید بن حضیر (۳) عباد بن بشر۔ جناب سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا عقیدہ دربارہ سیدۃ فاطمہ رضی اللہ عنہا بطور افضلیت مطلقہ لکھا جا چکا ہے، باستثنائے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا (جو بداہتِ عقلیہ سے مستثنیٰ ہیں) تین انصار تھے جن کا مرتبے میں کوئی شریک نہیں تھا۔ اس جگہ جناب سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ جناب ابوبکر صدیق ؓ کی افضلیت کے اجماع میں میں جناب عائشہ رضی اللہ عنہا شریک نہیں جبکہ آپ مجتہدہ ہیں، اگر اس پر اجماع ہوا ہوتا تو جناب سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ضرور پتہ ہوتا، جبکہ آپ کا وصال 57/58ھ میں ہوا اور آپ کا جنازہ جناب ابوہریرہ ؓ نے پڑھایا۔

اس پر بڑی حیرت ہوتی ہے کہ جب کوئی کسی بھی صحابی کو افضل کہے اور جناب ابوبکر صدیق ؓ کی افضلیت کی نفی لازم آتی ہو، دورِ حاضر کے دانشور پر سکتہ طاری نہیں ہوتا ہے اور خاطر عاطر پر ہرگز یہ بات گراں نہیں گزرتی مگر جونہی علی

مرتضیٰ ؓ کا نام لیا جائے آتش بداماں ہو جاتا ہے۔

ملاحظہ فرمائیے جناب سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے قبیلہ عبدالاشہل کے تین صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا نام لیا انہیں پوری اُمت سے افضل کہا مگر کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگی، اگر بالفرض علی مرتضیٰ ؓ کا نام آجاتا کئی گھروں میں صف ماتم بچھ جاتی، شورِ محشر برپا ہو جاتا۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ بغضِ علی مرتضیٰ ؓ جن کو ورثے میں ملا ہے انہیں علی مرتضیٰ ؓ کے ساتھ پرخاش کے لئے کوئی بہانہ چاہئے ہوتا ہے۔ ورنہ افضلیت ومفضولیت چنداں جھگڑے کی بات نہیں، یہ ضروریاتِ دین میں سے ہی نہیں پھر جھگڑا کیسا؟ اگر ضروریاتِ دین میں سے ہوتا تو منکر کو کافر کہتے۔

حضرت زبیر بن العوام ؓ کی افضلیت

امام حافظ ابن حجر عسقلانی اپنی کتاب الاصابہ فی تمییز الصحابہ ج ۲ ص ۱۵۸ پر حضرت زبیر بن العوام ؓ کا ذکر فرما رہے ہیں: ۔**(اما انه لاخیرهم و احبهم الی رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم (اخرجه احمد و البخاری)** ترجمہ: لیکن (زبیر بن العوام ؓ) وہ تو یقیناً سب صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل اور سب سے زیادہ محبوب ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو۔

یہاں پر امام ابن حجر عسقلانی نے بحوالہ امام احمد اور بخاری جناب زبیر بن العوام ؓ کو، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں سب سے افضل کہا اور سب سے زیادہ پیارا کہا۔ اگر ابوبکر صدیق ؓ کی افضلیت پر اجماع ہو چکا ہوتا تو زبیر بن العوام ؓ کو سب سے افضل اور سب سے زیادہ محبوب کیسے کہا جاتا؟

اس جگہ وہی سوال ابھر کر سامنے آ جاتا ہے کہ اگر ابوبکر صدیق ﷛ کی افضلیت دین کی کوئی اتنی بے حد ضروری چیز تھی اور سنیت کا بنیادی عقیدہ تھا تو اس جگہ دینی رگ حمیت کیوں نہ پھڑکی۔ وہ حساس طبیعتیں کیوں برہم نہ ہوئیں جو نامِ علی مرتضٰی ﷛ سن کر فوراً آتش بداماں ہو جاتی ہیں۔

حضرت ابوطفیل عامر بن واثلہ ﷛ کا نظریہ

امام ابن حجر عسقلانی متوفی 852ھ اپنی کتاب الاصابہ فی تمییز الصحابہ ص 193 جلد 7 پر تحریر فرماتے ہیں۔

قال صالح ابن احمد بن حنبل عن ابیه ابی الطفیل مکی ثقة قال البخاری فی التاریخ الصغیر عن ابی الطفیل قال ادرکت ثمان سنین عن حیاة النبی صلی الله علیه و آله وسلم قال ابو عمر، کان یعترف بفضل ابی بکر و عمر لکنه یقدم علیاً.

ترجمہ: صالح بن احمد بن حنبل (رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنے والد سے روایت کیا: ابوالطفیل مکی ثقہ ہیں اور بخاری نے تاریخ صغیر میں لکھا ہے ابوالطفیل کے حوالے سے، انہوں نے کہا میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی (ظاہری) زندگی کے آٹھ سال پائے، ابو عمر نے کہا (ابوالطفیل) ابوبکر صدیق ﷛ اور حضرت عمر ﷛ کے فضل و شرف کے قائل تھے مگر وہ علی مرتضٰی ﷛ کو اُن سے افضل سمجھتے۔

یہاں بتایئے کہ جناب ابوالطفیل ایک جلیل القدر صحابی ہیں جو جناب شیخین کریمین (رضی اللہ عنہما) کے فضل و شرف کے قائل تھے مگر وہ جناب علی مرتضٰی ﷛ کو افضل

سمجھتے تھے۔ اگر جناب ابوبکر ﷛ کی افضلیت پر اجماع ہو گیا ہوتا تو اس اجماع کی مخالفت یہ صحابی ہو کر کیسے کرتے؟ یہ ابوالطفیل عامر بن واثلہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں جنہوں نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آٹھ سال صحبت پائی اور 102ھ میں مکہ شریف میں سب سے آخری صحابی کی حیثیت سے رحلت فرما ہوئے۔ اس کا معنی یہ ہوگا کہ اگر یہ حضرات شیخین سے جناب علی مرتضٰی ﷛ کو افضل سمجھتے تھے تو ہرگز اجماع دربارۂ افضلیت ابی بکر صدیق ﷛ کوئی وجود نہیں رکھتا تھا کیونکہ یہ سب سے آخری صحابی تھے۔ اگر صحابہ کا اجماع دربارۂ افضلیت ابی بکر صدیق ﷛ ہوا ہوتا تو انہیں ضرور پتہ ہوتا اور یہ اس کے خلاف کبھی نہ کرتے جبکہ یہ طویل الصحبت صحابی تھے اور سب سے آخر میں وفات پائی۔

فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، علی ﷛ امام المتقین

امام حافظ ابی القاسم علی بن الحسن بن ھبۃ اللہ بن عبداللہ شافعی المعروف ابن عساکر متوفی 571ھ اپنی کتابت تاریخ مدینہ دمشق ج۴۲ص۳۷۰ پر تحریر فرماتے ہیں: **قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرحباً بسید المسلمین و امام المتقین**" (تمہارا آنا مبارک! اے سارے مسلمانوں کے سردار اور سارے متقیوں کے امام)۔

یہ حدیث مرفوع ہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جناب علی مرتضٰی ﷛ کو تمام مسلمانوں کا سردار فرمانا جملہ اُمت محمدیہ میں افضلیت کی کافی دلیل نہیں ہے کیا؟ سب اتقیاء کا سردار فرمانا، سب سے اکرم ہونیکی دلیل نہیں ہے کیا؟

یہاں سب اتقیاء سے اتقی ہونا کسی حدیث یا آیت سے استنباط نہیں کیا گیا بلکہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی مرتضیٰ ؓ کو مخاطب فرما کر صراحت فرمائی کہ علی مرتضیٰ ؓ سب اتقیاء کا سردار ہوکر اَکرَمُ الاُمّت ہیں۔

ابن عساکر شافعی اپنی کتاب تاریخ مدینہ دمشق میں ج۴۲ص۳۷۱ رقم فرماتے ہیں کہ سورۂ بیّنہ کی آیت نمبر 6 دربارۂ افضلیت جناب علی مرتضیٰ ؓ نازل ہوئی تھی اس لئے جب علی مرتضیٰ ؓ تشریف لاتے تو صحابہ کرام کہتے:

جاء خیر البریة (سب مخلوق میں سے افضل آ گیا ہے)

اس میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بداہت عقلیہ سے مستثنیٰ ہوں گے۔

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ عادی نعرہ تھا تو یہ کس طرح باور کیا جائے گا کہ وہی صحابہ افضلیت ابوبکر صدیق ؓ کے اجماع میں شریک بھی ہوئے یا افضلیت پر اجماع ہونے پر وہ خاموش رہے تھے؟

علیؑ خیر البریہ

عن ابی سعید الخدری عن النبی صلی الله علیه وآله وسلم قال علی خیر البریه۔ (درمنثور) (ابوسعید خدری ؓ (جو افاضل صحابہ میں سے ہیں) نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ "علی سب مخلوق سے (باستثنائے انبیاء) افضل ہیں"۔

یہ حدیث مرفوع ہے، یہ کسی صحابیٔ مکرم کی ذاتی سوچ یا ذاتی رائے نہیں اور اسی روایت کو ابن عدی نے اپنی کامل ج۱ص۱۷۰ میں بھی روایت کیا ہے۔

اختلافی موقف دربارۂ اجماع برافضلیت جناب ابوبکر صدیق ؓ جو کہ ایک حدیث مرفوع ہے: عن ابی حذیفه بن یمان، قال سمعت النبی صلی الله علیه وآله وسلم یقول: علی خیر البشر، من ابی فقد کفر (حذیفہ بن الیمان سے روایت ہے علی ؓ سب انسانوں سے (باستثنائے انبیاء علیہم السلام) افضل ہیں جو اس کا انکار کرے گا وہ کافر ہے)۔

امام ابن عساکر اسی کتاب کے اسی صفحہ پر اسی حدیث کو ایک اور سلسلہ اسناد کے ذریعے سے روایت کرتے ہیں: علی خیر البشر، من ابی فقد کفر ترجمہ: علی سب انسانوں سے (باستثنائے انبیاء علیہم السلام) افضل ہیں جو اس کا انکار کرے گا وہ کافر ہے۔

اسی کتاب کی ج۴۲ص۳۷۲ پر ہے: عن جابر علی خیر البشر لایشک فیه الا منافق. حضرت جابر ؓ سے روایت ہے کہ علی ؓ سب انسانوں سے افضل ہیں اس میں منافق کے بغیر کوئی شک نہیں کرتا۔

اسی صفحہ پر ابن عساکر رقمطراز ہیں: عن جابر قال سئل عن علی فقال ذالک خیر البریة لایبغضه الا کافر. ترجمہ: جناب جابر ؓ سے روایت ہے آپ سے جناب علی مرتضیٰ ؓ کے بارے میں پوچھا گیا آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا۔ وہ (باستثنائے انبیاء علیہم السلام) سب مخلوق سے افضل ہیں اس حقیقت کو کافر کے سوا کوئی ناپسند نہیں کرتا۔

مندرجہ بالا روایات پر بعض اہل علم نے کلام کیا ہے تاہم ہمارے نقل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ان کے راویوں اور اپنی کتب میں درج کرنے والے محدثین کو کسی نے خارج از اہل سنت یا خارج از اسلام قرار نہیں دیا۔

افضلیت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

عزالدین ابن اثیر ابوالحسن علی بن محمد الجزری متوفی 630ھ اپنی کتاب اسد الغابہ پر تحریر فرماتے ہیں:

عن ابن بریدہ عن ابیہ قال. خدیجہ اول من اسلم مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ثم علی وقال ابوذر والمقداد خباب وجابر وابوسعید الخدری وغیرھم اِن علیا اول من اسلم بعد خدیجہ وفضلہ ھولاء علی غیرہ.

ترجمہ: ابن بریدہ سے روایت ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا: خدیجہ رضی اللہ عنہا سب سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان لائیں پھر علی رضی اللہ عنہ ایمان لائے اور ابوذر اور مقداد اور خباب اور جابر اور ابوسعید خدری (رضی اللہ عنہم) نے کہا کہ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سب سے پہلے ایمان لائے جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد اور ان لوگوں نے انہیں (علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ) کو دوسرے صحابہ کرام اور افرادِ اُمت سے افضل سمجھا۔

اس روایت کے بارے میں یہ کہنا کہ اس روایت میں علامہ ابن عبدالبر تنہا اور متفرد ہیں، غلط ہے، اس روایت کو تلقی بالقبول حاصل ہے لہٰذا اس میں تفرد ابن عبدالبر کی تاویل رکیک ہے۔

اب اجماع نصی وسکوتی کی تفصیلات ختم ہو رہی ہیں۔

امام ابوبکر احمد بن علی الجصاص رازی متوفی 370ھ اپنی کتاب "الفصول فی الاصول" 2-136 لکھتے ہیں:

اذااختلفت الجماعتان اللتان وصفھماماذکرنافی حکم الحادثۃوانکربعضھم علی بعض ماقالوااولم ینکرہ لم ینعقد باحدی الجماعتین اجماع اذالم یکن یثبت ضلال احدالفریقین عندناوھذالااخلاف فیہ۔

ترجمہ: (جس وقت ایسی جماعتوں کا باہم اختلاف ہو جائے جن کے اوصاف ہم نے کسی حادثہ کا حکم بیان کرنے میں ذکر کئے ہیں (اہل ضلالت کے موافق ہونے کا اعتبار نہیں ہوگا کیونکہ حق صحت اجماع میں شرط ہے اور وہ اجماع جو اللہ تعالیٰ کی حجت ہے وہ تو صرف اہل حق کا اجماع ہے جن کا فسق اور گمراہی ثابت نہ ہو)۔ اور ایک دوسرے کے قول کی تردید کریں یا نہ تردید کریں، تو ایک جماعت کے قول پر اجماع منعقد نہیں ہوگا۔ جس وقت تک دونوں جماعتوں میں سے ایک کا گمراہ ہونا ثابت نہ ہو۔ اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں)

چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا ایک قول یا حدیث تقریری ملتی ہے اور چند دوسری احادیث ملتی ہیں جو اخبار واحدہ ہیں یا ظنی الدلالت یا متعارض ہیں۔ اور جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر 20 حوالہ جات از قسم احادیث مرفوعہ و اقوال صحابہ گزشتہ صفحات میں پیش کئے جا چکے ہیں۔ اس اختلاف کے ہوتے ہوئے اجماع کے منعقد ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے دعویدار تھوڑے ہیں اور جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے دعویدار بھی زیادہ ہیں اور دلائل بھی کثیر از قسم احادیث مرفوعہ ہیں۔ عنقریب جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت مرویہ از عبداللہ

بن عمر رضی اللہ عنہما اور آیت سیجنبھا الاتقی پر گفتگو ہونے والی ہے۔

چونکہ صحابہ کرام میں افضلیت کے بارے میں اجماع نہیں ہوسکا۔ لہٰذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال خلافیہ میں سے کسی ایک پر عمل کیا جاسکتا ہے، مگر ان اقوال خلافیہ میں سے خارج ہونا جائز نہیں ہوگا کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال خلافیہ کو اجماع مرکب کی حیثیت حاصل ہے۔

ابوبکر جصاص متوفیٰ 370ھ اپنی کتاب ''اصول الجصاص (الفصول فی الاصول) 138-2 پر تحریر فرماتے ہیں:

انما فائدة قوله صلى الله عليه وآله وسلم "اصحابي كالنجوم بايهم اقتديتم اهتديتم" ان الحق لايخرج عنهم.

ترجمہ: سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کا فائدہ "میرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ستاروں کی مانند ہیں جس کی بھی پیروی کروگے ہدایت پاجاؤ گے، یہ ہے کہ حق ان سے خارج نہیں ہوگا۔

حاصل کلام یہ ہوگا کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اجماع نہیں ہوسکا تو اُن کے اقوال خلافیہ سے باہر نہیں جانا بلکہ اُن میں سے کسی ایک قول کے اختیار کرلینے کی اجازت ہوگی، کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حق دائر ہے۔

حضرت ملا علی قاری حنفی ہروی متوفی 1014ھ اپنی کتاب شرح فقہ اکبر کے صفحہ 178 پر تحریر فرماتے ہیں: **فقال ابو منصور البغدادي من اكابر الائمة الشافعية: اجمع اهل السنة والجماعة على ان افضل الصحابة ابوبكر فعمر، فعثمان فعلي، فبقية العشرة المبشرة بالجنة فاهل**

بدر فباقي اهل احد فباقي اهل بيعة رضوان بالحديبيّة فباقي الصحابة رضي الله عنهم انتهىٰ. ولعله اراد بالاجماع اجماع اكثر اهل السنة لان الاختلاف واقع بين عثمان وعلي عند بعض اهل السنة

ترجمہ: ابومنصور بغدادی نے جو شافعیہ کے اکابر ائمہ میں سے ہیں کہا: اہل سنت والجماعت نے اس بات پر اجماع کیا کہ ابوبکرؓ سب صحابہ سے افضل ہیں پھر عمرؓ، پھر عثمانؓ، پھر علیؓ، پھر عشرہ مبشرہ، پھر اہل بدر پھر باقی اہل احد پھر باقی اہل بیعت رضوان جنہوں نے حدیبیہ میں بیعت کی پھر باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم افضل ہیں۔

غالباً انہوں نے اجماع سے اکثر اہل السنّت والجماعت مراد لئے ہیں کیونکہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان بعض اہل سنت کا اختلاف گزرا ہے۔

حضرت ملا علی قاری ہروی رحمۃ اللہ علیہ نے شوافع کے دعویٰ اجماع کی تردید فرما دی۔ کیونکہ اجماع یا نصی ہوسکتا ہے یا سکوتی، تیسرا اجماع مرکب ہے جو ہمارے دائرہ گفتگو سے خارج ہے۔ اجماع نصی ہوتا تو منکر تفضیل ابوبکر صدیقؓ کو کافر کہتے۔

فالاقوىٰ اجماع الصحابة نصًا مثل ان يقولوا اجميعًا اجمعنا على كذا فانه مثل الاية والخبر المتواتر حتى يكفر جاحده كما ومنه الاجماع على خلافة ابي بكرؓ (نور الانوار مع حاشیہ قمر الاقمار ص ۲۲۲)

ترجمہ: (سب سے مضبوط اجماع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع نصی ہے مثلاً سب یوں کہیں ہم نے ایسی ایسی بات پر اتفاق کرلیا ہے پس وہ (اجماع) آیت یا خبر متواتر کی مانند ہے جس کا منکر کافر مرتد دیا جائے گا، جناب ابوبکر صدیقؓ کی خلافت پر اسی برادری کا اجماع ہے)

آج تک ابوبکر صدیقؓ کی افضلیت کے منکر کو کسی نے کافر قرار نہیں دیا۔ ثابت ہوا کہ افضلیت ابوبکر صدیقؓ پر اجماع نصی نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں ہوسکا نہ ہی بعد میں ہوسکا۔

رہ جاتا ہے اجماع سکوتی وہ تو شوافع کے ہاں حجت ہی نہیں۔ امام فخر الدین محمد بن عمر بن الحسین الرازی متوفی 606ھ اپنی کتاب ''المحصول فی علم اصول الفقہ'' 153/4 پر خامہ فرسائی فرماتے ہیں:

القسم الثالث فیما ادخل فی الاجماع ولیس منہ' المسئلة الاولی واذاقال اہل العصر قولاًکان الباقون حاضرین لکنہم سکتواومااَنکروہ فمذہب الشافعی (رضی اللّٰہ عنہ')

ترجمہ: تیسری قسم، اس چیز کے بیان کرنے میں ہے کہ جو اجماع میں داخل کی گئی ہے حالانکہ وہ اجماع کی برادری میں سے نہیں ہے۔ پہلا مسئلہ جس وقت ایک زمانے کے (مجتہد) لوگ کوئی بات کریں اور باقی (مجتہدین) موجود ہوں لیکن وہ چپ رہیں اور اس بات کا انکار نہ کریں، تو مذہب شافعی یہ ہے (اور وہ مذہب حق ہے) کہ وہ اجماع نہیں ہے اور نہ ہی وہ حجت شرعیہ ہے۔

یعنی بالفاظ دیگر امام شافعی کے نزدیک اجماع سکوتی حجت شرعیہ ہی نہیں۔ آپ بتائیے جب اجماع نصی کسی بھی دور میں ہوا ہی نہیں اور اجماع سکوتی امام شافعی کے نزدیک حجت شرعیہ ہی نہیں اور اجماع سکوتی کے عدم انعقاد پر بیسیوں شواہد پیش کیئے جاچکے ہیں۔ اب بتائیے ابو منصور بغدادی شافعی اشعری رحمۃ اللہ علیہ کس طریقے سے دعویٰ اجماع برائے افضلیت ابوبکر صدیقؓ کررہے ہیں جس کا حوالہ ملا علی قاری

نے شرح فقہ اکبر صفحہ 178 پر دے کر اس کا رد کیا ہے۔ جس سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ افضلیت ابوبکر صدیقؓ پر کسی طرح کا اجماع نہیں ہوسکا نہ ہی نصی نہ ہی سکوتی۔ اب ذرا علامہ تفتازانی شافعی اشعری کی تحقیقات دربارۂ افضلیت ابوبکر صدیقؓ ودیگر خلفائے راشدین ملاحظہ فرمائیے:

قال امام الحرمین مسئلة امام المفضول لیست بقطعیة ثم لاقاطع شاہدمن العقل علی تفضیل بعض الائمة علی البعض والاخبارالواردة علی فضائلہم متعارضةلکن الغالب علی الظن ان ابابکر افضل ثم عمرثم یتعارض الظنون فی عثمان وعلی رضی اللہ عنہما. (شرح مقاصد ج۲ ص۲۹۸)

ترجمہ: امام الحرمین نے کہا امامت مفضول کا ممنوع ہونا قطعی نہیں پھر عقل کی کوئی قطعی شہادت نہیں مل سکی جو بعض ائمہ (خلفائے راشدین) کی ایک دوسرے پر افضلیت ثابت کرسکے۔ اور اُن کے فضائل میں وارد ہونے والی احادیث متعارض ہیں۔ لیکن غالب گمان یہ ہے کہ ابوبکر صدیق افضل ہیں پھر عمر، پھر عثمان اور علی (رضی اللہ عنہم) کے بارے میں گمان آپس میں ٹکراتے ہیں۔

اب امام ابوالحسن اشعری کی اپنی مصنفات سے استشہاد کرنا زیادہ مناسب ہوگا جو کہ جناب ابوبکر صدیقؓ کی کل اُمت سے بمعہ اہل بیت کے افضلیت کے پہلے مدعی ہیں اور نظریہ افضلیت تامہ کے پہلے مصنف ہیں۔

امام ابوالحسن اشعری 330ھ اپنی کتاب ''الابانہ عن اصول الدیانہ'' ج۲ ص۲۵۵ پر تحریر فرماتے ہیں:

واذاوجبت امامة ابی بکر رضی اللہ عنہ، وجب عنہ، افضل المسلمین. ترجمہ: جب ابوبکرؓ کی امامت متحقق ہوگئی تو یہ امر بھی متحقق ہوگیا کہ آپ سب مسلمانوں سے افضل ہیں۔

اس عبارت کی منطقی شکل یہ بنے گی کہ جناب ابوبکر صدیقؓ (اہل حق کے اتفاق سے) خلیفہ قرار پائے اور جو بھی خلیفہ ہوجائے وہ اُن سب سے افضل ہوتا ہے جن کے حق میں خلیفہ بن جائے۔لہٰذا نتیجہ منطقیہ ہوا کہ جناب ابوبکرؓ سب سے افضل ہوئے۔امام ابوالحسن اشعری متوفی 330ھ کا یہ نتیجہ، فاسدہ ہے کیونکہ اس میں صحت صوری تو ہے مگر صحت مادی نہیں کیونکہ کبری خلاف واقعہ ہے۔افضل کی موجودگی میں مفضول کو خلیفہ بنایا جاسکتا ہے۔ یہ روافض کا عقیدہ ہے افضل کی موجودگی میں مفضول کو خلیفہ نہیں بنایا جاسکتا لہٰذا خلافت مفید افضلیت نہیں ہوگی۔

نیز ابوالحسن اشعری متوفی 330ھ کی ایک دوسری کتاب مقالات الاسلامیین ج۲ص۱۴۷ کا حوالہ ملاحظہ فرمائیے:

قولهم فی افضل الناس بعد الرسول : و اختلفوا فی ا لتفضیل:.

(۱) فقال قائلون: افضل الناس بعد رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم، ابو بکر ،ثم عمر ثم عثمان ثم علی

(۲) وقال قائلون: افضل الناس بعد رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم :ابو بکر ،ثم عمر ثم علی ثم عثمان

(۳) قال قائلون:نقول: ابو بکر ثم عمر ثم عثمان ثم نسکت بعد ذالک

(۴) قال قائلون: افضل الناس بعد رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم علی ثم بعده ابو بکر

(۵) قال قائلون لاندری ابوبکر افضل ام علی.

ترجمہ: ”ان کا بیان سب لوگوں سے افضل کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد“ انہوں نے تفضیل کے بارے میں اختلاف کیا ہے:

(۱) کچھ کہنے والوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد، سب سے افضل ابوبکر پھر عمر، پھر عثمان پھر علی (رضی اللہ عنہم اجمعین) ہیں۔

(۲) کچھ لوگوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، کے بعد سب سے افضل ابوبکر پھر عمر پھر علی پھر عثمان ہیں۔(رضی اللہ عنہم اجمعین)

(۳) کچھ لوگوں نے کہا: (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے افضل) ابوبکرؓ پھر عمرؓ پھر عثمانؓ پھر چپ کر جاتے تھے۔

(۴) کچھ لوگوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، کے بعد سب سے افضل علیؓ اُن کے بعد ابوبکرؓ ہیں۔

(۵) کچھ کہنے والوں نے کہا: ہمیں معلوم نہیں کہ ابوبکرؓ افضل ہیں یا علیؓ۔

اس جگہ قابل غور امر ہوگا کہ امام ابوالحسن اشعری کے نزدیک، اگر خلافت مفید افضلیت ہوتی تو اہل سنت وجماعت کے ان مکاتب کا کیوں ذکر کرتے بلکہ فرماتے کہ افضلیت ابوبکر صدیقؓ کا منکر کافر یا گمراہ یا مبتدع یا زندیق ہے اور اگر افضلیت ابوبکر صدیقؓ پر اجماع نصی تام ہوگیا ہوتا تو منکر کو کافر کہتے اور شافعی ہونے کے ناطے سے اجماع سکوتی کے قائل ہی نہیں۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ افضلیت

ابوبکر صدیق ؓ پر کوئی اجماع نصی بھی نہیں ہوا اور سکوتی بھی نہیں۔

ہم نے گزشتہ صفحات میں بیسیوں شواہد پیش کئے ہیں جن میں جناب علی مرتضیٰ ؓ کو افضل سمجھنے، جناب سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو، جناب ابراہیم ؓ ابن رسول اللہ کو خلفائے راشدین سے افضل سمجھے جانے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے افضل سمجھے جانے اور جناب جعفر طیار ؓ کو افضل سمجھے جانے کا ثبوت ہے۔ ان عقائد کے رکھنے والوں کو کسی نے اہل سنت سے خارج نہیں کیا۔ امام حسن ؓ خلیفہ راشد ہیں وہ بھی حضرت علی مرتضیٰ ؓ کو خلفاء وصحابہ سے افضل سمجھتے ہیں۔

اور ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر صفحہ 178 پر افضلیت پر اجماع کی تردید کرتے ہوئے اکثر اہل سنت والجماعت کے متفق ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔ مگر یہ رائے بھی ضعیف وناتواں محسوس ہوتی ہے کیونکہ اہل السنّت والجماعت کے سرخیل تو ائمہ اربعہ ہیں جن کے عقائد ان نظریات کے خلاف ہیں جن کے حوالہ جات مندرجہ ذیل عبارات میں ہم پیش کرنا چاہیں گے۔ جب جہابذہ روزگار اور ائمہ مقتدایان اس کے خلاف رائے رکھیں تو اکثریت اہل سنت وجماعت کا دعویٰ بھی پادر ہوا ہوگا۔

لیجئے ملاحظہ فرمائیے: امام عبدالکریم شہرستانی متوفی 548ھ اپنی کتاب ''الملل والنحل'' ج 1 صفحہ 155 پر جناب امام زید بن علی زین العابدین رضی اللہ عنہما کے عقیدہ کے بارے میں رقمطراز ہیں:

وكان مذهبه جوازامامة المفضول مع قيام الافضل فقال كان علی ابن ابی طالب رضی الله عنه افضل الصحابة الاان الخلافة

فوضت الی ابی بکرٍ لمصلحة راوهاوقاعدة دينية راعوهامن تسكين نائرة الفتنة وتطييب القلوب العامة فان عهدالحروب التی جرت فی ايام النبوة كان قريباً وسيف امير المؤمنين علی ان دماء المشركين من قريش وغيرهم لم يجف بعدوالضغائن فی صدورالقوم من طلب الثار كماهی فماكانت القلوب تميل اليه كل الميل ولاتنقادالرقاب كل الانقيادفكانت المصلحة ان يكون القائم بهٰذاالشان من عرفوه‘ باللين والتوده والتقدم بالسن.

ترجمہ: (امام ابوحنیفہ کی امام زید بن علی سے بیعت تھی جو کربلا شریف کے بعد حزب اختلاف کے پہلے لیڈر تھے) ان کا مذہب یہ تھا کہ افضل کے ہوتے مفضول کی امامت درست ہے۔ انہوں نے کہا علی بن ابی طالب ؓ سبھی صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل تھے مگر یہ کہ خلافت جناب ابی بکر ؓ کو کسی مصلحت کے تحت سپرد کی گئی جس کو انہوں نے مدنظر رکھا اور کسی قاعدہ دینیہ کے تحت انہوں نے ایسا کیا جس کو انہوں نے ملحوظ خاطر رکھا یعنی فتنہ کی آگ کو بجھانا عوام کے دل کو خوش کرنا۔ کیونکہ وہ دور نبوت جس میں جنگیں لڑی گئیں وہ قریب تھا اور جناب امیر المومنین علی ؓ کی تلوار قریش اور دوسرے مشرکین کے خون سے ابھی خشک نہیں ہوئی تھی۔ اور طلب انتقام کے پر از کینہ احساسات ابھی اس طرح زندہ تھے اور لوگوں کے دل پوری طرح آپ کی طرف مائل نہیں تھے اس لئے قرین مصلحت یہ بات تھی کہ اس کام کو سنبھالنے والا ایک ایسا شخص ہونا چاہئے جس کو لوگ نرمی وملائمت کے عنوان سے جانتے ہوں اور (اس کے مرنجاں مرنج ہونیکی

وجہ سے اس کی) دوستی کا دم بھرتے ہوں اور (وہ ایک) عمر رسیدہ شخص ہونا چاہئے۔

امام عبدالکریم شہرستانی اپنی اسی کتاب الملل والنحل 1-158 پر ورطۂ تحریر میں لاتے ہیں:

وكان ابوحنيفة على بيعته ومن جملة شيعته حتىٰ رفع الامر الى المنصور وحبسه، وقيده، حبس الابد حتىٰ مات فى الحبس وقيل انه، بايع محمد بن عبدالله الامام فى ايام المنصور ولما قتل بالمدينة بقى الامام ابوحنيفة على تلك البيعة يعتقد موالاة اهل البيت ورفع حاله، الى المنصور فتم عليه ماتم.

ترجمہ: جناب امام ابوحنیفہؓ ان کی بیعت پر تھے (امام ابوحنیفہ کی زید بن علیؓ سے بیعت تھی) اور ان کے شیعہ (ساتھیوں) میں سے تھے۔ حتیٰ کہ ان کا معاملہ منصور خلیفہ عباسی تک پہنچ گیا تو اُس نے آپ کو عمر بھر قید دیدی یہاں تک کہ قید خانہ ہی میں وصال فرما گئے، یہ بھی کہا گیا کہ آپ (امام ابوحنیفہؓ) نے محمد نفس زکیہ بن عبداللہؓ (محض) سے ایام منصور میں بیعت کی اور جب محمد نفس زکیہؓ مدینہ شریف میں شہید کردیئے گئے، تو امام ابوحنیفہؓ اسی بیعت پر قائم رہے جبکہ اہل بیت کی دوستی کا دم بھرتے رہے حتیٰ کہ ان کا حال منصور کو بتلایا گیا تو پھر ان پر جو بیتی سو بیتی۔

اب غور طلب بات یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؓ جیسا بالغ نظر آدمی اس کو کیوں پتہ نہ ہو کہ جناب ابوبکر صدیقؓ کی افضلیت پر اجماع صحابہ ہو چکا ہے۔ اور اجماع نصی تام شرع میں حجت قطعیہ ہے اس کا منکر کافر ہوتا ہے اور یہ جانتے ہوئے کہ امام زید بن علیؓ جناب علی مرتضیٰؓ کی افضلیت کا عقیدہ رکھتے بمعہ جملہ ہاشمی خاندان

کے جو کہ مدینہ طیبہ کی غالب اکثریت ہے۔ کیسے بیعت کر لیتے اور اسی بیعت پر قائم رہتے اور تادم آخرین اسی عہد کے پابند رہتے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ اجماع خلافت پر ہوا افضلیت پر نہیں ہوا۔

سیّد سند شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ

سیّد شریف جرجانی متوفی 816ھ اپنی کتاب شرح مواقف ج 8-404 پر رقمطراز ہیں: **وثبوت الامامة وان كان قطعيا لايفيد القطع بالافضلية. بل غايته الظن** ۔ خلافت کا ثبوت اگرچہ قطعی ہے مگر افضلیت کے قطعی ہونے کے معنی نہیں دیتا بلکہ اس کے ثبوت کی انتہا ظن ہے۔

یہ شریف جرجانی ہیں، نقش فریادی ہے جن کی شوخئ تحریر کا، جو سنیت کی حمایت میں تیغ براں یا شیر ژیان کا کردار رکھتے ہیں وہ بھی سپرانداز ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ افضلیت کا کوئی قطعی ثبوت ہمارے پاس نہیں، اس کی غایت ظن ہے۔ بلکہ شریف جرجانی نے اس معاملے میں قول امام آمدی جو کہ توقف کے معنی دیتا ہے، بطور محاکمہ نقل کیا ہے اور بتایا کہ افضلیت کے بارے توقف کو اولویت حاصل ہے جس کا ذکر بعد میں توقف کے باب میں آنے والا ہے۔

اگر افضلیت جناب ابوبکر صدیقؓ پر اجماع ہو گیا ہوتا تو پھر وہ قطعی الثبوت کیسے نہ ہوتا؟

حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب تکمیل الایمان صفحہ 59 پر تحریر فرماتے ہیں: ''**ثبوت امامت اگرچہ قطعی است لیکن ازاں جا**

قطع با فضلیت لازم نیاید ''(امامت کا ثبوت اگرچہ قطعی ہے، لیکن اس سے افضلیت کی قطعیت لازم نہیں آتی)۔

شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ''تکمیل الایمان'' صفحہ 59 پر ورطۂ تحریر میں لاتے ہیں: **وایں مسئلہ نیست کہ متعلق عمل باشدتابہ مجردظن دراں باب اکتفاتوانندکردبلکہ ایں مسئلہ ازباب علم واعتقاداست کہ مطلوب دروے جزم ویقین است۔**

ترجمہ: یہ مسئلہ عمل سے متعلق نہیں کہ اس میں صرف ظن پر اکتفاء کیا جائے بلکہ یہ مسئلہ (افضلیت) علم واعتقاد سے متعلق ہے جس میں یقین اور وثوق درکار رہتا ہے۔

حقائق مسطورہ بالا سے یہ حقیقت طشت ازبام ہو آئی ہے کہ جناب ابوبکر صدیق ؓ کی افضلیت پر اجماع کا دعویٰ بے بنیاد و بے اصل ہے۔

حضرت امام زید ؓ کا مقام و مرتبہ

اس جگہ دو اہم سوال ابھر کر سامنے آتے ہیں (۱) کیا امام زید بن علی ؓ بذات خود سنی ہیں یا شیعہ؟ (۲) کیا امام زید بن علی ؓ افضلیت علی کا عقیدہ رکھنے میں منفرد تھے یا کہ باقی اہل بیت رسول اور ہاشمی اس عقیدہ میں ان کے ساتھ متفق تھے؟

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ امام اُستاد عبدالقاہر بن طاہر تمیمی بغدادی متوفی 429ھ اپنی کتاب ''اصول الدین'' صفحہ 307 پر خامہ فرسا ہیں:

اول متکلمی اهل السنة من التابعین عمربن عبدالعزیز وله رسالة بلیغة فی الردعلی القدریة ثم زیدبن علی بن الحسین بن ابی

طالب وله کتاب فی الردعلی القدریة من القرآن.

ترجمہ: تابعین میں سب سے پہلے متکلم اہل سنت کے عمر بن عبدالعزیز ؓ ہیں اور ان کا ایک بلیغ رسالہ ہے جو قدریہ کے رد میں ہے پھر دوسرے متکلم اہل سنت کے زید بن علی بن حسین بن ابی طالب رضی اللہ عنہم ہیں اور ان کی ایک کتاب ہے جو کہ انہوں نے بحوالہ قرآن قدریہ کے رد میں لکھی ہے۔

امام عبدالقاہر بن طاہر جو کہ اشعری مذہب کے بہت سخت گیر وکیل ہیں نے واضح کر دیا ہے کہ حضرت زید بن علی ؓ اہل سنت کے ایک گرم جوش وسخت کوش متکلم ہیں جنہوں نے مشکل ترین حالات میں سے گزرتے ہوئے بھی اہل سنت کا دفاع کیا ہے اور اہل باطل کی سرکوبی کی ہے اور دندان شکن کتاب لکھی۔

اب رہ جاتا ہے یہ سوال کہ کیا دوسرے افراد اہل بیت و دیگر ہاشمی لوگ بھی اُن کے اس عقیدے سے موافقت رکھتے تھے یا نہیں؟

امام جمال الدین مزی اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ''تہذیب الکمال فی اسماء الرجال'' ج۳ص۱۰۷ پر اور علامہ مومن بن حسن مصری شبلنجی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''نورالابصار فی مناقب آل بیت النبی المختار'' میں امام زید کے تذکرہ میں ص۱۹۵ پر لکھتے ہیں:

قیل لجعفرالصادق ومحمدبن عبدالله نفس زکیه ان الرافضة یتبرؤن من عمک زید(ابن علی)فقال براء الله ممن تبراء عمی کان والله اقرء نالکتاب الله وافقهنافی دین الله واوصلناللرحم والله ماترک فیناللدنیاللآخرة مثله.

ترجمہ: حضرت جعفر صادق ؓ و محمد بن عبداللہ ؓ (سید نفس زکیہ) سے پوچھا گیا کہ رافضی آپ کے چچا جناب زید بن علی ؓ سے تبرا کرتے ہیں تو امام جعفر صادق اور محمد بن عبداللہ (سید نفس زکیہ) نے کہا: اللہ تعالیٰ اس سے تبرا کرے جو ہمارے چچا سے تبرا کرتا ہے، خدا کی قسم وہ ہم سب آل محمد کے مقابلے میں قرآن کا زیادہ عالم ہے اور ہم سب سے زیادہ دین کا جاننے والا ہے اور ہم سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والا ہے، خدا کی قسم ہم میں اس کی مانند کسی نے دنیا کو آخرت کیلئے نہیں چھوڑا۔

یہاں سیّد نفس زکیہ ؓ (محمد بن عبداللہ محض) اور حضرت امام جعفر صادق ؓ نے اُن کے صحت عقیدہ اور کمال علم و عمل کی شہادت دی جس سے ثابت ہوا کہ وہ ان کے عقیدہ، علم و عمل سے پوری طرح متفق تھے۔

اسی صفحہ پر علامہ مومن بن حسن مصری شبلنجی لکھتے ہیں "**قال ابو اسحق السبیعی: رآیت زید بن علی، فلم ار فی اهله مثله ولا اعلم منه ولا افضلهم ولا افصحهم لساناً واکثرهم زهداً و بیاناً**"

ترجمہ: ابو اسحٰق سبیعی کہتے ہیں: میں نے زید بن علی ؓ کو دیکھا اور میں نے اُس کے خاندان (نبوت) میں اس جیسا کوئی نہیں دیکھا۔ نہ ہی اس جیسا عالم دیکھا اور نہ ہی اس سے بہتر کوئی شخص دیکھا اور وہ اُن سب سے زیادہ فصیح اللسان تھا۔ اور سب سے زیادہ زاہد تھا اور سب سے زیادہ اچھا مقرر تھا۔

علامہ مومن بن حسن مصری شبلنجی اسی کتاب کے صفحہ 196 پر لکھتے ہیں **قال الشعبی** (یہ بھی امام ابوحنیفہ ؓ کے اُستاد ہیں) **واللہ ماوَلَدَ النساءُ افضل من زید بن علی ولا افقه ولا اشجع ولا ازهد.**

ترجمہ: امام شعبی ؓ نے کہا کہ عورتوں نے زید بن علی سے زیادہ فاضل شخص، اور زیادہ قانون دان اور زیادہ بہادر اور زیادہ زاہد جنا ہی نہیں۔

اسی صفحہ پر علامہ مومن بن حسن مصری شبلنجی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

قال ابو حنیفه: شاهدت زید بن علی کما شاهدت اهله فما رایت فی زمانه اَفقه منه ولا اعلم ولا اسرع جواباً ولا ابین قولاً.

ترجمہ: میں نے حضرت زید بن علی ؓ کو دیکھا جیسا کہ میں نے اُن کے خاندان کو دیکھا میں نے اُن کے دور میں اُن سے زیادہ قانون دان دیکھا نہ ہی اُن سے زیادہ علم رکھنے والا نہ ہی ان سے زیادہ سریع الجواب اور نہ ہی فصیح البیان دیکھا۔

یہاں اُس کے دور کے مشہور لوگوں کے تائیدی بیان بھی ہیں امام ابوحنیفہ ؓ اور اُن کے اساتذہ کا اُن پر بھرپور اعتماد اور جناب امام جعفر صادق ؓ جو ائمہ اُمت کی غالب اکثریت کے اُستاد اور جملہ سلاسل اولیاء اللہ کے پیر و مرشد ہیں انہوں نے اپنے چچا زید بن علی ؓ کے علم و عقیدہ پر پورا اعتماد ظاہر کیا۔

نیز سیّد نفس زکیہ ؓ جن کے ساتھ جناب امام مالک ؓ کی بیعت ہے اور امام شافعی ؓ کے فیصلہ کن اور تکمیلی اُستاد ہیں اور سلسلہ حنابلہ بھی انہی پر چل کر منتہی ہوتا ہے۔ وہ بھی پوری طرح سیّد زید بن علی ؓ کو اپنا مقتداء سمجھتے اور ان کے علم و عمل اور قانونی فہم و دانش پر بھرپور اعتماد کرتے ہیں۔ ان تحقیقات سے حضرت زید بن علی کی شخصیت بے غبار تو کیا بدر منیر ہو آئی اور آئینہ حق نما ہوگئی کہ امام ابوحنیفہ ؓ نے اور حضرت امام جعفر صادق ؓ اور سیّد نفس زکیہ ؓ (سیّد محمد بن سیّد عبداللہ محض) نے جناب امام زید بن علی ؓ کو علی وجہ البصیرت اپنا امام مانا اور ان کے ہاتھ پر بیعت بھی کی

ہے۔جیسا کہ علامہ عبدالکریم شہرستانی نے لکھا ہے اور شذرات الذهب میں ابن عماد حنبلی نے بھی لکھا ہے:

وارسل اليه ابوحنيفه بثلاثين الف درهم وحث الناس على نصره وكان مريضاً وكان قداخذعنه كثيراً وحضرمعه من اهله محمد بن عبدالله النفس لزكيه و عبدالله بن على بن الحسين (شذرات الذهب صفحہ 159 ،ابن عمادالحنبلی متوفی 1089ھ)

ترجمہ: امام ابوحنیفہؒ نے تیس ہزار درہم بھیجے اور لوگوں کو ان کی حمایت کیلئے (بھرپور طریقے سے) آمادہ کیا۔ وہ خود بیمار تھے۔اور امام ابوحنیفہؒ نے زیادہ تر علم انہی سے پڑھا تھا۔اور اُن کے اپنے گھر والوں میں سے محمد بن عبداللہ نفس زکیہؒ اور عبداللہ بن علی بن الحسینؒ بھی ساتھ آئے۔

چونکہ طریقہ کار یہ تھا کہ پہلے بیعت ہوتی تھی بعد میں ساتھ دیتے تھے۔اور مالی مدد بھی کرتے تھے امام ابوحنیفہؒ نے پہلے بیعت کی ہوئی تھی جیسا کہ عبدالکریم شہرستانی نے ''الملل والنحل'' صفحہ 158 پر درج کیا ہے لہٰذا انہوں نے بیمار ہونے کی صورت میں 30 ہزار درہم کر دیئے تھے اور محمد بن عبداللہ محض، سیّد نفس زکیہ اور سیّد عبداللہ بن علی بن حسین ساتھ اس لئے آئے تھے کہ انہوں نے جناب سیّد زید بن علی بن الحسین سے بیعت کی ہوئی تھی۔(رضی اللہ عنہم)

تو اس سے پتہ چلا کہ وہ جناب مرتضیٰؑ کی افضلیت کے عقیدے میں بھی متفق تھے جیسا کہ ''حیات حضرت امام ابوحنیفہؒ'' صفحہ 1-180 اُستاد ابوزہرہ مصری نے لکھا ہے ''معلوم یہ ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ کے افضل الصحابہ ہونے کے

عقیدہ میں شیعہ منفرد نہ تھے بلکہ بعض صحابہ بھی اس کے قائل تھے چنانچہ عمار بن یاسر، مقداد بن الاسود، ابوذر غفاری، سلمان الفارسی، جابر بن عبداللہ انصاری، ابی بن کعب، حذیفہ، بریدہ، ابوایوب، سہل بن حنیف، عثمان بن حنیف، ابوالہیثم خزیمہ بن ثابت، ابوالطفیل الدوسی عامر بن واثلہ، عباس بن عبدالمطلب (رضی اللہ عنہم) اُن کے بیٹے، تمام بنی ہاشم تفضیل کا عقیدہ رکھتے تھے۔ابتداء میں زبیر کا بھی یہی خیال تھا پھر اُس سے رجوع کر لیا تھا، بنوامیہ میں بھی بعض لوگ اس کے قائل تھے مثلاً خالد بن سعید بن العاص اور عمر بن عبدالعزیز۔

اس دور کا نظام عمل یہ تھا کہ پہلے بیعت کرتے تھے پیچھے اطاعت کرتے تھے۔ اطاعت کرنا وضاحت ہوتی تھی بیعت کرنے کی۔جیسا کہ ابن عماد حنبلی متوفی 1089ھ نے صفحہ 158 پر زید بن علی کے حالات لکھتے وقت لکھا کہ جب آپ نے علم جہاد بلند کیا اور اپنی اطاعت کی دعوت دی تو ایک گروہ آیا انہوں نے آ کر کہا کہ شیخین کریمین کو تبرا کرو تو ہم تمہارے ساتھ بیعت کریں جس سے اطاعت کا آغاز ہو جائے گا۔

لماخرج زيد بن على يدعوالى طاعته جاء ته طائفة وقالوا تبرا من ابى بكر و عمر حتى نبايعك. فقال اتبراء ممن تبرا منهما فقالوا اذا نرفضك فسموا رافضة من يومئذ. (شذرات الذهب صفحہ 158)

ترجمہ: جب زید اپنی اطاعت کی دعوت دینے کے لئے نکلے تو ان کے پاس ایک جماعت آئی تو انہوں نے کہا کہ تم ابوبکر وعمر کو تبرا کرو تاکہ ہم تمہارے ساتھ بیعت کریں (تو پھر اطاعت ہوگی) آپ نے فرمایا بلکہ اُس کو تبرا کرتا ہوں جو انہیں تبرا کرتا ہے۔تو انہوں نے کہا ہم آپ کو چھوڑتے ہیں اُس دن سے ان کا نام رافضی پڑ گیا۔

اس بیان سے یہ نتیجہ نکلا کہ جو اطاعت کیلئے نکلا وہ پہلے بیعت کر چکا تھا۔
اور بیعت سے یہ نتیجہ نکلا کہ بیعت اُسی نے کی جو عقیدہ میں متفق تھا۔

اب ہم یہ سمجھنے میں حق بجانب ہیں کہ سیّد زید بن علی کا عقیدہ تفضیل علی کا تھا جیسا کہ امام عبدالکریم شہرستانی نے "الملل والنحل" صفحہ 155 پر لکھا اور امام ابوالحسن اشعری متوفی 330ھ نے مقالات اسلامیین ج اصفحہ 137 پر بھی لکھا ہے:

وکان زیدبن علی یفضل علی ابن ابی طالب علٰی سائر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ویتولی ابابکروعمر۔

ترجمہ: اور امام زید بن علی ؓ جناب مولیٰ مرتضیٰ ؓ کو باقی اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے افضل سمجھتے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ اور عمر فاروق ؓ سے پیار کرتے تھے۔
یہاں پر امام اشعری نے بڑے واضح الفاظ میں امام زید کا عقیدہ خود بیان کر دیا ہے۔

سیّد زید بن علی ؓ کی اطاعت میں سیّد محمد بن عبداللہ ؓ (نفس زکیہ) اور سیّد ابراہیم ؓ نکلے۔ معلوم ہوا کہ ان کا عقیدہ بھی تفضیل علی ؓ میں سیّد زید بن علی ؓ کے موافق تھا۔ جیسا کہ گزشتہ سطور میں جملہ خاندان بنی ہاشم کا عقیدہ تفضیل علی بتایا گیا۔ امام ابوحنیفہ کی بیعت سیّد زید بن علی سے تھی اور امام ابوحنیفہ عقیدہ میں متفق نہ ہوتے تو کبھی بیعت نہ کرتے چونکہ پڑھا ہی انہی سے تھا لہٰذا اُن کے عقیدہ سے پوری طرح متفق تھے۔ اور امام مالک کی بیعت سیّد محمد بن عبداللہ (نفس زکیہ) سے تھی جن کی سیّد زید بن علی سے بیعت تھی اب ظاہر ہے کہ امام مالک کی عقیدہ میں جناب سیّد نفس زکیہ سے موافقت نہ ہوتی تو وہ کبھی اُن سے بیعت نہ کرتے اور قید وبند کی صعوبتیں بھی نہ سہتے۔

اور امام ابوحنیفہ نے پہلے زید بن علی کے لئے تکالیف سہیں پھر سیّد نفس زکیہ کے لئے مصائب ومشکلات کا مقابلہ کیا۔ آخر میں جناب ابراہیم برادر نفس زکیہ کے لئے بھی تکالیف اٹھائیں اور ان کا بھرپور ساتھ دیا۔ ابن عماد حنبلی اپنی اسی کتاب شذرات الذہب، ج اص 213 پر ورطہ تحریر میں لاتے ہیں:

وکان خرج مع ابراھیم کثیر من القراء والعلماء منھم ھیثم وابوخالد الاحمروعیسیٰ بن یونس و عباد بن العوام و یزیدبن ھارون وابو حنیفۃ وکان یجاھرفی امرہٖ و یحث الناس علی الخروج معہ کما کان مالک یحث الناس علی الخروج مع اخیہ محمد وقال ابواسحاق الفراری لابی حنیفۃ ما اتقیت اللہ حیث حثثت اخی علی الخروج مع ابراھیم فقتل فقال انہ کمالو قتل یوم بدر و قال شعبۃ واللہ لھی عندی بدرالصغریٰ۔

ترجمہ: جناب ابراہیم کے ساتھ بہت سارے قراء وعلماء شریک جہاد ہوئے ان میں سے ہیثم اور ابوخالد الاحمر عیسیٰ بن یونس اور عباد بن العوام اور یزیدبن ہارون اور ابوحنیفہؒ تھے اور ان کے بارے میں کھلم کھلا تبلیغ فرماتے تھے اور لوگوں کو اُن کے ساتھ شریک جہاد ہونے کی ترغیب دیتے تھے جیسا کہ امام مالک اُن کے (جناب ابراہیم کے) بھائی جناب محمد (بن عبداللہ، نفس زکیہ) کے ساتھ شریک جہاد ہونے پر آمادہ کرتے تھے۔ ابواسحٰق الفراری نے امام ابوحنیفہ سے کہ تم خدا سے نہیں ڈرے جبکہ تم نے میرے بھائی کو سیّد ابراہیم کے ساتھ شریک کارزار ہونے پر آمادہ کیا تو وہ قتل ہوگیا؟ امام ابوحنیفہ ؓ نے کہا اس کی حیثیت تو ایسی ہے جیسا کہ وہ بدر شریف میں

شہید ہوا ہو۔ شعبہ نے کہا خدا کی قسم میرے نزدیک تو یہ (سیّد ابراہیم کی جنگ تو) چھوٹے بدر کی مانند ہے۔ (بدرِ صغریٰ ہے)

ان تفصیلات سے پتہ چلا کہ ہاشمی خاندان (فاطمی خاندان) کے یہ سارے سپوت تفضیل علیؓ کا عقیدہ رکھتے تھے جن کا ساتھ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ نے ببانگ دہل دیا ہے اور ڈنکے کی چوٹ پر اُن سے بیعت کر کے اور عملاً شریک ہوکر اپنی دینی سچائی اور خاندان نبوت سے پوری وابستگی کا ثبوت فراہم کیا ہے یہی وجہ ہے کہ ان حضرات کے اساتذہ بھی ہیں اور تلامذہ ہیں اور اہل علم بھی اور بہت ساری کتب کے مصنف بھی مگر لوگوں نے امام ان کو مانا جو اولادِ رسول کے لئے مصائب و آلام سہہ سکتے تھے اور مظالم کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ ایسا لگتا ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک سچائی کا معیار اور صداقت کی کسوٹی اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت میں سچا ہونا تھا۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ جن کی تقلید کا دائرہ پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہے کے دو نمونے پیش کئے گئے کہ یہ لوگ اُن کے مرید اور باج گزار تھے جو تفضیل علیؓ کا عقیدہ رکھتے تھے اور انہیں اپنا امام سمجھ کر اُن کے پیچھے نماز پڑھتے رہے۔ اب بتائیے کہ تفضیل علی کے مدعی کے پیچھے نماز ہو سکتی ہے یا نہیں؟ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے بارے میں بھی تفصیلات بعد میں آنے والی ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ

ابو زہرہ مصری نے اپنی کتاب ''حیات حضرت امام ابوحنیفہ'' صفحہ 181 میں لکھا ہے کہ تمام بنی ہاشم اور خصوصاً حضرت عباسؓ اور اُن کی اولاد کا عقیدہ تفضیل

علی کا تھا جبکہ اس کی تائید تاریخی شواہد سے نہیں ہو رہی کیونکہ سیّد نفس زکیہ (محمد بن عبداللہ) اور خلیفہ عباسی، منصور کے درمیان جو خط و کتابت ہوئی اس میں منصور نے جناب مرتضٰیؓ کی شان میں کافی گستاخی کے کلمات لکھے جس سے پتہ چلتا ہے خاندان عباسیہ میں تفضیل علی کا عقیدہ نہیں تھا۔

جواباً عرض ہے کہ تفضیل علیؓ کا عقیدہ خاندان عباسیہ میں اس وقت تک زندہ رہا جب تک وہ خود خلافت کے غاصب نہیں ہوئے۔ ابن عماد حنبلی متوفی 1089ھ شذرات الذہب صفحہ 213-12 جیز تحریر میں لاتے ہیں:

وقد كان المنصور والسفاح في خلافة الامويين من الدعاة الى محمد بن عبدالله هذا.

ترجمہ: منصور اور ابوالعباس سفاح (دونوں) خلافت بنی امیہ کے دور میں اسی محمد بن عبداللہؓ (سیّد نفس زکیہ) کی طرف دعوت دیا کرتے تھے۔

یعنی سیّد نفس زکیہؓ جن کی بیعت سیّد زید بن علی کے ساتھ تھی اور جو تفضیل علی کا عقیدہ رکھتے تھے انہی کی طرف یہ بھی دعوت دیا کرتے تھے جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ تفضیل علیؓ کے داعی تھے کیونکہ نظام دعوت یہ تھا کہ پہلے بیعت کرتے اور عقیدہ و عمل میں مطابقت کا اعلان کرتے بعد میں کسی کی طرف دعوت دیا کرتے منصور وابوالعباس سفاح کی سیّد نفس زکیہ کے ساتھ بیعت تھی اس وجہ سے وہ سیّد نفس زکیہ کی طرف لوگوں کو دعوت کرتے تھے۔ بعد میں جب انقلاب آیا تو خلافت انہوں نے غصب کر لی امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کو عباسیہ سے اختلاف ہی یہی تھا کہ ہم

نے اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (اولاد فاطمہ) کے لئے جنگ لڑی ہے اور انقلاب آنے پر تم نے اولادِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دھوکا کیا اسی لئے ان دونوں آئمہ اہل سنت نے پہلے سیّد زید بن علی بن الحسینؓ کی برملا معاونت کی اور جانی مالی دونوں خدمات پیش کیں پھر سیّد محمد بن عبداللہ (سیّد نفس زکیہؓ) کی اعانت کی پھر سیّد ابراہیم برادر سیّد نفس زکیہ کی امداد کی۔ ان دونوں بزرگوں نے ان ائمہ اہلبیت کے علم جہاد کو اور بلند کیا، بیعت بھی کی اور حق بجانب بھی قرار دیا اور ان کی وفاء کے سلسلے میں قید و بند کی دشواریاں بھی قبول کیں، بازو بھی کٹوائے، جیل میں توہین بھی قبول کی مگر سر مو بھی توّلائے اولاد فاطمہ میں فرق نہ لائے۔ اور اہل سنت پر سنیت کا راز فاش کر دیا اور جھوٹی سنیت کے جھوٹے دعویداروں کا قیامت تک کے لئے گریبان چاک کر دیا۔ یہی دو شخصیتیں صحراء سنیت کی گویا کہ پہلی صحرا نورد ہیں اور سنیت کے بعد میں آنے والے دو امام، امام شافعیؓ و امام احمد بن حنبلؓ انہی کے خرمن سنیت کے خوشہ چین ہیں۔ بعد میں آنے والے شواہد اس امر کی صرف غمازی ہی نہیں کریں گے بلکہ کچا چٹھہ بھی پیش کریں گے۔

امام مالکؓ کا مسجد نبوی میں جمعہ و جماعت ترک کر دینا

ابن خلکان متوفی 608ھ اپنی کتاب "وفیات الاعیان" ج ۴ ص ۱۳۶ پر رقم کرتے ہیں: **ثم ترک الجلوس فی المسجد فکان یصلی وینصرف الی مجلسه وترک حضور الجنائز فکان یاتی اصحابها فیعزیهم ثم ترک ذالک کله فلم یکن یشهد الصلوات فی المسجد ولا الجمعة ولا یاتی احداً یُعزیه.**

ترجمہ: پھر آپؓ نے مسجد میں بیٹھنا چھوڑ دیا نماز پڑھتے اور واپس اپنی نشست گاہ پر لوٹ جاتے اور آپ نے جنازوں میں جانا ترک دیا آپ مرحومین کے ورثاء کے پاس جاتے اور تعزیت کرتے پھر آپ نے یہ سبھی باتیں ترک کر دیں پھر آپ نمازوں میں مسجد میں حاضر نہ ہوتے اور نہ ہی جمعے میں، اور نہ کسی کے پاس تعزیت کے لئے جاتے (اس کے بعد امام مالکؓ تقریباً 35 سال مدینہ طیبہ میں زندہ رہے۔ اور پہلے سے آپ کی عزت بڑھ گئی اور منکرین کے بارے میں اُن میں ذرہ لچک پیدا نہ ہوئی)

معلوم ہوا کہ امام مالکؓ دشمن اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پورے نظام زندگی کو کالعدم سمجھتے تھے لہٰذا جماعت و جمعہ تک مسجد نبوی میں ترک کر دیا، جس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ امام بدعقیدہ ہو (منکرِ عظمت و محبتِ اولاد رسول ہو تو) تو اُس کی امامت ہی منعقد نہیں ہوتی (بمطابق مسلک امام مالک) تو پھر اقتداء کیسی ہوئی؟

یوم قیامت تک آل بیت النبی سے بغض و عناد رکھنے والا فرض کا منکر ہے جس کے پیچھے بعقیدہ امام مالکؓ نماز نہیں ہو سکتی۔ **"آل بیت النبی صلی الله علیه وآله وسلم هم علی وجه التحقیق علی وفاطمه و اولاد هما ومن تناسل منهما حتی تقوم الساعة"** (مقدمہ التحقیق حقوق اہل البیت صفحہ 5، لابن تیمیہ)

ترجمہ: (آل بیت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تحقیقی طور (یہ اشخاص ہیں) علی اور فاطمہ اور اُن کی اولاد اور جو قیامت ان دونوں سے پیدا ہوگی)

وآل بیت النبی مفروض علی المسلمین حبهما و مودتهما بامر الله فی کتابه العزیز: قل لا اسئلکم علیه اجراً الا المودة فی القربی (شوری آیت 23)

ترجمہ :(آل بیت النبی کی محبت و مودت مسلمانوں پر فرض ہے قرآن میں ہے"فرمادیجئے(یارسول اللہ) میں اس پرتم سے اجر نہیں مانگتا مگر میرے اقرباء کی محبت)

کہا جاسکتا ہے کہ امام مالک ؓ نے ترک جمعہ و جماعت جو فرمایا ہے بوجہ علالتِ طبع فرمایا تھا، یہ دعویٰ بے بنیاد ہوگا کیونکہ امام مالک ؓ نے اُن کے نظام خلافت کو باطل وکالعدم قرار دیدیا تھا۔البدایہ والنہایہ میں صفحہ 10-84 پر عماد الدین ابن کثیر متوفی 775ھ لکھتے ہیں:

'قدروی ابن جریر عن الامام مالک انه افتی الناس بمبایعته فقیل له فان فی اعناقنا بیعة للمنصور، فقال انما کنتم مکرهین ولیس لمکره بیعة. فبا یعه الناس عندذالک عن قول مالک.

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ نے امام مالک ؓ سے روایت کیا کہ انہوں نے اُن (محمد بن عبداللہ ؓ)(سیّد نفس زکیہ ؓ) سے بیعت کا فتویٰ دیا تو اُن سے کہا گیا کہ ہمارے گلوں میں منصور کی بیعت کا حلقہ (موجود) ہے تو امام مالک ؓ نے فرمایا: تم پر جبر کیا گیا تھا اور کسی بھی مجبور کی کوئی بیعت نہیں تو لوگوں نے امام مالک کے قول کے مطابق سیّد محمد بن عبداللہ (سیّد نفس زکیہ ؓ) کی بیعت کی اور امام مالک ؓ سیّد محمد بن عبداللہ (سیّد نفس زکیہ ؓ) کے خروج کے وقت سے مسکن پابند ہوگئے عزاوھناء کے لئے اور جمعہ وجماعت کے لئے گھر سے باہر نہیں جایا کرتے تھے۔

عماد الدین ابن کثیر متوفی 775ھ البدایہ والنہایہ 10-174 پر تحریر کرتے ہیں۔ "ومن خروج محمد بن عبدالله بن حسن لزم مالک بَیتَه لم یکن یاتی احداً لالعزاء ولاهناء ولایخرج لجمعة ولالجماعة"

ترجمہ: ترجمہ امام محمد بن عبداللہ بن حسن ؓ (سیّد نفس زکیہ) کے خروج سے لے کر مسکن پابند ہوگئے کسی کے ہاں خوشی یا غمی میں نہیں جایا کرتے تھے اور نہ ہی کسی جمعہ یا جماعت کے لئے جایا کرتے تھے۔

ابن خلکان متوفی 608ھ وفیات الاعیان صفحہ 4-137 درج فرماتے ہیں

"سعی به الی جعفر بن سلیمان بن علی بن عبدالله بن عباس وهو ابن عم ابی جعفر المنصور وقا لواله انه لایری ایمان بیعتکم هذه بشیء فغضب جعفر و دعا به وجرده وضربه بالسیاط و مدت یده حتی انخلعت کتفه وارتکب منه امراً عظیماً فلم یزل بعد ذالک ضرب فی علو ورفعة وکانما کانت تلک السیاط حلیا حلی به.

ترجمہ: امام مالک ؓ کے متعلق جعفر بن سلیمان بن علی بن عبداللہ بن عباس کے ہاں چغلی کھائی گئی اور وہ ابوجعفر منصور کا چچازاد بھائی تھا۔انہوں نے اُس سے کہا۔وہ (امام مالک ؓ) تمہارے عہد و بیعت کو کچھ بھی نہیں سمجھتا، (کالعدم سمجھتا ہے) تو جعفر بن سلیمان بہت غضبناک ہوا اور انہیں بلا بھیجا۔اور اُن کے (امام مالک ؓ کے) کے کپڑے اتار کر درے مارے اور اُن کا ہاتھ کھینچا نتیجةً کندھا ہی بدن سے جدا ہوگیا۔اور جعفر نے ان کے بارے میں کبائر کا ارتکاب کیا تو امام مالک ؓ اس ضرب کے بعد لگاتار پروان چڑھتے گئے (اور وہ ذروہ علیین کو پہنچے) گویا کہ یہ درے زیور تھے جن سے انہیں آراستہ کیا گیا۔

اسی صفحہ پر ابن خلکان انشاپرداز ہیں: فی سنة سبع واربعین وماة (بحواله ابن جوزی. شذور العقود) وضرب مالک بن انس سبعین

سوطاًلاجل فتوی لم توافق غرض السلطانِ.

ترجمہ: 147ھ میں امام مالک ؓ بن انس کوستر درے مارے گئے کیونکہ انہوں نے بادشاہ کی غرض کے خلاف فتوی دیا تھا۔

ان ساری تفصیلات سے امام مالک کے موقف کا پتہ چلا، ساتھ اُن کا دیا جو تفضیل علی ؓ کے قائل تھے اور نمازیں بھی انہی کے پیچھے پڑھیں جو تفضیل علی کے قائل تھے اور ان کی مخالفت کی جو اس عقیدہ کے خلاف تھے، نہ ہی ان کے پیچھے نماز باجماعت پڑھی اور نہ ہی ان کے پیچھے جمعہ پڑھا گو کہ جمعہ بشرائط فرض عین ہے اور نماز باجماعت سنت موکدہ قریب الوجوب ہے۔

حضرت امام محمد بن ادریس شافعی ؓ کا حال ملاحظہ فرمائیے

اس مقام پر حضرت امام محمد ؓ بن ادریس شافعی کی سوانح حیات بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ اُن کا عقیدہ دربارۂ خلافت راشدہ واہل بیت بیان کرنا مقصود ہے کیونکہ گزشتہ سطور میں حضرت ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر صفحہ 178 پر افضلیت کی ترتیب پر اجماع کی تردید فرمائی تھی اور کہا تھا کہ اکثر اہل سنت اس پر متفق تھے۔ سو اس پر جناب امام ابوحنیفہ ؓ اور امام مالک بن انس ؓ کی دربارۂ افضلیت آراء پیش کی گئیں اور بتایا گیا کہ دونوں بزرگوں کی بیعت حضرت زید بن علی ؓ اور حضرت محمد بن عبداللہ ؓ (سیّد نفس زکیہ) سے علی الترتیب المذکور تھی جو کہ تفضیل علی کے برملا داعی تھے اور اسی پر لوگوں نے اُن سے بیعت کی تھی اس سے یہ بات الم نشرح ہوگئی تھی کہ ان دو بانیان مذاہب کا عقیدہ تفضیل علی ؓ کا نہ ہوتا تو کبھی ان لوگوں سے بیعت نہ کرتے جو تفضیل علی کے داعی تھے۔

اب امام محمد بن ادریس شافعی ؓ کے عقیدہ پر روشنی ڈالنے کے لئے ان کی ذاتی تعلیمات پر روشنی ڈالنی پڑے گی اور ان کے مصادر تعلیمات پر بھی تبصرہ کرنا پڑے گا۔ امام شافعی فرماتے ہیں:

یا اھل بیت رسول اللہ حبکم

فرض من اللہ فی القرآن انزلہ

کفاکم من عظیم القدر انکم

من لم یصل علیکم لاصلوٰۃ لہ

(الصواعق المحرقة صفحه146)

ترجمہ: (اے اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہاری محبت اللہ کی طرف سے فرض ہے۔ اُس قرآن میں جو اُس نے نازل کیا ہے۔ تمہاری عظمت قدر کے باب میں یہ بات کافی ہے کہ جو تم پر صلوٰۃ نہ بھیجے اُس کی نماز ہی نہیں ہوتی)

امام شافعی ؓ کا محبت اہل بیت کو فرض قرآنی سمجھنا یقیناً اہل بیت کی یکتائی و بے ہمتائی کے معنی دیتا ہے جس میں وہ کسی دوسرے کو شریک نہیں سمجھتے۔ دلائل عدمِ مماثلت کسی کے حق میں اس وقت پیش ہوا کرتے ہیں جبکہ اس کو عدیم النظیر اور فقید المثال ثابت کرنا مقصود ہو یہ قطعاً غیر منطقی بات ہے کہ کوئی دلائل تو کسی اور کی ناہمسری کے پیش کرے اور افضل کسی دوسرے کو سمجھے۔

جس وقت امام شافعی ؓ نے محبت اہل بیت کو فرضِ قرآنی سمجھا اور اس میں کسی دوسرے کو شریک اور حصہ دار تسلیم نہیں کیا تو معلوم ہوا خواہ کوئی بھی ہو، امام شافعی ؓ اس کو اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہم پلہ نہیں سمجھتے۔

جب امام شافعی رضی اللہ عنہ نے درود کو فرض نماز قرار دیا اور بتایا کہ اُن کے نزدیک کسی شخص کی نماز خواہ صحابی، مہاجر ہو، خلیفہ ہو، عشرہ مبشرہ ہو حاضرین بدر میں سے ہو یا حاضرین احد میں سے یا اہل بیعت رضوان میں سے یا فتح مکہ سے سابقین میں سے ہو جب تک اہل بیت پر صلوٰۃ نہ بھیجے نماز نہیں ہوتی اور یہ طرہ امتیاز صرف اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل ہے۔

یہ حقائق بیان کرنے سے امام شافعی رضی اللہ عنہ کی مراد اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی افضلیت بیان کرنا ہے۔اس سے امام شافعی رضی اللہ عنہ کے عقیدہ کی ایک حد تک وضاحت ہوجاتی ہے۔مزید براں امام شافعی رضی اللہ عنہ اپنے عوارض ذاتیہ اور انقلابات سیاسیہ کا ذکر کر کے بتاتے ہیں:

اذا نحن فضلنا علیا فاننا
روافض بالتفضیل عندذوی الجھل

ترجمہ: ہم نے جب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو تفضیل دی تو ہم لوگ جہلاً کے نزدیک افضلیت دینے کی وجہ سے رافضی ہیں۔

وفضل ابی بکر اذا ماذکرتہ
رُمیت بنصب عندذکری للفضل

ترجمہ: جب میں جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضلیت بیان کروں تو میرے (جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی) فضلیت بیان کرنے پر مجھے ناصبی ہونیکی تہمت دی جاتی ہے۔

فلازلت ذارفض و نصب کلاھما
بحبھما حتی اُوَسّدفی الرمل

ترجمہ: میں رافضی اور ناصبی ہی رہوں گا ان دونوں بزرگوں کی محبت کی وجہ سے حتی کہ مجھے قبر میں سلا دیا جائے۔

تبصرہ:

یہاں امام شافعی فرماتے ہیں کہ حضرت مولا مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو جب بھی کبھی میں نے افضلیت دی تو مجھے جاہلوں نے رافضی کہا۔یہ سوچ جہلاء کی ہے کہ حضرت حیدرِ کرار رضی اللہ عنہ کو افضل کہا جائے تو کوئی رافضی ہوجاتا ہے۔کوئی اہل علم ایسا نہیں کرتا کیونکہ جملہ بنی ہاشم کا عقیدہ جناب حیدرِ کرار رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا تھا جیسا کہ بحوالہ کتب مبرھن ومدلل کیا جاچکا ہے اور معتبرات اہل سنت سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس شوری کے ممبران جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا عقیدہ رکھتے تھے اور بالخصوص حضرت عباس رضی اللہ عنہ تادمِ آخرین یہی عقیدہ رکھتے تھے۔حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ (خلیفہ راشد) اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بھی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا عقیدہ رکھتے تھے (فتاویٰ عزیزیہ صفحہ 380) اور جناب عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد بھی یہی عقیدہ رکھتے تھے کہ جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے افضل تھے اور امام زید بن علی رضی اللہ عنہ جن سے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی بیعت تھی وہ بھی افضلیت علی رضی اللہ عنہ کا عقیدہ رکھتے تھے اور اسی کے داعی تھے۔

اور بہت سارے سنی علماء وصوفیا بھی اسی عقیدہ پر تھے (فتاوی عزیزیہ صفحہ 380) اگر افضلیت کا عقیدہ موجب رفض ہوتا تو یہ لوگ رافضی ہوتے۔اور

جناب ابوالطفیل عامر بن واثلہ جن کا وصال 102ھ میں ہوا اور سب سے آخر میں وصال فرمانے والے صحابی ہیں، وہ شیخین کی عزت کیا کرتے تھے مگر جناب علی مرتضٰی ؓ کو افضل جانتے تھے مگر ان جملہ حضرات کو نہ ہی کسی نے شیعہ کہا نہ ہی کسی نے رافضی کہا۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ افضلیت علی مرتضٰی ؓ کا عقیدہ رکھنے سے رافضی نہیں ہوتا بلکہ شیخین کریمین کو تبرا کرنے سے رافضی ہوتا ہے، جیسا کہ ابن عماد حنبلی متوفی 1089ھ نے اپنی کتاب ''شذرات الذہب صفحہ 1-158 پر لکھا ہے:

لماخرج زید بن علی یدعوالی طاعته جاء ته طائفة وقالوا تبرا من ابی بکر و عمر حتی نبایعک. فقال اتبراء ممن تبرا منهما فقالوا اذا نرفضک فسموا رافضة من یومئذٍ.

ترجمہ: جب زید بن علی ؓ اپنی اطاعت کی دعوت دینے کے لئے نکلے تو آپ کے پاس ایک جماعت آئی اور انہوں نے کہا کہ آپ شیخین کریمین (رضی اللہ عنہما) کو تبرا کریں تو ہم آپ سے بیعت کریں گے تو آپ ؓ نے فرمایا میں اس کو تبرا کرتا ہوں جو انہیں تبرا کرے، تو اُس دن سے انہیں رافضی کہا جانے لگا۔

روافض کی تاریخ وجود سے پتہ چلتا ہے کہ جنہیں رافضی کہا گیا وہ شیخین کریمین کو تبرا کرنے والے تھے اور جس نے انہیں پہلی مرتبہ رافضی کہا وہ حضرت سیّد زید بن علی ؓ تھے جو جناب علی مرتضٰی ؓ کو سب صحابہ سے افضل سمجھنے والے تھے۔

اب جن لوگوں نے جناب شیخین کریمین (رضی اللہ عنہما) کو تبرا کیا عالم اسلام نے انہیں رافضی کہا اور جس نے جناب علی مرتضٰی ؓ کو شیخین کریمین رضی اللہ عنہما اور جملہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل سمجھا اُسے اُمت نے اہل سنت کا امام اور متکلم کہا۔

عبدالقاہر جرجانی متوفی 429ھ اپنی کتاب ''اصول الدین'' صفحہ 307 پر لکھتے ہیں:

اول متکلمی اهل السنة من التابعین عمربن عبدالعزیزوله رسالة بلیغة فی الردعلی القدریة ثم زیدبن علی بن الحسین بن ابی طالب وله کتاب فی الردعلی القدریة من القرآن.

ترجمہ: تابعین میں سے پہلے سنی متکلم جناب عمر بن عبدالعزیز اور ان کا ایک بلیغ رسالہ ہے قدریہ کہ رد میں: پھر زید بن علی بن الحسین بن علی ہیں اور اُن کی ایک کتاب ہے جو کہ قرآنی حوالہ جات سے قدریہ کے رد میں ہے۔

یہاں جن دو کو اہل سنت کا تابعین میں مقدم متکلم کہا گیا وہ دونوں حیدرِ کرار ؓ کو سب صحابہ رضی اللہ عنہم میں افضل سمجھنے والے تھے۔ معلوم ہوا کہ افضلیت علی کا عقیدہ رکھنے والا سنی نہ رہتا تو پہلے وہ صحابہ کرام سنی نہ رہتے جو یہ عقیدہ رکھتے تھے۔ اور دوسرا یہ دونوں حضرات عمر بن عبدالعزیز ؓ اور زید بن علی ؓ سنی نہ رہتے جب ان دونوں حضرات کو تابعین میں چوٹی کا سنی متکلم مانا گیا تو ثابت ہوا کہ رافضی اُسے کہتے ہیں جو شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کو تبرا کرے، اور جو افضلیت کا عقیدہ رکھے وہ نہ صرف سنی ہو سکتا ہے بلکہ وہ سنیوں کا امام ہو سکتا ہے جیسا کہ امام حسن ؓ، عمر بن عبدالعزیز ؓ اور امام زید بن علی ؓ جن کے مرید امام ابوحنیفہ ؓ تھے، امام مالک ؓ سیّد نفس زکیہ ؓ اور سیّد ابراہیم ؓ مرید تھے۔

تو اب معلوم ہوا کہ امام شافعی نے جو افضلیت کا نعرہ لگایا تو لوگوں نے انہیں

رافضی کہا تو آپ نے فرمایا کہ جہلاء کا عقیدہ ہے کہ علی کو افضل سمجھنے سے آدمی رافضی ہو جاتا ہے۔اس عقیدے کے لوگ دنیائے اسلام کے مسلمہ روزگار اور خلفائے راشدین گزرے ہیں اس لئے اس عقیدہ پر رفض کا انتساب شعار جہلاء ہے۔

امام شافعی کے کلام میں جناب علی مرتضٰی ؓ کے لئے لفظ تفضیل استعمال کرنا اور جناب ابوبکر صدیق ؓ کے لئے لفظ فضل استعمال کرنا اس کا فرق اہل علم پر مخفی نہیں۔اب امام شافعی ؓ اپنے عقیدے کی مزید وضاحت فرماتے ہیں:۔

قالوا ترفّضتَ قُلتُ کلا

ماالرفض دینی ولا اعتقادی

ولکن تولیت غیر شک

خیر امام و خیر هادی

ترجمہ: لوگوں نے مجھے رافضی کہا میں نے کہا ہرگز نہیں۔رفض نہ ہی میرا دین ہے نہ ہی میرا اعتقاد۔لیکن بلاشبہ میں نے سب سے افضل امام اور سب سے افضل ہادی سے پیار کیا ہے۔

خیر امام خیر ہادی

(سب سے اچھا امام، سب سے اچھا ہادی علی ؓ ہے)

اہل علم کے نزدیک اسم تفضیل کے تین استعمال ہیں:

(۱) بواسطہ من (۲) بذریعہ الف لام تعریف (۳) بطور اضافت

اس جگہ لفظ "خیر" مضاف ہے امام کیطرف جونکرہ ہوکر حکم جمع میں ہے

اور اسم تفضیل کا استعمال بطریقہ اضافت کا معنی یہ ہوتا ہے کہ مضاف ان سب خوبیوں کا مالک ہے جو کہ مضاف الیہ میں پائی جاتی ہیں اور ان کے سوا ان خوبیوں کا بھی مالک ہوتا ہے جو کہ مضاف الیہ کے کسی فرد میں بھی نہیں پائی جاتیں۔معلوم ہوا کہ امام شافعی کے بقول وہ خوبیاں جو جناب حیدر کرار رضی اللہ عنہٗ میں پائی جاتی ہیں وہ کسی دوسرے آدمی میں نہیں پائی جاتیں۔(انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بداہت عقلی سے مستثنٰی ہے)۔اس سے تفضیل علی ؓ کا مفہوم نکلتا ہے۔

حضرت امام شافعی ؓ کے ان اشعار سے اُن کا عقیدہ کھل کر سامنے آجاتا ہے۔انہوں نے جناب مرتضٰی ؓ کو خیر امام" (سب سے افضل امام) خیر ہادی (سب سے اچھا اور افضل ہادی) کہا چونکہ آپ ہاشمی تھے آپ کے جداعلی سائب یوم بدر کو مسلمان ہوئے اور اُن کے بیٹے جناب شافع بھی صحابی تھے۔ہاشمی ہونے کے ناطے سے بھی جناب حیدرِ کرار ؓ کی افضلیت کا عقیدہ آپ کے لئے ممکن تھا کیونکہ ہاشمیوں کی قیادت اہل بیت تھے جو دین میں اپنے آپ کو اصل بھی سمجھتے اور افضل بھی سمجھتے تھے حدیث ثقلین اس کی واضح شہادت بھی تھی۔

علامہ دیلمی ہمدانی متوفی 509ھ نے اپنی کتاب الفردوس 4-283 پر حدیث 6838 روایت فرمائی ہے۔"عن انس نحن اهل بيت لا يقاسُ بنا احَدٌ. ترجمہ: ہم اہل بیت ہیں ہمارے برابر کوئی بھی نہیں ہوسکتا۔

یہ روایت امام محبّ الدین طبری نے بھی "ذخائر العقبیٰ" ص ۱۷ پر بعینہٖ نقل فرمائی ہے۔اس حدیث میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے آپ کو اہل بیت میں شمار فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ ہمارے برابر کوئی نہیں ہوسکتا اور نہ ہی برابر قرار دیا جاسکتا ہے۔

رئیس المجددین سیّدنا پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''اپنے خطبات میں سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ نے صاف فرما دیا ہے ''لا یقاس بآل محمد صلی اللہ علیہ وسلم من ھٰذہ الامۃ احدٌ .الخ''۔ یعنی آلِ پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی کو مساوات نہیں۔ (تصفیہ ما بین سنی وشیعہ، ص ۸۵)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک نکتہ نگاہ

اعلیٰحضرت فاضل بریلوی نے افضلیت کے باب میں مختلف اقوال فرمائے مگر اقوال از قسم استنباط و استدلال ہیں مگر یہ حوالہ آپ کا بزبان نبوت ہے۔ فتاویٰ رضویہ ج ۲۳ ص ۲۳۲ حدیث نمبر 89، آپ نقل فرماتے ہیں:

اول من اشفع له یوم القیمة من امتی اهل بیتی ثم الاقرب فالاقرب من قریش ثم الانصار ثم من اٰمن بی واتبعنی من الیمن ثم من سائر العرب ثم الاعاجم ومن اشفع له اولا افضل رواه الطبرانی ۔ فی الکبیر والدار قطنی فی الافراد والمخلص فی الفوائد عن ابن عمر رضی الله تعالٰی عنهما.

ترجمہ: (روز قیامت میں سب سے پہلے اہل بیت کی شفاعت فرماؤں گا۔ پھر درجہ بدرجہ زیادہ نزدیک ہیں قریش تک۔ پھر انصار۔ پھر وہ اہل یمن جو کہ مجھ پر ایمان لائے اور میری پیروی کی، پھر باقی عرب، پھر اہل عجم۔ اور میں جس کی شفاعت پہلے کروں وہ افضل ہے اس کو روایت کیا ہے طبرانی نے کبیر میں اور دار قطنی نے افراد میں اور مخلص نے فوائد میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے)

تبصرہ:

''میں پوری امت میں سب سے پہلے، اپنی اہل بیت کی شفاعت کروں گا، یہ صغریٰ ہوا۔'' اور جس کی میں سب سے پہلے شفاعت کروں گا وہ سب سے افضل ہے'' یہ کبریٰ ہوا ''میری اہل بیت پوری اُمت سے افضل ہے (یہ نتیجہ منطقیہ ہے)۔ اب جملہ صحابہ کرام، خلفائے راشدین بمعہ عشرہ مبشرہ، حاضرین بدر، حاضرین اُحد اہل بیعت رضوان، الغرض جملہ اقسام صحابہ کرام اُمتی ہیں اور صرف اہل بیت ہی اہل بیت ہیں، اور اہل بیت جملہ اقسام اُمت سے افضل ہیں۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)

اور ایک معنی میں جناب مرتضیٰ ؓ کو اہل بیت میں افضلیت حاصل ہے کیونکہ جملہ ہاشمی مع اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جناب مرتضیٰ ؓ کو افضل سمجھتے تھے جیسا کہ گزشتہ صفحات پر لکھا جا چکا ہے۔

اب افضلیت جناب مولا مرتضیٰ ؓ کی اس حیثیت کا تعین کرنے کے لئے ایک اور حوالہ ملاحظہ فرمائیے۔

امام ابن حجر مکی اپنی کتاب صواعق محرقہ صفحہ 176 پر تحریر فرماتے ہیں:

وفی تاریخ دمشق أن الناس کرروا الاستسقاء عام الرمادة سنة سبعة عشر من الهجرة فلم یسقوا فقال عمر لأستسقین غدا بمن یسقینی الله به فلما أصبح غدا للعباس فدق علیه الباب فقال من قال عمر قال ما حاجتک قال اخرج حتی نستسقی الله بک قال اقعد فارسل إلی بنی هاشم أن تطهروا والبسوا من صالح ثیابکم فاتوه فاخرج طیبا فطیبهم ثم خرج وعلی أمامه بین یدیه والحسن عن یمینه

والحسين عن يساره وبنو هاشم خلف ظهره فقال يا عمر تخلط بنا غيرنا ثم أتى المصلى فوقف فحمد الله وأثنى عليه وقال اللهم إنك خلقتنا ولم تؤامرنا وعلمت ما نحن عاملون قبل أن تخلقنا فلم يمنعك علمك فينا عن رزقنا اللهم فكما تفضلت في أوله تفضل علينا في آخره قال جابر فما برحنا حتى سحت السماء علينا سحا فما وصلنا إلى منازلنا إلا خوضا.

ترجمہ: تاریخ دمشق میں ہے کہ عام الرماد 17ھ کو لوگوں نے بار بار نماز استسقا پڑھی (یا بارش کے لئے دعاء مانگی) لیکن اُن پر بارش نہ ہوئی تو جناب عمر فاروق ؓ نے فرمایا کہ میں کل اس کے ذریعے سے بارش کی دعا کروں گا جس کے ذریعے سے اللہ مجھے بارش عطا فرمائے گا۔ جب صبح ہوئی تو جناب عباس ؓ کے پاس حاضر ہوئے اوران کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپ نے فرمایا: کون؟ جناب عمر ؓ نے کہا ''عمر'' آپ نے فرمایا: کیسے آئے؟ جناب عمر ؓ نے کہا ''چلیں کہ ہم آپ کے ذریعے سے اللہ سے بارش مانگیں۔ آپ نے فرمایا: آپ بیٹھ جائیں۔ آپ نے بنی ہاشم کو پیغام دیا کہ طہارت کریں، اچھے کپڑے پہنیں۔ (بنی ہاشم بعد از تعمیل حکم) جناب (عباس ؓ) کے پاس آ گئے آپ نے ایک خوشبو نکالی اور انہیں لگادی پھر چل دیئے۔ جناب مولا مرتضیٰ ؓ آپ (عباس ؓ) کے آگے آگے تھے اور امام حسن ؓ دائیں جانب اور امام حسین ؓ بائیں جانب اور دیگر سارے بنی ہاشم جناب (عباس ؓ) کے پیچھے پیچھے تھے۔ آپ (عباس ؓ) نے فرمایا کہ دوسرے لوگوں کو ہمارے ساتھ نہ

ملانا۔ پھر آپ (عباس ؓ) جائے نماز پر آئے اور آپ ٹھہر گئے اور اللہ تعالیٰ کی مدح وثناء کی اور عرض کیا: اے ہمارے اللہ تو نے ہمیں پیدا کیا حالانکہ تو نے ہم سے مشورہ نہیں کیا اور ہماری پیدائش سے پہلے تو ہمارے اعمال کو جانتا تھا۔ تیرے علم نے جو ہمارے بارے میں تیرے پاس تھا ہمیں رزق دینے سے نہیں روکا۔ اے اللہ جس طرح تو اُس کے اول میں ہم پر فضل فرماتا تھا اس طرح اس کے آخر میں ہم پر فضل فرما۔ جناب جابر ؓ کا کہنا ہے کہ زیادہ دیر نہ گزر پائی تھی کہ ہم پر چھاجوں بادل برسنے لگا (موسلا دھار بارش ہوئی) اور ہم اپنے گھروں کو نہ پہنچنے پائے مگر اس حالت میں کہ ہم بارش سے لت پت تھے۔

اور بخاری شریف میں بھی ہے کہ لوگ جناب عمر ؓ کے پاس دعائے استسقاء کے لئے آئے۔ ان حوالہ جات سے جو نتیجہ مرتب ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ لوگوں کی عادت ہے کہ وہ کسی بھی مصیبت کے وقت دعاء کے لئے اپنے سے کسی بہتر اور افضل شخصیت کے پاس آتے ہیں۔ کفار مکہ بھی قحط سالی کے وقت، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں دعاء کے لئے حاضر ہوئے۔ جو جو بھی دعاء کرانے کے لئے کسی کے پاس جاتا رہا ہے وہ افضلیت کا عقیدہ لے کر جاتا رہا ہے۔

معلوم ہوا کہ جناب عمر فاروق ؓ جناب عباس ؓ کے پاس حاضر ہوئے اہل بیت کو کل اُمت سے افضل سمجھ کر۔ اور پورے یقین سے فرمایا کہ کل میں ایسے شخص سے دعاء کرواؤں گا جس کی وجہ سے بالیقین بارش ہوگی۔ جناب عباس ؓ نے اس عقیدہ کی تردید نہیں فرمائی اور دعا میں جناب حیدرِ کرار ؓ کو سب سے آگے رکھا جس کا مقصد

یہ تھا کہ جناب عباس ؓ کے نزدیک جناب حیدرِ کرار ؓ بعد از انبیاء سب سے افضل تھے جیسا کہ "تاریخ بغداد" کے حوالے سے یہ واضح کیا گیا جناب عباس ؓ کا وصال 32ھ میں ہوا اور تادم واپسیں جناب حیدرِ کرار ؓ کو سب صحابہ سے افضل سمجھتے تھے۔

جناب عباس ؓ نے، حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو دائیں اور بائیں رکھا جس کا مقصد یہ تھا کہ یہ سادات اہل بیت ہیں، اہل بیت ہو کر کے بھی کوئی ان کا شریک مرتبہ نہیں اور خاندان بنی ہاشم کے ساتھ دوسرے لوگوں کو ملانے کی اجازت نہیں دی جس کا مطلب یہ تھا کہ کوئی کتنا بھی بلند تھا یا ہوتا رہے گا وہ بنی ہاشم کا ہم پلہ نہیں ہوگا۔ اور بنی ہاشم کتنے بھی بڑے بزرگ ہوں گے مگر اہل بیت کے ہم پلہ نہیں ہوں گے اور اہل بیت کتنے بھی بزرگ ہوں گے مگر اُن چار ہستیوں کے ہم پلہ نہیں ہوں گے جنہیں چادر تطہیر میں بھی لیا گیا اور بوقت مباہلہ انہیں خصوصیت سے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی معیّت کا شرف بخشا۔

چونکہ امام شافعی ؓ خاندان بنی ہاشم میں سے تھے جن کا موروثی عقیدہ افضلیت علی کا تھا اور روزانہ کے واقعات کے ذریعے سے بھی اسی عقیدہ کی توثیق و تائید ہوتی رہی اس لئے امام شافعی ؓ کے حق میں یہ بدیہی بات تھی کہ وہ جناب مرتضٰی ؓ کو افضل سمجھیں۔ انہوں جو اشعار فرمائے ان میں خاندان بنی ہاشم کے خونی اور خاندانی ماحول کا دباؤ معلوم ہو رہا ہے:

قالوا ترفّضتَ قُلتُ کلا — ماالرفض دینی ولا اعتقادی

ولکن تولیت غیر شک — خیر امام و خیر هادی

حضرت امام شافعی ؓ کے تعلیمی مصادر

امام سیوطی اپنی کتاب حسن المحاضرہ میں لکھتے ہیں (جس کو بلفظہ ابن عماد حنبلی متوفی 1089ھ نے اپنی کتاب "شذرات الذهب" ج۲ ص۹ پر لکھا ہے:

"الامام الشافعي ابوعبدالله محمد بن ادريس بن عباس بن عثمان بن شافع بن السائب بن عبيد بن عبديزيد بن هاشم بن عبدالمطلب بن عبدمناف جد رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم، وجده صحابي اسلم يوم بدر وكذا ابنه شافع لقي رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم وهو مترعرع.

ترجمہ: امام شافعی ابوعبداللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان ہیں اور عثمان بیٹے ہیں شافع کے اور وہ بیٹے ہیں سائب اور وہ بیٹے ہیں عبید کے اور وہ بیٹے ہیں عبد یزید کے اور وہ بیٹے ہیں ہاشم کے اور وہ بیٹے ہیں عبدالمطلب کے اور وہ بیٹے ہیں عبدالمناف کے جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد کریم ہیں اور سائب اُن کے (امام شافعی کے) دادا ایک صحابی ہیں جو جنگ بدر کے دن مسلمان ہوئے اور اسی طرح اُن کے بیٹے شافع ؓ نے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات کی جبکہ وہ اُٹھتی جوانی میں تھے۔

وُلد الشافعي سنة خمسين ومئة بغزه اوبعسقلان اوبيمن اومنى"

(حضرت امام شافعی 150ھ میں غزہ یا عسقلان یا یمن یا منیٰ میں پیدا ہوئے)

ونشاء بمكة وحفظ القرآن وهوابن سبع سنين والموطا وهو ابن عشرة سنة ثم لازم مالكا بالمدينه و تفقه على مسلم بن خالد زنجى مفتى مكه واذن له فى الافتاء وعمره خمس عشرة سنة ثم لازم مالكا

بالمدینة وقدم بغداد سنة خمس وتسعین ومئة.

ترجمہ: آپ ﷜ نے مکہ شریف میں پرورش پائی اور قرآن یاد کرلیا جبکہ آپ کی عمر شریف سات برس تھی اور موطا امام مالک دس برس کی عمر میں یاد کرلیا اور مفتی مکہ مسلم بن خالد زنگی سے فقہ پڑھی اور انہوں نے آپ (امام شافعی) کوفتویٰ کی اجازت دیدی جبکہ آپ کی عمر پندرہ برس تھی۔ پھر امام مالک ﷜ ہی سے وابستہ رہے۔ اور بغداد شریف ۱۹۵ھ میں تشریف لائے۔ (امام شافعی ﷜ کے بارے میں جو عبارات نقل کی ہیں یہ سب شذرات الذهب سے لی ہیں)

تبصرہ:

امام شافعی ﷜ نے جب موطا امام مالک ۳ سال میں یاد کیا ہوگا اور آپ کی عمر شریف 10 سال ہوگئی ہوگی اور آپ کے شعور پر بلوغت کا دور آ گیا ہوگا۔ (جیسا کہ امام جلال الدین سیوطی متوفیٰ 911ھ تدریب الراوی صفحہ 5/2 پر تحریر فرماتے ہیں **"نقل القاضی عیاض انّ اهل الصنعة حددوا اول زمن یصح فیه السماع بخمس سنین"**

ترجمہ: قاضی عیاض اندلسی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 544ھ نے بیان کیا کہ اہل فن نے تعین کیا ہے کہ پہلا زمانہ جس میں سماع حدیث صحیح ہوسکتا ہے وہ پانچ برس کی عمر ہے۔

تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جناب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ضرور عقائد بھی سیکھے ہوں گے اور جب امام مسلم بن خالد زنگی سے فقہ سیکھی ہوگی تو اضافہ علم کیلئے کسی اور کے پاس کیوں نہ گئے؟ جبکہ آپ فتویٰ دینے کے اہل بھی ہوگئے ہوں گے اور عمر

شریف بھی پندرہ 15 سال ہوگئی ہوگی تو 165ھ سے لے کر امام مالک ﷜ کے سن وفات 179ھ تک 14 برس کا طویل زمانہ تحصیل علم کے لئے امام مالک ﷜ کے پاس ٹھہرے ہوں گے۔ انہوں نے نہ پوچھا ہوگا کہ آپ کے یہ بازو کیسے کٹے؟ آپ کے پاس لوگ دین سیکھنے کیلئے روزانہ آتے ہیں اور دن بدن تشنگانِ علم کی تعداد بڑھتی جارہی ہے۔ آپ کی عزت وآبرو میں روزافزوں خوب ترقی ہورہی ہے، آپ نے مسجد نبوی میں پنجوقتہ نماز با جماعت کو بھی دائمی ترک کررکھا ہے اور مسجد نبوی میں جمعہ بھی ادا نہیں فرماتے۔

یہ تمام تر تفصیلات بتاتے وقت نہیں بتاتے ہوں گے کہ پہلی تحریک اہل سنت جس کے بانی سیّد زید بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب ﷜ تھے، 121ھ میں شروع ہوئی تو میں نے زید بن علی سے بیعت کی تھی اور سیّد نفس زکیہ نے بھی انہی سے بیعت کی تھی اور سیّد زید بن علی کی شہادت کے بعد یہ علم سیّد محمد بن عبداللہ (سیّد نفس زکیہ ﷜) نے اٹھالیا اُس پہلے عہد کو دہرانے کے لئے میں نے سیّد محمد بن عبداللہ (سیّد نفس زکیہ) سے تجدید بیعت کی۔ پہلی جنگ 121ھ میں ہشام بن عبدالملک سے تھی اب یہ دوسری جنگ 144ھ میں منصور کے خلاف لڑی گئی اور بنی ہاشم کا عقیدہ یہ تھا کہ جناب مولا مرتضیٰ ﷜ بعد از انبیاء ساری اُمت سے افضل ہیں اور کوئی غیر علی، علی ﷜ کے برابر نہیں۔ جیسا کہ امام عبدالکریم شہرستانی متوفی 548ھ نے اپنی کتاب الملل والنحل صفحہ 155/1 پر تحریر کیا ہے۔ ''امام ابوحنیفہ نے اُن سے بیعت کی تھی'' اور بعد میں سیّد محمد بن عبداللہ (سیّد نفس زکیہ) سے بیعت کی جو کہ سیّد زید بن علی ﷜ کے رشتے کے بھتیجے تھے اور جملہ ہاشمیوں کی طرح وہ بھی افضلیت

علی ؓ کا عقیدہ رکھتے تھے۔اور حضرت جعفر صادق ؓ بھی یہی عقیدہ رکھتے تھے جیسا کہ علامہ مومن مصری شبلنجی نے (نورالابصار فی مناقب اہل بیت النبی المختار صفحہ 195 پر لکھا ہے اور محدثین میں سے چوٹی کے لوگوں نے سیّد زید بن علی سے روایات کی ہیں جو کہ افضلیت کے داعی تھے۔

نورالابصار صفحہ 195 پر لکھا ہے: وروا عنہ محمد بن شہاب الزہری وزکریا ابن زائدہ وخلق وروٰی لہ ابوداود الترمذی والنسائی وابن ماجہ وذکرہ ابن حبان فی الثقات.

ترجمہ: اُن سے محمد بن شہاب زہری نے اور زکریا بن زائدہ نے اور اُن کی روایات ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی لی ہیں۔

جب امام شافعی نے یہ جملہ تفصیلات امام مالک کی زبان سے سنی ہوں گی اور زندگی کے پہلے تین سال موطا امام مالک یاد کرنے کے لئے بھی اُن کے پاس گزراتے ہوں گے اور بعد میں پورے چودہ برس انہی کے پاس گزارے ہوں گے جن کا مجموعہ سترہ سال بنتا ہے اور دوسری طرف امام شافعی ایسے ہاشمی ہیں کہ جن کی دو پشتیں صحابی اور چند پشتیں اوپر چل کے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا صاحب میں شریک نسب ہیں انہوں نے کچھ نہ جانا ہوگا کہ ہاشمیوں کا عقیدہ کیا ہے اور ائمہ اہل بیت کا اُن کے بارے میں موقف کیا ہے یقیناً یہ سب باتیں جو ہمیں معلوم ہیں ان کو کیوں معلوم نہیں ہوئی ہوں گی؟ یقیناً امام شافعی ؓ کا مندرجہ ذیل اشعار کہنا اپنے عقیدے کے اظہار کیلئے تھا:

ترجمہ اشعار ؓ: لوگوں نے کہا: تو رافضی ہوگیا ہے میں نے کہا، ہرگز نہیں۔ رفض

نہ ہی تو میرا دین ہے اور نہ ہی میرا اعتقاد ہے۔لیکن بلاشبہ، میں نے سب سے اچھے (افضل) امام اور سب سے اچھے افضل ہادی کو اپنا حاکم بنالیا ہے۔

امام شافعی ؓ نے اپنے عقیدہ کا برملا اظہار کردیا ہے۔

اُس دور میں جو تحریک حسینی چل رہی تھی اور جس کے پہلے علمبردار خود امام حسین ؓ تھے، بعد میں زید بن علی، سیّد نفس زکیہ، سیّد ابراہیم اور یحییٰ بن زید وغیرہم (رضی اللہ عنہم) قائد اور رہنما ہوئے اُن کا موضوع دعوت یہی تھا کہ ہم لوگ اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ہمارا جداعلی مولا مرتضٰی افضل الامت ہے۔

لہٰذا ہماری موجودگی میں بلاعذر شرعی کوئی دوسرا سربراہِ مملکت نہیں ہونا چاہیے ورنہ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی اولاد کے افراد اپنی طرف دعوت دے سکتے تھے۔ یہ نعرہ خواہ دورِ حاضر کے دانشور کو اچھا لگے یا برا مگر یہ نعرہ صدرِ اول اور قرون اولی مشہود لہا بالخیر میں اتنا عام تھا کہ اس کو آپ صبح کا سویرا کہہ لیں یا نوشتۂ دیوار، مگر اس پر پردہ نہیں ڈال سکتے کیونکہ یہ نعرہ خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جو غیر ہاشمی تھے، عام تھا۔ ملاحظہ فرمائیے۔ علامہ ابوالحسن علی بن الحسین بن علی مسعودی متوفی 346ھ اپنی کتاب ''مروج الذهب'' ج۲ص۳۸۴،۳۸۴،۳۸۳ پر ارقام فرماتے ہیں:

قد كان حذيفة عليل بالكوفة في سنة ست و ثلاثين، فبلغه قتل عثمان و بيعة الناس لعلي فقال: اخرجوني وادعوا "الصلوٰة جامعة" فوضع على المنبر، وحمد الله واثنى عليه وصلى على النبي وآله ثم:

قال: ایھاالناس! ان الناس قد بایعوا علیاً فعلیکم بتقوی اللہ وانصروا علیًا ووآزروہ . فواللہ انہ لعلی الحق آخراً واولاً وانہ لخیر من مضیٰ بعد نبیکم ومن بقی الی یوم القیٰمۃ ثم اطبق بیمینہ علی یسارہ ثم قال: اللھم اشھد انّی قدبایعت علیًّا وقال الحمدللہ الذی ابقانی الی ھذاالیوم.

ترجمہ: حضرت حذیفہ ؓ بن الیمان (صاحب سر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سن 36ھ میں کوفہ میں بیمار تھے۔ تو انہیں حضرت عثمان ؓ بن عفان کی شہادت اور لوگوں کے جناب علی مرتضیٰ ؓ سے بیعت کی اطلاع موصول ہوئی، تو انہوں نے فرمایا "مجھے نکالو" اور بتاؤ کہ نماز کی جماعت ہونے لگی ہے تو آپ کو لاکر منبر پر بٹھادیا گیا، تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی آل پر صلوٰۃ بھیجی پھر فرمایا: لوگو! لوگوں نے جناب علی مرتضیٰ ؓ سے بیعت کی ہے پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور علی مرتضیٰ ؓ کی مدد کرو اور آپ کا ہاتھ بٹاؤ۔ خدا کی قسم علی ؓ اول وآخر حق پر ہیں اور وہ اُن سب سے بہتر ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد گزرے ہیں اور اُن سے بھی افضل ہے جو قیامت تک رہیں گے۔ پھر آپ نے اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا پھر فرمایا: اے میرے اللہ! میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے علی سے بیعت کی ہے۔
اور کہا: اُس خدا کی ساری تعریفیں ہیں جس نے مجھے آج دن تک زندہ رکھا۔

"مروج الذہب" کی اس عبارت سے پتہ چلا کہ حضرت حذیفہ بن الیمان ؓ کا عقیدہ مرتے دم تک یہی تھا کہ جناب علی مرتضیٰ ؓ اُمت مسلمہ کے ہر گزرے ہوئے مسلمان اور ہر آنے والے مسلمان سے بعد از نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، افضل و

اکرم ہیں۔ جب آپ ؓ نے مسجد کوفہ میں منبر پر بیٹھ کر یہ خطبہ پڑھا تو سامعین یا صحابہ تھے یا تابعین، ان میں سے کسی نے اعتراض نہ کیا کہ یہ عقیدہ اہل سنت کے خلاف ہے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ عقیدہ صحابہ کرام وتابعین عظام (رضی اللہ عنہم) کا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کا نظریہ

برسرراہے حبر الامت ترجمان القران جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا عقیدہ بھی ملاحظہ فرمالیجئے جو خلافت راشدہ کے دور میں مجلس شوریٰ کے ممبر تھے اور خصوصاً جناب عمر ؓ اپنے عہد خلافت میں انہیں بہت ترجیح دیا کرتے تھے۔

علامہ ابوالحسن علی بن الحسین بن علی مسعودی متوفی 346ھ اپنی کتاب مروج الذہب ج ۳ ص ۵۲، ۵۱ پر ارقام فرماتے ہیں:

قال رضی اللہ عن ابی الحسن ؓ: کان واللہ علم الھدیٰ وکھف التقی ومحل الحجا، وبحرالندیٰ، وطودالنھی، وکھف العلی للوریٰ، داعیًا الی المحجۃ العظمیٰ، متمسکا بالعروۃ الوثقیٰ خیر من آمن واتقی. وافضل من تقمص وارتدی، وابر من انتعل وسعی، وافصح من تنفس وقراء، واکثر من شھدالنجوی. سوی الانبیاء والنبی المصطفیٰ، صاحب القبلتین، فھل یوازیہ احد؟ وھوابوالسبطین فھل یقارنہ بشر، وزوج خیرالنساء، فھل یفوقہ قاطن بلد، للاسود قتال وفی الحروب ختال ولم ترعینی مثلہ ولاتری، فعلی من انتقصہ لعنۃ اللہ والعباد الی یوم التناد.

ترجمہ: (حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے امیر معاویہؓ کے دربار میں، ان کے کہنے پر جناب مولا مرتضیٰؓ کی بات کی) آپؓ نے فرمایا: ابوالحسن (جناب علی مرتضیٰؓ) سے اللہ تعالیٰ راضی ہو، خدا کی قسم وہ ہدایت کا علم تھے، تقویٰ کی جائے پناہ، ذہانت کا مرکز، سخاوت کا سمندر، علم ودانش کا پہاڑ، مخلوق خدا کے لئے بلندی کا مرکز، عظیم منزل مقصود کی دعوت دینے والے تھے، نہ ٹوٹنے والے حلقے سے وابستہ رہنے والے تھے، اُن سب لوگوں سے جو ایمان لائے تھے اور متقی ہوئے تھے، وہ افضل تھے، جنہوں نے قمیص پہنی تھی اور چادر اوڑھی تھی وہ سب سے افضل واکرم تھے، جنہوں نے جوتا پہنا تھا اور دوڑے تھے وہ اُن سب سے نیک تھے، جنہوں نے دنیا میں سانس لیا اور پڑھا تھا وہ اُن سب سے فصیح (صاف زبان) تھے، جن جن لوگوں نے رازداری کی باتوں کا موقعہ پایا تھا اُن میں سب سے زیادہ موقعہ پانے والے تھے، باستثنائے انبیاء وحضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام، وہ دوقبلوں والے تھے، کیا کوئی ان کے برابر ہوگا، وہ سبطین کے باپ ہیں کیا کوئی انسان اُن کے ہم پلہ اور ہم پایہ ہوگا؟ وہ دنیا کی سب سے اچھی افضل خاتون کے خاوند ہیں کیا کسی شہر کا رہنے والا اُن سے برتری حاصل کرسکتا ہے۔ شیروں کے مقابلے میں سخت جنگجو اور جنگوں میں انتہائی بیدار مغز، میری آنکھ نے اُن جیسا کوئی نہیں دیکھا اور نہ ہی دیکھے گی (یا تم بھی نہیں دیکھو گے) اور جو انہیں عیب دار سمجھے اس پر قیامت تک اللہ تعالیٰ اور بندوں کی لعنت ہو۔

تبصرہ: جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا جناب مولا مرتضیٰؓ کے اوصاف بیان کرنے کے بعد یہ کہنا ''وہ مومنین اور متقین سے افضل تھے، اور ہر اس

شخص سے اکرم تھے جس نے قمیص پہنی اور چادر اوڑھی'' حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا اظہار عقیدہ تھا۔ جبکہ امیر معاویہؓ اپنے دربار میں مع دیگر روسائے قریش کے بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے خود جناب عبداللہ بن عباسؓ سے، جناب شیخین کریمین وحضرت عثمان بن عفان (رضی اللہ عنہم اجمعین) اور جناب مرتضیٰؓ کے بارے میں تفصیلات دریافت کیں اور یہ ان کا تنہا عقیدہ نہیں تھا بلکہ جملہ خاندان ہاشمیہ کا عقیدہ تھا اور جناب عباسؓ تاوقت وصال اسی عقیدہ پر قائم رہے۔ جیسا کہ خطیب بغدادی متوفی 463ھ نے تاریخ بغداد صفحہ 292/9 پر لکھا ہے:

''اما العباس فمات وعلی عنده افضل الصحابة'' ترجمہ: حضرت عباسؓ وفات پاگئے جبکہ حضرت علیؓ اُن کے نزدیک سب صحابہ کرام سے افضل تھے۔ طبرانی کبیر 239-240/10 پر بھی امام طبرانی نے جناب عبداللہ بن عباس کا یہ پورا بیان رقم فرمایا ہے۔

طبقات ابن سعد صفحہ 38/3 پر ابن سعد تحریر فرماتے ہیں۔ ''لما توفی علی بن ابی طالب قام الحسن بن علی، فصعد المنبر، فقال ایها الناس! قد قبض اللیلة رجلٌ لم یسبقه الاولون ولا یدرکه الاخرون،

ترجمہ: جب جناب علی مرتضیٰؓ کا وصال ہوگیا تو امام حسن بن علی کھڑے ہوئے تو منبر پر چڑھ گئے اور انہوں نے کہا: لوگو! آج رات ایک ایسے شخص کا انتقال ہوگیا ہے جس سے نہ ہی پہلے لوگ سبقت لے سکے اور نہ ہی پچھلے لوگ اُسے پہنچ سکیں گے۔

تبصرہ: حضرت امام حسنؓ کا عقیدہ افضلیت دربارۂ مرتضیٰؓ محض مہمل اور رسمی نہیں تھا بلکہ اس پر ادلہ قویہ موجود تھیں جیسا کہ درمنثور مصنفہ امام سیوطی رحمۃ

اللہ علیہ صفحہ 589/8 پر حضرت ابوسعید خدری ﷺ کی حدیث مرفوع موجود ہے "علی خیر البریۃ" علی سب مخلوق سے (باستثنائے انبیاء مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام) افضل ہیں، درمنثور میں اسی مقام پر ہے۔ "فکان اصحاب النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اذااقبل علیؑ قالوا "جاء خیر البریۃ" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، جب علی مرتضیٰ ﷺ آیا کرتے، تو کہتے سب مخلوق سے افضل آ گیا ہے۔

اسی طرح کا بیان مروج الذهب صفحہ 2/4-383 امام ابوالحسن علی بن الحسین بن علی متوفی 346ھ پر موجود ہے، جس کا ذکر چند صفحات پہلے ہو چکا ہے۔

ایک اچنبھے کی بات

ایک واقعہ نادرہ روزگار ملاحظہ فرمائیے۔ یہ وہ پایہ تخت ہے جہاں امام حسین ﷺ کے قتل کا فیصلہ ہوا اور خاندان نبوت اور حامیانِ اہل بیت کے بہتر 72 سر نیزوں پر چڑھا کر بغض اہل بیت کی نمائش بھی کی گئی جس پر چشم فلک بھی خون کے آنسو روئی پتھروں کا دل بھی پگھلا، درختوں سے بھی خون بہتا ہوا دیکھا گیا۔ مدینہ شریف میں پڑی ہوئی خاکِ کربلا اس المیہ کی ہولناکی سے خون میں تبدیل ہوگئی۔ بحوالہ ترمذی جناب سیّدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ والضحیٰ کو خاک کربلا سے گرد آلود دیکھا۔ اسی خونی سانحہ میں ایک شخص نے سورۂ کہف کی آیت (۹) أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَانُوا مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا پڑھی تو امام جنت مقام جناب حسین ﷺ کا سراقدس بول اٹھا: قتلی و حملی اعجب من ذالک.

(نورالابصار ص135، خصائص کبریٰ صفحہ 127/2 مصنفہ امام سیوطی)

اخرج ابن عساکر عن المنهال بن عمرو قال، انا والله رایت راس الحسین حین حمل وانا بدمشق بین یدی راس رجل یقرا سورة الکهف حتی بلغ قوله "أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَانُوا مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا، فانطق الله الرأس بلسان فقال اعجب من اصحاب الکهف قتلی وحملی.

ترجمہ: ابن عساکر نے منہال بن عمرو سے اس کا اخراج کیا ہے وہ کہتے ہیں: خدا کی قسم میں نے سر حسین ﷺ کو دیکھا جبکہ وہ اٹھایا گیا ہوا تھا اور میں دمشق میں تھا سراقدس کے سامنے ایک شخص تھا جو سورۂ الکہف پڑھ رہا تھا حتیٰ کہ جب وہ اس قول باری تعالیٰ پر پہنچا "أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَانُوا مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا (کیا تو نے گمان کرلیا ہے کہ غار اور تختی والے نشانیوں سے عجب تھے؟) تو اللہ تعالیٰ نے سر پر انوار کو قوت گویائی عطا فرمائی زبان فصیح کے ساتھ تو انہوں نے فرمایا: میرا قتل کر کے (سراقدس) اٹھانا یہ اصحاب کہف سے زیادہ عجیب ہے)

ان حالات کو پا کر بھی جس قوم کا دل نہ پسیجا تھا اور ایمان کی رگِ مفقود نہ پھڑکی تھی ان میں ایک ایسا شخص پیدا ہو جو مداح اہل بیت ہو اور صداقت وافضلیت خاندان نبوت کا برملا اعلان کرے، اس سے پتہ چلتا ہے اولادِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تائید آسمانی ہے جس کا مقابلہ نہ کوئی وقت کا نمرود کرسکتا ہے نہ ہی زمانے کا فرعون اس کے سامنے عہد برا ہو سکتا ہے، لیجئے ملاحظہ فرمائیے۔ یہ مظاہر قدرت کا ایک شاہکار ہے جو یزید کے گھر نمودار ہوا۔

علامہ دمیری متوفی 808ھ اپنی کتاب ''حیاۃ الحیوان'' 61/1 پر خامہ فرساہیں: ثم قام بالأمر بعده ابنه معاوية، وكان خيراً من أبيه، فيه دين وعقل، بويع له بالخلافة يوم موت أبيه، فأقام فيها أربعين يوماً، وقيل أقام فيها خمسة أشهر وأياماوخلع نفسه وذكر غيرواحد، أن معاوية بن يزيد لما خلع نفسه صعد المنبرفجلس طويلا، ثم حمد الله وأثنى عليه بأبلغ ما يكون من الحمد والثناء، ثم ذكر النبي !، بأحسن ما يذكر به، ثم قال :يا أيها الناس، ما أنا بالراغب في الإئتمار عليكم، لعظيم ما أكرهه منكم، وإني لأعلم أنكم تكرهوننا أيضاً لأنا بلينا بكم وبليتم بنا، إلا أن جدي معاوية رضي الله تعالى عنه، قد نازع في هذا الأمر من كان أولى به منه، ومن غيره لقرابته من رسول الله !، وعظم فضله وسابقته، أعظم المهاجرين قدرا، وأشجعهم قلبا، وأكثرهم علما وأولهم إيمانا، وأشرفهم منزلة، وأقدمهم صحبة، ابن عم رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم، وصهره وأخوه زوجه ابنته فاطمة، وجعله لها بعلا باختياره لها، وجعلها له زوجة باختيارها له، أبو سبطيه سيدي شباب أهل الجنة وأفضل هذه الأمة .

ترجمہ: خلافت معاویہ بن یزید بن معاویہ بن ابی سفیان (کا ذکر) پھر اُس کے بعد اُس کے بیٹے معاویہ ﷺ نے اس کے کام کا بیڑا اُٹھالیا، وہ اپنے باپ سے بہتر تھا اس میں دین بھی تھا اور عقل بھی، اس کے باپ کی موت والے دن اس کی خلافت کی

بیعت کی گئی۔ عہدہ خلافت پر چالیس دن تک متمکن رہا کہا گیا ہے وہ خلافت کے عہدہ پر پانچ ماہ اور کچھ دن فائز رہا، پھر دست بردار ہوگیا، اور کئی لوگوں نے ذکر کیا جب وہ منصب خلافت سے دست بردار ہوا تو منبر چڑھا۔ کافی دیر تک بیٹھا رہا، پھر اُس نے خدا تعالیٰ کی حمد وثناء بہترین طریقے سے کی پھر اُس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نہایت احسن طریقے سے ذکر کیا۔ پھر اُس نے کہا:

اے لوگو! میں تمہارا امیر بننے سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا کیونکہ میں تم سے مشورہ کو نہایت ناپسند کرتا ہوں اور یہ بھی مجھے معلوم ہے کہ تم بھی ہمیں برا سمجھتے ہو۔ کیونکہ تم ہمارے لئے آزمائش ہو اور ہم تمہارے لئے امتحان ہیں۔ مگر یہ ضرور کہوں گا کہ میرے دادا معاویہ ﷺ نے اس معاملے (خلافت وحکومت) کے بارے میں اس شخص سے جھگڑا کیا جو میرے دادا اور ہر دوسرے آدمی سے زیادہ حقدار تھا۔ کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قریبی رشتہ دار تھا، اور ایمان میں سبقت رکھنے کی وجہ سے وہ افضل تھا، قدر ومنزلت کے لحاظ سے مہاجرین سے افضل تھا جرأت کے لحاظ سے زیادہ بہادر تھا، زیادہ بڑا عالم تھا، سب سے پہلا مومن تھا، سب سے بڑی شان والا تھا، اور سب سے پہلا صحابی تھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چچازاد، اور آپ کا داماد تھا، اور بھائی تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے اپنی بیٹی فاطمہ بیاہ کے دی تھی۔ اور اُن کو اُن کی مرضی سے اُن کا خاوند بنایا تھا، اور سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اُن کی بیوی اُن کی خوشی سے بنایا تھا، وہ سبطین کا باپ ہے جو جوانانِ جنت کے سردار ہیں اور وہ اس ساری اُمت سے افضل تھا۔

تبصرہ:

معاویہ ؓ بن یزید نے اُس سچائی کا اعلان کیا جو مدتوں پہلے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کر دیا تھا:

عن الحسن بن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم "اُدعوالی سیّدالعرب" یعنی علی بن ابی طالب (متن حدیث بحوالہ کنز العمال صفحہ 36,448/13) **"ادعوالی سیّدالعرب قالواالست سیّدالعرب ؟ قال: انا سیدولدآدم وعلی سیّدالعرب. فلماجاء قال یامعشرالانصار الاادلکم علی ما ان تمسّکتُم بہ لن تضلوا بعدہ ابداً ھذا علی فاحبوہ بحبی واکرموہ بکرامتی فان جبریل اَمَرنی بالذی قلت لکم عن اللہ سبحانہ وتعالیٰ'** (طبرانی کبیر صفحہ 88/3 مصنفہ امام طبرانی متوفی 360ھ۔ حلیۃ الاولیاء صفحہ 102/1 مصنفہ امام اصفہانی متوفی 430ھ)

ترجمہ: حضرت حسن بن علی ؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: "میرے پاس عرب کے سردار یعنی علی بن ابی طالب کو بلاؤ"۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: "کیا آپ عرب کے سردار نہیں؟"۔ فرمایا: "میں اولادِ آدم کا سردار ہوں، علی عرب کا سردار ہے"۔ جب حضرت علی آئے فرمایا: "اے گروہ انصار کیا میں اس پر رہنمائی نہ کروں جب تک تم اس سے وابستہ رہو گے اس کے بعد تم کبھی بھی گمراہ نہیں ہو سکو گے۔ یہ علی ہے تم اس سے محبت کرو میری محبت کی وجہ سے اور اس کی عزت کرو میری عزت کی وجہ سے بلاشبہ جبرائیل نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا حکم دیا جو میں نے تمہیں کہا"۔

امام احمد بن حنبل کا نکتہ نظر

ائمہ ثلاثہ، اہل سنت (امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی رضی اللہ عنہم) کے نظریات کا ایک سرسری جائزہ لے لیا گیا ہے۔ اب اہل سنت کے چوتھے امام، حضرت احمد بن حنبل ؓ متوفی 241ھ ایک ایسی نامی گرامی شخصیت ہیں جن کو چھپایا نہیں جاسکتا جن کے مقلدین میں سے حضرت غوث الثقلین وقاسم الولایت سیّد عبدالقادر جیلانی ؓ ہیں۔ اور جن کے شاگردوں میں امام بخاری ومسلم جیسے محدثین ہیں۔ صحاح ستہ کے مصنفین، بالواسطہ یا بلاواسطہ جن کے شاگرد ہیں۔ جنہوں نے دنیا کی سب سے بڑی حکومت کے سامنے کلمہ حق کہہ کر جان، جان آفرین کے سپرد کی جنہوں نے اُسوہ حسینی کی تاریخی یادگار کو دہرایا ہے جن کی علم حدیث میں ایک یکتا کتاب "مسند امام احمد بن حنبل" ہے جن کے سلسلہ تعلیمات کی شورش سے زمین وآسمان کے بام ودر گونج رہے ہیں۔ جس طرح امام جنت مقام، دوش رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے شہسوار کے خون کے سیلاب نے یزیدی تحریک کے سامنے سد سکندری کھینچ دی تھی اس طرح امام احمد بن حنبل کی خونی موت نے خلق قرآن کے مدعیان کے دانت کھٹے کر دیئے اور جوروجفا کی افواج کو مہر ووفاء کی سپاہ سے وہ شکست فاش دی کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نعرے لگانے والے تو دنیا میں قیامت تک ملیں گے لیکن خلق قرآن پر اربوں دراہم ودنانیر خرچ کرنے کے باوجود اس جھوٹے مذہب کے تابوت میں امام احمد بن حنبل نے آخری کیل ٹھونک دی۔ اب اس عقیدہ باطلہ کا جنازہ بے گور وکفن چوراہے میں پڑا ہوا ہے جس کا کوئی وارث نہیں۔

ابن جوزی نے اپنی کتاب ''مناقب امام احمد بن حنبل'' میں مسئلہ تفضیل کے
کے بارے میں لکھتے وقت امام احمد بن حنبل سے مختلف اقوال نقل کیے۔ جن میں
ترتیبِ خلافت پر بھی افضلیت کا قول نقل کیا اور صحابہ کرام میں دوسرے اسباب تدریج
برائے فضلیت بھی بیان کیے اور امام احمد بن حنبل کے تحقیقی معیار پر روشنی ڈالنے کے
لئے ایک واقعہ بھی نقل کیا جس سے آئمہ اہل سنت کے تحقیقی معیار کا اندازہ ہوتا ہے۔

''مناقب امام احمد بن حنبل'' مصنفہ ابوالفرج عبدالرحمان بن جوزی
162-63 اور خطیب بغدادی کی ''تاریخ بغداد'' ج ا ص ۱۰۹ میں ہے:

اَخبَرَنی عبداللہ بن احمد بن حنبل : کنت بین یَدیِٔ ابی جالساذات یوم، فجات طائفۃٌ من الکرخیۃ فذکروا خلافۃ ابی بکر و خلافۃ عمر و خلافۃ عثمان فاکثروا ذکرخلافۃ علی بن ابی طالب فتزادوا واطالوا فرفع ابی راسہ الیھم فقال: یاھٰوُ لاء قداکثرتم القول فی علی والخلافۃ، ان الخلافۃ لم تزیّن علیًا بل علی زینھا.

ترجمہ: عبداللہ بن احمد بن حنبل فرماتے ہیں: میں اپنے والد صاحب کے سامنے
ایک روز بیٹھا ہوا تھا کہ محلّہ کرخیہ (یا قبیلہ کرخیہ) کے کچھ لوگ (آپ کے سامنے)
حاضر ہوئے اور انہوں نے جناب ابوبکر صدیقؓ، اور جناب عمرؓ، اور جناب
عثمان غنیؓ کی خلافتوں کا ذکر کیا۔ اور جناب علیؓ بن ابی طالب کی خلافت کا بھی
ذکر کیا۔ اور انہوں نے کافی زیادہ طوالانی قسم کی گفتگو کی، تو میرے والد صاحب نے اپنا
سر اقدس ان کے سامنے اُٹھایا، اور فرمایا: اے لوگو! تم نے جناب علی مرتضیٰؓ

اور (ان سے متعلقہ) خلافت کا ذکر کیا (مگر میں تمہیں بتادوں) کہ علیؓ کو خلافت
نے زینت نہیں بخشی بلکہ علیؓ نے خلافت کو زینت بخشی ہے۔

تبصرہ:

باقی خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی خلافت پر اس طرح کا تبصرہ نہیں فرمایا
جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ نفوس قدسیہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ عرش پناہ
کے فیض یافتہ لوگ تھے اور بحر انوار رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شناور تھے اگرچہ انہیں کسی
مزید ارتقاء کا احتیاج نہیں تھا ان کے جامہائے سرخ مل از عشق محبوب پہلے ہی لبریز
تھے تاہم انہیں خلافت عظمیٰ کا تاجِ زرنگار سر پر سجا کے رشک امم بنا دیا۔ اور خلافت
مقدسہ کے سنبھالنے اور فرائض منصبیہ کے بدرجہ اتم انجام دینے سے اُن کے حسن میں
وہ جوانی آ گئی جس کا جواب کائنات میں نہیں ہے۔

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ جناب علی مرتضیٰؓ پہلے ہی اس مرتبہ عظمیٰ
اور درجہ قصویٰ پر فائز المرام تھے کہ خلافت کے ملنے سے ان کے مرتبے میں کچھ اضافہ
نہیں ہوا بلکہ خلافت کو ایک نیا مقام حاصل ہو گیا۔

اسی صفحہ پر آگے چل کر ابوالفرج عبدالرحمان ابن جوزی (متوفی ۵۹۷ھ)
لکھتے ہیں: **عبداللہ بن احمد بن حنبل یقول : حدث ابی بحدیث سفینۃ فقلت یا ابہ' ماتقول فی التفضیل، قال فی الخلافۃ ابوبکر وعمر وعثمان، فقلت :فعلی بن ابی طالب؟ قال یابنی علی بن ابی طالب من اھل بیت لایقاس بھم اَحَدٌ.**

ترجمہ: (عبداللہ بن احمد بن حنبل کہتے ہیں: میرے والد صاحب نے حدیث سفینہ بیان کی، میں نے عرض کیا:۔ اباجان! آپ افضلیت کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: خلافت میں ابوبکر صدیق ؓ افضل ہیں، اور عمر ؓ اور عثمان ؓ (افضل ہیں) تو میں عرض کیا پھر علی ؓ کدھر گئے؟ آپ نے فرمایا، اے بیٹے! علی ؓ تو اہل بیت میں سے ہیں ان کے برابر تو کوئی بھی نہیں ہوسکتا)

اور حضرت امام احمد بن حنبل متوفی 41-240ھ کی یہ طبع زاد بات نہیں تھی بلکہ حضرت انس بن مالک ؓ متوفی 91ھ سے مرفوع حدیث روایت ہے۔ مسند الفردوس ۴/۲۸۳ تصنیف ابی شجاع شہرویہ بن شہردار بن شہرویہ دیلمی ہمدانی متوفی 509ھ حدیث نمبر 6838) عن انس ؓ: نحن اهل بیت لایقاس بنا اَحَدٌ. ترجمہ: (ہم اہل بیت ہیں ہمارے برابر تو کوئی نہیں ہوسکتا)۔ نیز یہ روایت امام طبری نے اپنی مشہور تصنیف ذخائر العقبیٰ ص ۱۷ پر بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ نقل فرمائی ہے۔

سلیمان بن ابراہیم قندوزی حنفی متوفی 1294ھ اپنی کتاب "ینابیع المودۃ" صفحہ 178 لکھتے ہیں: عن ابی وائل عن ابن عمر قال اذا عددنا اصحاب النبی قلنا ابوبکر وعمر و عثمان فقال رجل لابن عمر فعلیٌّ ماھو؟ قال اِنَّ عِلیّا من اهل البیت لایقاس بهم اَحَدٌ هومع رسول الله صلی الله علیه وآلہٖ وسلم فی درجتہٖ . ان الله یقول :وَالَّذِینَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُم بِإِیْمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُم مِّنْ عَمَلِهِم مِّن شَیْءٍ

(سورہ طور آیت 21) ففاطمة مع ابیها صلی الله علیه وآلہٖ وسلم فی درجتہٖ وعلی معهما مع الحسن والحسین.

ترجمہ: ابی وائل جناب ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا: ہم جب اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم شمار کرتے ہیں تو ہم کہتے ہیں۔ ابوبکر ؓ، عمر ؓ، عثمان ؓ، ایک شخص نے جناب ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: تو بتاؤ علی ؓ کا کیا بنا؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا: علی ؓ تو اہل بیت میں ہیں اُن کے ساتھ برابر تو کسی کو بھی نہیں سمجھا جاسکتا۔ وہ تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کلاس میں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جو لوگ ایمان لائے اور اُن کی اولاد نے ایمان میں اُن کی پیروی کی، ہم ان کی اولاد کو ان کے ساتھ ملا دیں گے اور ان کے اعمال سے کچھ بھی کمی نہیں کریں گے، تو نتیجہ یہ ہوا کہ جناب سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے ابا حضور کے ساتھ ان کے درجے میں ہوں گی اور علی مرتضیٰ ؓ ان دونوں کے ساتھ سمیت امام حسن ؓ اور امام حسین ؓ کے ہوں گے۔

اسی سے ملتی جلتی بات، محبّ الدین محمد بن احمد مکی شافعی متوفی 694ھ نے اپنی کتاب "الریاض النضرۃ فی فضائل العشرۃ" صفحہ 4-3/180 پر لکھا ہے فقال رجل لابن عمر یا ابا عبدالرحمٰن، فعلی قال ابن عمر علی من اهل البیت لایقاس بهم، علی مع رسول الله صلی الله علیه وآلہٖ وسلم فی درجتہٖ، ان الله عزوجل یقول :وَالَّذِینَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُم بِإِیْمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُم مِّنْ عَمَلِهِم مِّن شَیْءٍ (سورہ طور آیت

نمبر 21)فاطمہ مع رسول اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فی درجتہٖ وعلی مع فاطمہ علیہاالسلام اخرجہ علی بن نعیم البصری وھذا ادل دلیل علی انہ لم یردبسکوتہ عن ذکر علی فی افضلیتہٖ وانما سکت عنہ کانہ قال افضل الناس من اصحابہ لامن اھل بیتہٖ. باقی ترجمہ گزرگیاہواہےصرف جومحبّ الدین طبری نے تبصرہ کیاوہ عرض خدمت ہے۔

یہ بہت واضح دلیل ہےاس بات کی کہ جناب عبداللہ بن عمررضی اللہ عنہمانے ذکرعلی سے اس لئے خاموشی نہیں اختیارفرمائی کہ افضلیت علی ؓ کے بارے میں کمزور رائے رکھتے ہیں بلکہ خاموشی صرف اس لئے اختیارفرمائی کہ جب اُن سے سوال کیاجائے تو وہ اظہارفرمادیں۔گویا کہ انہوں نے فرمایا کہ یہ لوگ صحابہ کرام سے افضل ہیں اہل بیت سے افضل نہیں۔

گذشتہ صفحات میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا خطبہ مع تبصرہ کے گزر چکاہے جوآپ نے حضرت امیر معاویہ ؓ کے دربار میں دیااور برملاطورپرافضلیت علی کے عقیدے کااظہارفرمایا۔نیزیہ خطبہ ابن عباس،محبّ الدین ابوجعفراحمد بن محمد عبداللہ طبری مکی شافعی متوفی 694ھ نے اپنی کتاب ''ذخائرعقبیٰ''صفحہ 78 پرتحریرفرمایا ہے۔بعض جگہ محض لفظی فرق ہے مگر معنوی فرق نہیں'' اتقی من تقمص وارتدی'' وہ ان سب سے لوگوں سے متقی تھے جنہوں نے قمیص پہنی تھی اور چادر اوڑھی تھی۔

"فمایفوقہ اَحَدٌ لم ترعینای مثلہ، لم اسمع بمثلہٖ فعلی من ابغضہ' لعنۃ اللہ ولعنۃ العباد الی یوم القرار). ترجمہ: (اُن سے افضل توکوئی بھی نہیں میری

دونوں آنکھوں نے اُن کی مثل کوئی نہیں دیکھا اور نہ ہی ان کی مثل سنا۔ جواُن کو برا سمجھےاس پرخدا کی اور بندوں لعنت یوم قیامت تک ہے)

مروج الذھب 2/3-2-51اور ذخائرعقبیٰ صفحہ 78 کے مضمون کی لفظ بلفظ تائید، حافظ ابی القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی 360ھ نے اپنی کتاب ''المعجم الکبیر''صفحہ 239/10 پرکی:

قال معاویۃ :فما تقول فی علی بن ابی طالب ؟ قال رحم اللہ ابا الحسن، کان واللہ علم الھدی و نورالسری فی ظلم الدجی وداعیۃ الی المحجۃ العظمی عالما بمافی الصحف الاولی، قائماً بالتاویل والذکری، متعلقاً باسباب الھدی تارکاللجور والاذی، حائداً عن طرقات الردی خیر من آمن واتقی سید من تقمص وارتدی، وافضل من حج وسعی، واسمع من عدل وسوی واخطب اھل الدنیا الا الانبیاء والنبی المصطفیٰ، صاحب القبلتین، فھل یوازیہ موحد؟ زوج خیرالنساء ، ابوالسبطین، لم ترعینی مثلہ ولاتری حتی القیامۃ واللقاءِ، فمن لعنہ فعلیہ لعنۃ اللہ والعباد الی یوم القیامۃ.

ترجمہ: (حضرت معاویہ ؓ نے کہا: آپ علی ؓ بن ابی طالب کے بارے کیارائے رکھتے ہیں؟ انہوں نے کہا: ابوالحسن (علی مرتضیٰ ؓ) پراللہ رحم کرے، وہ ہدایت کے پرچم تھے،اورتقوی کی جائے پناہ،فہم ودانش کامرکز،علم کا پہاڑ،گھٹاٹوپ اندھیروں میں رات کی روشنی (چاند) بہت بڑی منزلت کے داعی، سابقہ صحف آسمانی کے

مشتملات کے عالم، تفسیر وقرآن پر عمل کرنے والے، ہدایت کے ذرائع وابستہ رہنے والے، ظلم وستم کے چھوڑنے والے، راہ ہائے ہلاکت سے برطرف رہنے والے، **سب ایمان والوں اور متقیوں سے افضل، قمیص پہننے والوں اور چادر اوڑھنے والوں سے افضل، جنھوں نے حج کیا اور سعی کی اُن سے اعلیٰ و برتر، جنھوں عدل و انصاف کیا اُن سے زیادہ حوصلہ والے، پوری دنیا کے سب سے افضل خطیب** سوائے دوسرے انبیاء ونبی مصطفیٰ (علی نبینا وعلیھم الصلوٰۃ والسلام) کے، دوقبلوں والے، کیا کوئی بھی کلمہ گوان کے برابر ہوسکتا ہے۔ وہ ملکہ جنت کے خاوند، سبطین کریمین کے باپ، میری آنکھ نے ان کی مثل نہیں دیکھی اور نہ ہی تم قیامت تک دیکھو گے، جو شخص ان کو لعنت کرے اُس پر خدا تعالیٰ اور بندوں کی قیامت تک لعنت ہے)

اسی بات کی تائید مزید حافظ ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری 405ھ نے اپنی کتاب مستدرک صفحہ 189/3 پر کی: **خطب الحسن ابن علی الناس حین قتل علی، فحمد اللہ واثنی علیه ثم قال: لقد قبض فی هذه اللیلة رَجُلٌ لایسبقه الاولون بعمل ولا یدرکهُ الآخرون.** ترجمہ: (حضرت امام حسن ؓ نے لوگوں کو خطاب کیا حضرت علی مرتضیٰ ؓ شہید کر دیئے گئے، تو انہوں نے فرمایا: اس رات کو ایک ایسا شخص واصل باللہ ہوا جس سے پہلے لوگ کسی بھی عمل کے ذریعے سے سبقت نہ لیجا سکے اور نہ ہی آئندہ لوگ اس کو پہنچ پائیں گے)

گزشتہ چند صفحات میں جو گزارشات پیش کی گئیں وہ اس سیاق میں تھیں کہ

ابوالحسن اشعری نے افضلیت ابوبکر صدیق ؓ پر اجماع نقل کیا تھا جس کی توضیحات ملا علی قاری نے نقل کی تھیں اور وضاحت کی تھی کہ اجماع کا کوئی وجود نہیں تھا بلکہ اکثریت کی رائے تھی۔ سو وضاحت کی گئی ہے کہ جس طرح اس جگہ اجماع کا کوئی وجود نہیں پایا گیا اس طرح اکثریت کا دعویٰ بھی غلط تھا اس بات کی توثیق کے لئے گزشتہ اوراق کا دوبارہ مطالعہ کیا جائے تو مناسب ہوگا۔

توقف دربارۂ افضلیت

امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ، جناب ابوبکر صدیق ؓ کی افضلیت کے اندھا دھند داعی ہیں اور اس کی قطعیت کے مدعی ہیں جس میں اُن کے اپنے سلسلہ تعلیمات کے علماء بھی اُن کے ہم نوا نہیں اور علوم متداولہ کی روشنی میں وہ افضلیت ابوبکر صدیق ؓ ثابت نہ کر سکے قطعیت تو بہت دور کی بات ہے۔ اور اجماع کا دعویٰ بھی فرمایا جس کو وہ ثابت نہ کر سکے تو اہل سنت کے پانچ گروہ ذکر کئے جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ اگر اہل سنت کا اتفاق افضلیت ابوبکر صدیق ؓ پر ہو چکا تھا تو پھر پانچ مختلف گروپ ہو کر سارے ہی اہل سنت کیسے ہوئے۔ اور اگر اجماع نصی تام ہو چکا ہوا ہوتا تو منکر کو کافر کہتے مبتدع تو نہ کہتے۔

اور ابوالحسن اشعری متوفی ۳۲۴/۳۳۰ھ سیدّ زید بن علی ؓ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں: **کان زید بن علی یفضل علی بن ابی طالب علی سائر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیه وآله وسلم ویتولی ابابکر و عمر،** (ومقالات الاسلامیین. صفحه 137/1) ترجمہ: (زید بن علی جناب

علی مرتضیٰؓ کو باقی صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل سمجھتے تھے اور جناب ابوبکر صدیقؓ اور جناب عمرؓ سے محبت رکھتے تھے)

جناب ابوالحسن اشعری کا بیان ہے کہ جناب زید بن علیؓ، جناب علی مرتضیٰؓ کو جملہ صحابہ کرام سے افضل سمجھتے تھے اور جناب ابوبکر صدیقؓ جناب عمر فاروق ؓ سے محبت رکھتے تھے۔ اب یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ (زید بن علیؓ) جناب علی مرتضیٰؓ کو شیخین سے افضل سمجھنے سے شیعہ ہوگئے یا سنی ہی رہے۔ اس موقعہ پر ایک اشعری کا حوالہ ہی پیش کردیا جائے تو قرین مصلحت ہوگا۔ امام اُستاد، ابومنصور عبدالقاہر بن طاہر التیمی البغدادی متوفی 429ھ اپنی کتاب اصول الدین صفحہ 397 پر تحریر فرماتے ہیں:

اول متکلمی اهل السنة من التابعين عمر بن عبدالعزيز وله رسالة بلغية فی الردعلی القدريه. ثم زيد بن علی بن الحسين بن علی ابن ابی طالب وله كتاب فی الردعلی القدرية. ترجمہ: (تابعین میں پہلے سنی متکلمین (علم عقائد کے ماہر) عمر بن عبدالعزیزؒ تھے اور اُن کا ایک بلیغ رسالہ ہے جو کہ فرقہ قدریہ کے خلاف ہے پھر دوسرے متکلم اہل سنت (علم عقیدہ کے ماہر) زید بن علی ہیں جن کی ایک کتاب قدریہ کے رد میں ہے)

یہاں سے یہ دریافت ہوا کہ حضرت علی مرتضیٰؓ کو حضرات کے شیخین سے افضل جان کر نہ صرف سنی رہے بلکہ اہل سنت کے امام تسلیم ہوئے کیونکہ وہ شیخین کریمین رضی اللہ عنہما سے محبت کرتے تھے اس سے ثابت ہوا کہ حضرت علی مرتضیٰؓ کو شیخین سے افضل جاننے سے شیعہ نہیں ہوتا بلکہ شیخین کو برا جاننے سے شیعہ ہوتا ہے۔

اشاعرہ کے بارے میں سرسری تمہید کے بعد یہ جاننا ضروری ہوگا کہ اشاعرہ کے عمائد علمائے کرام افضلیت کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتے ہیں۔ قاضی ابوبکر باقلانی اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''مناقب الائمة الاربعة'' صفحہ 295 پر تحریر فرماتے ہیں:

جملة مايقوى فی هذا الباب: ان الكلام فی التفضيل "مسئله اجتهاد" لايبلغُ الخطاء بصاحبه فيها منزلة الفسق ومايوجب البراة لان الفضائل المروية اكثر ها متقابل متعارض فی الفضل"

ترجمہ: وہ بات جو اس مضمون میں سب سے مضبوط ہے وہ یہ ہے کہ مسئلہ تفضیل میں کلام کرنا، یہ ایک مسئلہ اجتہادیہ ہے جس میں خطا، خطا کار کو نہ ہی فاسق بناتی ہے نہ ہی برأت کو واجب کرتی ہے۔ کیونکہ فضائل مرویہ فضلیت میں اکثر متقابل و متصادم ہیں۔

تبصرہ: قاضی ابوبکر باقلانی جو کہ امام ابوالحسن اشعری سے دوسرے درجے پر اشاعرہ میں اپنا لاثانی مقام رکھتے ہیں۔ کہتے ہیں: مسئلہ تفضیل، مسئلہ اجتہادیہ ہے۔ مسئلہ اجتہادیہ تو وہ ہوتا ہے جس میں مجتہد کبھی مصیب ہوتا ہے کبھی مخطی۔ اگر مصیب ہو تو دوہرا ثواب ملتا ہے (اجتہاد کرنے کا بھی) اور صحیح حکم دریافت کرلینے کا بھی، اور اگر اس میں مخطی ہو (یعنی حکم دریافت کرنے میں غلطی کھا جائے تو) اُسے اکہرا ثواب ملتا ہے بہرحال وہ ثواب سے خالی نہیں رہتا۔ حاصل کلام یہ ہوگا کہ اگر تفضیل میں حقیقت تلاش کرے تو دوہرا ثواب ملے گا نہ دریافت کرسکے تو اکہرا ثواب ملے گا بہر نوع اس پر مواخذہ نہیں ہوگا۔

توقف کو ترجیح

یہی ابوبکر باقلانی اپنی اسی کتاب ''مناقب الائمة الاربعة'' صفحہ 513 پر تحریر

فرماتے ہیں:۔فاماالقائلون بانا نقف فیھم من غیر قطع علی تفضیل احد منھم اوقطع تساویھم فی الفضل. فانھم اقرب الی الصواب و اقدر علی الاحتجاج . ترجمہ: یہ کہنے والے کہ ہم فضلیت میں ایک کو قطعی طور پر دوسرے سے افضل کہنے میں یا فضلیت میں قطعی طور پر آپس میں برابر کہنے میں توقف کرتے ہیں، پس وہ لوگ درستی کے زیادہ قریب ہیں اور حجت شرعیہ میں غالب ہیں۔

تبصرہ: امام ابوبکر باقلانی اشعری نے توقف کرنے والوں کو زیادہ حق بجانب پایا اور درستی کے زیادہ قریب پایا۔امام ابوبکر باقلانی کے شذرات تحقیق سے یہ بات الم نشرح ہوگئی کہ کسی صحابی یا امتی کی تفضیل ضروریات دین میں سے نہیں ورنہ اس میں سکوت یا توقف درست نہ ہوتا۔

اب بزرگان اہل سنت کے ارشادات ملاحظہ فرمائیے:

(ا) امام مازری (متوفی غالباً 530ھ) ''المعلم فی شرح صحیح مسلم'' 138/3) پر تحریر فرماتے ہیں:اماالقاضی ابوبکر بن طیب فانه یراھا مسئلة اجتھاد ولواھمل احد العلماءِ النظر فیھا اصلاً حتی لم یعرف فاضلامن مفضول ماحرج وماائم بخلاف مسائل الاصول التی الحق فیھا واحد"

ترجمہ: قاضی ابوبکر بن طیب باقلانی اِسے مسئلہ اجتہادیہ سمجھتے ہیں (جس کا نتیجہ یہ ہوگا) کہ اگر کوئی عالم دین اس مسئلہ میں بالکل نگاہ نہ بھی دوڑائے حتیٰ کہ فاضل و مفضول کی اُسے پہچان نہ بھی ہو تو بھی کوئی مضائقہ نہیں اور گنہگار بھی نہیں ہوگا، بخلاف ان عقائد جن میں حق صرف ایک ہی ہے۔

مسئلہ اجتہادیہ پر ایک ضمنی تبصرہ

مسئلہ اجتہادیہ کہہ کر امام ابوبکر بن طیب باقلانی نے اور امام مازری نے دو راستے ہموار کردیئے۔ایک تو اس مسئلہ تفضیل میں توقف کو زیادہ مناسب اور جائز قرار دیدیا۔دوسرا اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جتنے اقوال مختلفہ دربارۂ افضلیت ذکر کیے گئے ان میں کسی کو بھی اختیار کیا جاسکتا ہے جیسا کہ ابوبکر جصاص رازی حنفی متوفی 370ھ اپنی کتاب ''اصول الجصاص'' 138/2 پر انشاپرداز ہیں:

وقد علمنا ان الصحابة قداختلفت فی امور تحزبوافیھا و تبراء بعضھم من بعض و خرجوا الی القتال وسفک الدماء ولم یسوغوا الخلاف فیه، فدل علی ان قوله صلی اللہ علیه وآله وسلم "بایھم اقتدیتم اھتدیتم، فیما اختلفوا فیه ممایسوغ فیه الاجتھاد، فیجتھدالناظر فی طلب الحق من اقاویلھم، غیرخارج عنھا، ولامبتدع مقالة لم یقولوابھا.

ترجمہ: ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایسے بہت سارے کاموں میں اختلاف کیا جس میں وہ (صحابہ کرام) گروہوں میں بٹ گئے۔اور بعض نے بعض سے تبراء کیا۔(دوری اور بیزاری اختیار کی، قطع موالات کیا) اور (ایک دوسرے کے مقابلے میں) جنگ کرنے اور خون بہانے کے لئے نکلے، اور (اس مقابلے) میں اختلاف کو جائز نہیں قرار دیا۔تو یہ (مذکورہ بالا بات) اس پر دلالت کرتی ہے کہ سرکارِ دو جہاں کی یہ بات "بایھم اقتدیتم اھتدیتم" ترجمہ: (اُن میں سے جس کی بھی پیروی

کروگے ہدایت حاصل کرلوگے) ان معاملات کے بارے میں جس میں اجتہاد روا ہوگا، پس اُن (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کے اقوال سے طلب حق کرنے والے کو چاہیئے کہ اُن کے اقوال سے باہر نہ جائے اور کوئی نئی بات نہ گھڑلے جوانہوں نے نہیں کی۔

تبصرہ: اس جگہ امام ابوبکر جصاص رازی حنفی متوفی 370ھ نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول "**ان اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم**" کا محمل بتایا کہ قول مجتہد فیہ ہو (مسئلہ اجتہادیہ ہو) اور اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مختلف اقوال ہوں اُن میں سے کسی قول کو بھی اختیار کرلیا جائے تو ہدایت حاصل ہوجائے گی۔ اور چونکہ مسئلہ افضلیت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں مسئلہ اجتہادیہ بن گیا ہے جیسا کہ امام ابوبکر باقلانی نے مناقب ائمہ اربعہ صفحہ 295 پر تحریر فرمایا ہے۔ اور امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب صواعق محرقہ صفحہ 57 نیچے سے ساتویں سطر میں، مسئلہ تفضیل کو اجتہادی قرار دیا ہے: **مما یؤیدانه هناظنی ان المجمعین انفسهم لم یقطعوا بالافضلیة المذکورة و انما ظنوها فقط کما هو المفهوم من عبارات الائمة واشاراتهم وسبب ذلک ان المسئلة اجتهادیة.**

ترجمہ: (ان باتوں میں سے جو اس افضلیت کے ظنی ہونے کی تائید کرتی ہیں ایک بات یہ ہے کہ اجماع کرنے والوں نے بھی افضلیت مذکورہ کو قطعی نہیں کہا اور اسے صرف ظنی قرار دیا ہے جیسا کہ ائمہ عقائد کی عبارتوں اور اشارات سے سمجھ میں آتا ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ یہ مسئلہ افضلیت اجتہادی مسئلہ ہے)

حقائق مذکورہ کی روشنی میں اقوال صحابہ جو پہلے مذکور ہوچکے اُن میں سے کسی کو بھی اختیار کرلیا جائے تو ہدایت حاصل ہوجائے گی۔ کسی نئے قول کے اختراع کرنیکی گنجائش نہیں ہوگی۔

توقف کے بارے میں علامہ تفتازانی کا نکتہ نظر

"علی هذا وجدنا السلف والظاهر انه لولم یکن لهم دلیل علی ذالک لما حکموا بذالک وامانحن فقد وجدنا دلائل الجانبین متعارضةً ولم نجد هذه المسئلة ممایتعلق به شیء من الاعمال اویکون التوقف فیه مخلا بشی من الواجبات.

ترجمہ: ہم نے اسی عقیدہ (افضلیت ابوبکر صدیق ؓ بر علی مرتضیٰ ؓ) پر سلف صالحین کو پایا۔ اور بات ظاہر ہے کہ اگر اُن کے پاس اس پر کوئی دلیل نہ ہوتی تو وہ یہ فیصلہ کبھی نہ کرتے مگر جہاں تک ہماری ذات کا تعلق ہے ہم نے تو دونوں دھڑوں کے دلائل کو متعارض پایا ہے اور ہم نے اس مسئلہ کو ایک ایسا مسئلہ نہیں پایا جس سے کوئی بھی عمل متعلق ہو یا اس مسئلہ (افضلیت ابوبکر صدیق یا افضلیت علی مرتضیٰ، رضی اللہ عنہما) میں توقف کرنا (کسی بھی دھڑے میں رائے نہ دینا) کسی دینی ضرورت میں خلل انداز ہوتا ہو۔

تبصرہ: علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "شرح عقائد نسفی" کے متن میں صاف بتادیا کہ میں اس مسئلہ میں توقف کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا۔ مگر اس مبحث میں یہ شبہ گزرتا ہے کہ شاید "جانبین" سے مراد حضرت عثمان غنی ؓ اور جناب علی مرتضیٰ ؓ ہیں مگر فی الواقعہ جانبین سے مراد جناب ابوبکر صدیق ؓ اور

جنابِ علی مرتضیٰ ؓ ہیں، کیونکہ امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ اپنی شہرۂ آفاق کتاب تفسیر کبیر میں 24-22 پر سورہ نور آیت نمبر ۲۲ کے تحت رقمطراز ہیں۔ اجمعت الامة على ان افضل الخلق بعد رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم، اما ابوبكر و اما على. ترجمہ: اُمت نے اس پر اجماع کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد مخلوق میں سے افضل یا ابوبکر صدیق ؓ ہیں یا علی مرتضیٰ ؓ ۔ لہٰذا جانبین سے دلائل تفاضل جناب ابوبکر صدیق ؓ اور علی مرتضیٰ ؓ کے درمیان ہی ہو سکتے ہیں۔

ہمارے اس مضمون کی تائید عظیم متکلم اور ''شرح عقائد'' کے شارح امام رمضان آفندی رحمۃ اللہ علیہ کے اس بیان سے ہوتی ہے: ولم نجد هذه المسئلة اى مسئلة تفضيل هذه الاربعة على بعضه ممايتعلق به شى من الاعمال (حاشیہ رمضان آفندی بر شرح عقائد ص ۲۹۳)۔ اس عبارت میں علامہ آفندی نے صراحت فرمادی ہے کہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خلفائے اربعہ کی تفضیل میں توقف کو ترجیح ہے۔

اور یہ سمجھنا کہ جناب شیخین رضی اللہ عنہما کی جناب علی مرتضیٰ ؓ پر افضلیت سلف صالحین میں متفقہ مسئلہ تھا، یہ بات غیر واقعاتی ہے علامہ ابن عبدالبر اپنی کتاب ''الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب'' 52/3 پر تحریر فرماتے ہیں:

واختلف السلف ايضاً في تفضيل على وابى بكر، وفى "اجماع الجمع" الذى وصفنا، دليل على ان حديث ابن عمر وهم وغلط وانه لايصح معناه وان كان اسناده صحيحاً

ترجمہ: سلف صالحین نے بھی علی مرتضیٰ ؓ اور ابوبکر صدیق ؓ کی افضلیت میں اختلاف کیا ہے اور اجماع الجمع میں جو ہم نے وضاحت کی ہے اس میں دلیل ہے اس بات پر کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ایک وہم ہے اور لغزش ہے اور یہ کہ اس کے معنی صحیح نہیں ہیں اگرچہ اس کا اسناد صحیح ہے۔

اور اسی طرح علامہ شریف جرجانی متوفی 816ھ اپنی معروف آفاق کتاب شرح مواقف صفحہ 404/8 پر تحریر فرماتے ہیں: **والنصوص المذكورة من الطرفين بعد تعارضها، لاتفيد القطع على مالايخفى على منصف لانها باسرها امّا آحاد اوظنية الدلالة مع كونها متعارضةً ايضاً.**''

ترجمہ: ترجمہ دونوں طرف سے مذکور ہونے والے دلائل، آپس میں متعارض ہونے کے بعد قطعیت کے معنی نہیں دیتے جیسا کہ کسی بھی منصف مزاج انسان پر یہ بات مخفی نہیں۔ کیونکہ وہ سارے کے سارے یا تو اخبارِ واحدہ ہیں یا ظنیۃ الدلالت ہیں باوجود آپس میں متعارض ہونے کے بھی''

تبصرہ: یہاں شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ نے طرفین سے جناب ابوبکر صدیق ؓ اور جناب علی ؓ مرتضیٰ مراد لئے ہیں کیونکہ گزشتہ صفحات پر جتنے دلائل پیش کئے ہیں وہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ اور جناب علی مرتضیٰ ؓ کی افضلیت ہیں۔ اُن میں کسی تیسرے کا نام نہیں۔ علمائے عقائد نے اکثر و بیشتر موازنہ جو قائم کیا ہے وہ ان دو کے درمیان کیا ہے تیسرے کا کوئی نام نہیں معلوم ہوا کہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 795ھ نے اپنی شرح عقائد کے صفحہ 108 پر جو توقف کا جواز پیش کیا وہ انہی دو کے درمیان کیا ہے۔

یہ کہنا کس طرح ممکن ہوگا کہ سلف صالحین افضلیت حضرت ابوبکر صدیقؓ پر متفق تھے۔ قاضی ابوبکر بن طیب باقلانی اشعری متوفی 403ھ اپنی کتاب ''مناقب ائمہ اربعہ'' صفحہ 294 پر قمطراز ہیں:

القول بتفضيل على رضوان الله عليه مشهور عند كثير من الصحابة كالذى يروى عن عبدالله بن عباس وحذيفه بن اليمان وعمار بن ياسر وجابر بن عبدالله وابو الهيثم بن تيهان وغيرهم.''

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰؓ کی افضلیت بہت سارے صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک مشہور ہے جیسا کہ عبداللہ بن عباس وحذیفہ بن الیمان وعمار بن یاسر، جابر بن عبداللہ، ابوہیثم بن تیہان وغیرہ۔

مسعودی کے بیان کردہ خطبہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تائید

یہ امام ابوبکر بن طیب باقلانی متوفی 403ھ کا بیان ہے کہ بہت سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں جناب علی مرتضیٰؓ کی افضلیت مشہور ہے جن میں سرعنوان جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا نام نامی مذکور ہوا ہے۔ گزشتہ صفحات پر متعدد کتب کے حوالہ جات سے جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا وہ خطبہ ذکر کیا گیا جو حضرت معاویہ بن سفیانؓ کے دربار میں انہوں نے دیا، جس میں انہوں جناب مولا مرتضیٰؓ کی افضلیت پوری اُمت پر واضح کر کے چھوڑی گزشتہ وآئندہ کا ابہام دور کر دیا، اس طرح حضرت حذیفہ بن الیمان صاحب سر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی وفات سے 40 روز قبل کوفہ کے منبر پر خطبہ دیا جس میں انہوں نے جناب علی مرتضیٰؓ کی گزشتہ اور

آئندہ اُمت پر، پوری افضلیت اظہر من الشمس کر کے چھوڑی ان حقائق کے بعد یہ کہنا کہ ''سلف صالحین کا جناب ابوبکر صدیقؓ کے جناب علی مرتضیٰؓ سے افضل ہونے پر اتفاق تھا'' یہ کیوں کر حقائق پر مبنی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ امام ابوالحسن اشعری نے مقالات الاسلامیین میں مسئلہ تفضیل میں پانچ مذاہب کا ذکر فرمایا ہے۔

ابوالحسن اشعری جن کا سن وفات ایک قول کے مطابق 330ھ ہے انہوں نے پانچ مذہب اہل سنت کے نقل کئے وہ سلف صالحین کے بھی زیادہ قریب تھے اور سنی متکلمین میں بھی بہت سابق آدمی ہیں ان کو کیوں پتہ نہیں کہ سلف صالحین حضرت ابوبکر صدیقؓ کی افضلیت پر متفق تھے؟ ان کے اس موجودہ بیان میں حضرت علی مرتضیٰؓ کی افضلیت کا قول بھی موجود ہے اور توقف کا قول بھی۔

وقال قائلون افضل الناس بعد رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم على ثم بعده ابوبكر وقال قائلون لاندرى ابوبكر افضل ام على (مقالات اسلامیین ج ۲ ص ۱۴۷، مصنفہ امام ابوالحسن اشعری)

اس سے معلوم ہوا کہ علامہ تفتازانی کا قول توقف در بارہ تفضیل ابوبکر صدیقؓ یا علی مرتضیٰؓ قول جدید نہیں بلکہ پہلے سے چلا آرہا ہے۔ اور یہ قول کہ ''سلف صالحین افضلیت ابوبکر صدیقؓ پر متفق تھے'' اصلاً بے بنیاد ہے۔

ان معتبرات کے حوالہ جات سے یہ حقیقت بے غبار ہو جاتی ہے کہ سلف صالحین کا حضرت ابوبکر صدیقؓ کی افضلیت پر اتفاق نہیں بلکہ اُن کے درمیان یہ مسئلہ اختلافی تھا۔ اب امام تفتازانی متوفی 795ھ کے اس قول کی حقیقت بھی کھل کر سامنے آ گئی کہ على هذا وجدنا السلف، کہاں تک واقعات پر مبنی ہے۔

توقف کے بارے میں امام سیف الدین آمدی کا نکتہ نظر

امام ابوالحسن علی بن علی محمد سیف الدین آمدی شافعی اشعری متوفی 631ھ اپنی ممتاز کتاب برمضمون عقائد ''ابکارالافکار'' صفحہ 309 جلد3 پر حیز تحریر میں لاتے ہیں:''**والذی علیه الافاضل من اصحابنا (اهل السنة والجماعة) انه لاطریق الی التفضیل بمسلک قطعی فاماً المسالک الظنیة فهی متعارضة وقد یظهر بعضها فی نظر المجتهدین وقدلا یظهر.**

ترجمہ: (اور جو ہمارے صف اول کے اہل السنّت والجماعت کا مذھب ہے وہ یہ ہے کہ تفضیل کی طرف جانے کے لئے کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہوسکا اور جو ظنی راستے ہیں وہ آپس میں ٹکراتے ہیں اور کبھی ان میں سے بعض طریقے بعض مجتہدین کی نگاہ میں آجاتے ہیں اور کبھی نہیں بھی آتے)۔

آمدی کی یہ عبارت بھی مفید توقف ہے جیسا کہ انھی کی ایک عبارت علامہ شریف جرجانی متوفی 816ھ اپنی کتاب شرح مواقف 405/8 پر نوک قلم پرلاتے ہیں:

قال الآمدی:قدیراد بالتفضیل اختصاص احد الشخصین عن الاخراماباصل فضلیة لاوجودلهافی الاخر کالعالم والجاهل واما بزیادہ منها ککونه اعلم مثلاً وذالک ایضًا غیر مقطوع به فیما بین الصحابة اذمامن فضیلة تبین اختصاصهابواحدمنهم والا یمکن بیانُ مشارکة غیره له فیها، وبقدیر عدم المشارکة فقد یمکن بیان اختصاص الاخر بفضیلة اخری ولاسبیل الی الله الترجیح لکثرة الفضائل لاحتماله ان

تکون الفضیلة الواحدة ارجح من فضائل کثیرة. امَّالزیادہ شرفها فی نفسها اولزیادہ کمیتها فلاجزم بالافضلیة بهذاالمعنی ایضًا.

ترجمہ: آمدی فرماتے ہیں ،کبھی تو تفضیل سے مراد ایک شخص کا دوسرے کے مقابلے میں اصل فضیلت سے مخصوص ہونا ہوتا ہے کہ جس فضیلت کا وجود دوسرے میں مطلقاً نہیں ہوتا جیسا کہ جاہل وعالم (کہ جاہل میں علم نہیں ہے) یا مراد ہوتی ہے کہ ایک اس صفت میں دوسرے سے بڑھ کر ہوتا ہے جیسا کہ ایک کا زیادہ عالم ہونا ہے (اس طرح کا تناسب بھی صحابہ کرام میں) اٹل طریقے سے نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ کوئی بھی فضیلت ایسی نہیں جو ان میں سے ایک ساتھ اپنی خصوصیت بیان کرے مگر یہ کہ دوسرے کی اس میں مشارکت ممکن ہوگی اور اگر فرض کرلیا جائے تو دوسرا اُس میں شریک نہیں تو دوسرے کا کسی دوسری فضیلت سے مختص ہونا ممکن ہوگا،اور کثرت فضائل کو دیکھ کر ترجیح دینا ممکن نہیں ہوگا۔ اس بات کا امکان ہونیکی وجہ سے کہ ممکن ہے کہ ایک فضیلت بہت سارے فضائل سے قابل ترجیح ہو بوجہ اپنے ذاتی شرف کے یا مقدار میں زیادہ ہونیکی وجہ سے تو اس معنی میں بھی افضلیت کا جزم نہیں کیا جاسکتا۔

تبصرہ:

امام آمدی جو کہ چھٹی وساتویں صدی کے مشہور سنی متکلم ہیں انہوں نے افضلیت کے بارے میں کوئی جزمی یا قطعی عقیدہ رکھنے کی کوئی رائے ظاہر نہیں کی جو کلمات لکھے ہیں اس کا معنی توقف ہے۔ اور مبصرین نے توقف کے حوالہ جات میں سرعنوان آمدی کا نام لیا ہے۔

شریف جرجانی اپنی طویل بحث اور جانبین کے متضاد و متعارض دلائل لکھنے کے بعد سپر انداز ہوتے ہیں۔ اور امام آمدی کا قول بطور محاکمہ کے پیش فرماتے ہیں۔ جس کا حاصل کلام یہ ہے کہ شریف جرجانی بھی مذاہب افضلیت سے مطمئن نہیں ورنہ اپنے استدلال کے بعد آمدی کا محاکمہ کبھی پیش نہ فرماتے۔ اور شریف جرجانی کا سلف کے اتفاق کے بارے اطمینان ہو جاتا تو وہ آمدی کا قول لکھنے کے بعد اُس کی تردید کر دیتے اور اگر بیان کردہ اجماع اُمت بھی ان کے زیر نظر ہوتا تو اس کا بھی ذکر ضرور کرتے۔ اور شریف جرجانی نے اس غلطی کا ازالہ بھی کر دیا جو سطحی قسم کے لوگ خلافت میں اولیت کو دلیل افضلیت سمجھتے ہیں۔

شریف جرجانی فرماتے ہیں: **وثبوت الامامة وان کان قطعیًا لایفید القطع بالافضلیة.** ترجمہ: امامت (خلافت) کا ثبوت اگرچہ قطعی ہے مگر وہ افضلیت کی قطعیت کا معنٰی نہیں دیتا۔ خلافت اور افضلیت میں ہرگز تلازم نہیں۔ آگے چل کر وہ لکھتے ہیں:

کیف ولا قطع بان امامة المفضول لاتصح مع وجود الفاضل. ترجمہ: (خلافت میں اول ہونا افضلیت کے معنی کیسے دے سکتا ہے) حالانکہ اس پر کوئی اٹل ثبوت نہیں کہ مفضول کی امامت افضل کے ہوتے ہوئے درست نہیں ہو سکتی۔

معلوم ہوا کہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول خلیفہ و امام ہو سکتا ہے اس لئے خلافت میں اول ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو پہلے خلیفہ ہو وہی افضل ہوگا۔

اس جگہ شریف جرجانی متوفی 816ھ اگرچہ افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے رکھتے ہیں۔ مگر آمدی کے حوالے کو بطور قول فیصل کے نقل کرنے سے مراد یہی ثابت ہوتی ہے کہ مذہب توقف کو اُن کے ہاں بھی ترجیحی حیثیت حاصل ہے ورنہ اوّلاً شریف جرجانی قول آمدی کو نقل ہی نہ کرتے اور نقل کر دیا تھا تو اُس کی تردید کر دیتے۔

شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی اپنی کتاب ''اعلام الہدی وعقیدہ ارباب التقی'' ص ۵۳ پر جیز تحریر میں لاتے ہیں:

فان قبلت النصح فامسکِ عن التصرف فی امرهم واجعل محبتک لکل علی السواء وامسک عن التفضیل وان خامر باطنک فضل احدهم علی الاخر فاجعل ذالک من جملة اسراره فلایلزمک اظهارُه ولایلزمک ان تحب احدهم اکثرمن الاخربل یلزمک محبة الجمیع والاعتراف بفضل الجمیع ویکفیک فی العقیدة السلیمة اَن تعتقدصحة خلافة ابی بکر وعمر و عثمان و علی رضی الله عنهم.

ترجمہ: اگر تو میری نصیحت کو قبول کرے تو ان کے معاملے میں دخل دینے سے پرہیز کر اور اُن میں ہر ایک سے مساوی (برابر) محبت کر، اور تفضیل سے بھی باز رہ، اور اگر اُن میں سے کسی ایک کی فضیلت دوسرے پر، تیرے دل پر چھا گئی ہے تو اس بات کو اپنے دل کا ایک بھید بنا لے اس کا اظہار تجھ پر ضروری نہیں ہے کہ تو ایک سے دوسرے کے مقابلے میں زیادہ محبت زیادہ کرے بلکہ اُن سب کی محبت تجھ پر ضروری ہے اور سب کی

فضلیت کا اعتراف کرے اور تیرے لئے عقیدہ سلیمہ رکھنے کے لئے یہ کافی ہوگا کہ ابوبکر، عمر، عثمان، اور علی (رضی اللہ عنہم) کی خلافت کا اقرار کرے۔

تبصرہ:

شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ ایک سلسلہ طریقت کے بانی ہوکر اور علم عقیدہ کے ایک ماہر متکلم ہوکر تعلیم دے رہے ہیں کہ خلافت کی صحت کا عقیدہ ثابت ہے لہٰذا اس کا معتقد ہونا ضروری ہے کیونکہ اس پر اجماع صحابہ ہوا۔ گوکہ اہل علم کے ایک طبقے کو اس پر بھی کلام ہے کیونکہ سعد بن عبادہ ؓ جو کہ ایک فقیہ اور مجتہد صحابی تھے اور دین میں ان کی بڑی خدمات ہیں۔ جنگوں میں ایک جھنڈا منجانب مہاجرین جناب علیؑ مرتضٰی کے پاس ہوتا اور دوسرا جھنڈا من جانب انصار جناب سعد بن عبادہ ؓ کے پاس ہوتا تھا وہ شریک اجماع نہیں ہوئے۔ اور شیخین میں سے کسی کی بھی بیعت کئے بغیر احتجاجاً ملک شام چلے گئے اور وہیں آپ کا وصال ہوا۔ (مقالات الاسلامیین۔ صفحہ 39/1، اسد الغابہ، الاستیعاب)

امام غزالی اپنی کتاب المستصفیٰ ج اص ۱۸۳ پر بزبان قلم درافشانی فرماتے ہیں: المبتدع اذا خالف لم ینعقد الاجماع دونه اذالم یکفر بل هو کالمجتهد الفاسق و خلاف المجتهد الفاسق معتبر.

ترجمہ: مجتہد مبتدع جب مخالفت کرے (اجماع سے اتفاق نہ کرے تو اجماع منعقد نہیں ہوگا، جبکہ (بوجہ اُس کی بدعت کے) اس کو کافر نہ قرار دیا جائے بلکہ وہ ایک فاسق مجتہد کی مانند ہوگا اور فاسق مجتہد کا خلاف معتبر ہے)

لیکن افضلیت صحتمند اور معتمد دلائل سے ثابت نہیں لہٰذا اُس کے متعلق خاموشی اولی و احری ہے۔

شیخ شہاب الدین سہروردی ؓ کی نشاندہی سے معلوم ہوا کہ عقیدہ افضلیت ضروریات دین میں سے نہیں اور نہ ہی اس پر کوئی اجماع منعقد ہوا ہے ورنہ اس عقیدہ کے بارے میں خاموشی درست نہ ہوتی اور یہ کہنا بھی ایک لغو جملہ ہوگا کہ جو حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو سب سے افضل نہ جانے وہ سنی نہیں ہوگا۔ اگر اس جملے میں کوئی صداقت ہوتی تو جتنے صحابہ کرام کے حوالہ جات درج کئے گئے دربارۂ افضلیت علی مرتضٰی ؓ وہ تو سنی نہ رہتے۔ جملہ بنی ہاشم سمیت حضرت عباس و عبداللہ بن عباس، امام حسن، حذیفہ بن الیمان، عمار بن یاسر، سلمان فارسی، ابوذر غفاری، مقداد بن الاسود، خباب بن الارت، جابر بن عبداللہ الانصاری، زید بن ارقم، ابوسعید خدری، حسان بن ثابت، ابوالطفیل عامر بن واثلہ، حضرت سیّد امام زید بن علی بن الحسین، سیّد نفس زکیہ، سیّدنا امام جعفر صادق، حضرت عمر بن عبدالعزیز، مامون الرشید و غیرہم کوئی بھی سنی نہ رہتا، کیونکہ یہ لوگ جناب علی مرتضٰی ؓ کو بعد از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس اُمت میں سب سے افضل سمجھتے تھے۔ اور شیخ شہاب الدین سہروردی نے بنا بر عدم دلیل افضلیت برائے حضرت ابوبکر ؓ، افضلیت میں توقف کو ترجیح دی اور ثابت کر دیا کہ ہمارے پاس جناب ابوبکر صدیق ؓ یا کسی دوسرے کی افضلیت کی کوئی ترجیحی دلیل نہیں لہٰذا توقف افضل ہے۔

امام ابوالحسن علی بن اسماعیل الاشعری، شیخ اہل السنّت والجماعت

متوفی 330ھ اپنی کتاب ''مقالات الاسلامین واختلاف المصلین'' صفحہ 147/2 پر اہل سنت والجماعت کے افضلیت کے بارے میں پانچ مواقف تحریر فرماتے ہیں اُن میں آخری موقف ہے: **وقال قائلون :لاندری ابوبکر افضل ام علی۔**

ترجمہ: بعض کہنے والوں نے کہا: ہمیں معلوم نہیں ابوبکرؓ افضل ہیں یا علیؓ۔

تبصرہ:

یہاں امام ابوالحسن علی بن اسمٰعیل اشعری اہل سنت والجماعت کے پانچوں گروہ کا ذکر کیا اور اُن کے عقیدہ کی وضاحت فرمائی۔ بتایا کہ یہ لوگ کہتے ہیں ''ہمیں معلوم نہیں کہ ابوبکرؓ افضل ہیں یا کہ علیؓ''۔ اب ظاہر ہے کہ ان لوگوں نے جناب ابوبکر صدیقؓ کی افضلیت کا اقرار و اظہار نہیں کیا مگر امام ابوالحسن علی بن اسمٰعیل اشعری نے انہیں اہل سنت سے خارج نہیں سمجھا۔ معلوم ہوا کہ کسی کی بھی افضلیت کا عقیدہ ضروریات دین میں سے نہیں ہے ورنہ اس عقیدہ کے لوگ قابل مواخذہ ہوتے۔

شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؓ کا مسلک

ابوعبداللہ محمد بن علی المعروف ابن عربی حاتمی طائی اپنی کتاب ''الفتوحات المکیہ'' صفحہ 298/4 پر تحریر فرماتے ہیں:

فماتاخر عن الاول الالامر ایسره وابينه الزمان لان وجود الاهلية فيه من جميع الوجوه فيعلم ان الحكم فى تاخره و تقديم غيره للزمان كخلافة ابى بكر و عمر ثم عثمان ثم على رضى الله عنه جميعهم. فما منهم واحدالا وهو مترشح للتقدم والخلافةموهل لها

فلم يبق حكم لتقدم بعضهم على بعض منها عندالله للفضل.

ترجمہ: (پہلے سے (خلافت) متاخر نہیں ہوئی مگر ایک ایسی بات کے لئے جس کی آسان ترین اور واضح ترین وجہ (مصلحت) زمانہ ہے کیونکہ (اُس (متاخر) میں ہر طرح کی اہلیت وقابلیت موجود ہے پس معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی تاخیر اور دوسرے کی تقدیم محض برائے مصلحت زمانہ ہے۔ جیسا کہ حضرات، ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، علی مرتضیٰ (رضی اللہ عنہم) کی خلافت ہے۔ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس میں آثار تقدم وخلافت مترشح نہ ہوں، وہ (ہر ایک اس خلافت کا) اہل ہے تو خلافت کے بارے میں اُن میں سے کسی ایک کو مقدم کرنا خدا کی بارگاہ میں بوجہ افضلیت کے نہیں)

تبصرہ:

محی الدین ابن العربی مالکی اشعری خامہ فرسا ہیں: خلاف میں تقدم وتاخر باعتبار افضلیت کے نہیں ہوتا بلکہ مصلحت زمانہ کے اعتبار سے تقدیم وتاخیر ہوتی رہتی ہے کیونکہ مقدم وموخر میں پوری اہلیت خلافت تھی مگر ایک کو کسی مصلحت سے مقدم کردیا تو اس سے افضلیت پر استشہاد نہیں کیا جاسکتا۔ جب کہ ساری صلاحیتیں بجا طور پر ہر ایک میں پائی جاتی ہوں تو ایک کو مقدم کردینے کا مقصد افضلیت نہیں ہوتا بلکہ مصلحت زمانہ کارفرما ہوتی ہے۔

امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کی الیواقیت سے اقتباس

اس اجمال کی تفصیل امام عبدالوہاب متوفی 973ھ شعرانی شافعی اشعری کی کتاب ''الیواقیت والجواہر فی عقائد الاکابر'' صفحہ 332/2 سے دریافت کی جاسکتی ہے:

والذی اطلعنا اللہ تعالیٰ علیه من طریق کشفنا ان تقدیم شخص بالامامة علی آخر انما هو تقدم بالزمانِ ولایلزم التقدم بالفضل فانِ اللہ تعالیٰ امرنا باتباع ملة ابراهیم ولیس ذالک لکونه احق بها من محمدﷺ وانما هو لتقدمه بالزمان فان للزمان حکماً فی التقدم من حیث هوزمان لامن حیث المرتبة وذالک کا لخلافة بعد رسول اللہ.

ترجمہ: جس چیز پر اللہ تعالیٰ نے بطور کشف مجھے آگاہ کیا وہ یہ ہے کہ ایک شخص کا امامت (خلافت) میں دوسرے سے پہلے ہونا وہ صرف زمانے میں مقدم ہونا ہے اُس سے افضلیت میں تقدم لازم نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں مذہب ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کرنے کا حکم دیا۔ یہ اس وجہ سے نہیں ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ سے اس کے زیادہ حقدار ہیں۔ وہ صرف اُن کے زمانے میں مقدم ہونیکی وجہ سے ہے زمانے کو تقدم بحیثیت زمانے کے حاصل ہوتا ہے مرتبہ کے اعتبار سے حاصل نہیں ہوتا۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلافت میں تقدم ہے،

تبصرہ:

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی متوفی 638ھ کے حوالے سے امام شعرانی نے بتایا کہ زمانے کو بطور زمانے کے جو تقدم حاصل ہوتا ہے وہ مفید افضلیت نہیں ہوتا جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قبل بطور رسول بھیج دیا تو اس سے ان کی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر برتری ثابت نہیں ہوتی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد خلافت راشدہ کا وجود بھی نوعی اعتبار سے ویسا ہی

ہے۔ یعنی "ہر چہار خلفاء میں وہی ترتیب افضلیت اختیار کی جائے جو اُن کی ترتیب زمانہ ہے" یہ اصلاً درست نہیں۔ اس کی مثال جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کو پہلے بطور رسول بھیجا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُن کی پیروی کرنیکا حکم دیا گیا۔ جبکہ ابراہیم علیہ السلام افضل نہیں جو پہلے آئے بلکہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افضل ہیں جو پیچھے آنے۔ زمانے کے تقدم کو تقدم مرتبہ میں کوئی دخل نہیں۔

مجدد گولڑوی رضی اللہ عنہ کا بیان

رئیس المجددین فاتح قادیان نائب غوث الثقلین، خواجہ خواجگان سیّد السادات پیر **سیّد مہر علی شاہ** صاحب گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے ملتی جلتی بات ارشاد فرمائی، "خلافت مرتضوی کا سب سے آخر میں ہونا موجب تقصیر شان نہیں بلکہ فضلیت ہے دیکھو کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرتبہ ظہور میں سب انبیاء سے آخر ہیں۔ (ملفوظ 150 صفحہ 111 ملفوظات مہریہ)

جناب محی الدین ابن عربی متوفی 638ھ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ کشف مجھ پر یہ واضح کردیا کہ یہ تقدم وتاخر در زمانہ خلافت موجب عظمت مرتبہ یا نقصان مرتبہ نہیں۔

"الیواقیت والجواہر" صفحہ 332/2 پر شیخ امام عبدالوہاب شعرانی متوفی 973ھ بحوالہ محی الدین ابن عربی متوفی 638ھ ارقام فرماتے ہیں:

"اعلم ان الخلفاء الاربعة لم یتقدموا فی الخلافة الا بحسب اعمارهم فان الاهلیة للخلافة موجودة فیهم من جمیع الوجوه فکان سبقهم لایقتضی التفضیل بمجرده".

ترجمہ: یہ بات جان لے کہ خلفائے اربعہ خلافت میں صرف عمروں کے لحاظ سے آگے ہوئے ہیں۔ خلافت کی قابلیت اُن میں ہر طرح سے موجود تھی۔ ان کا خلافت میں دوسروں سے مقدم ہونا فضلیت کا تقاضا نہیں کرتا۔

تبصرہ:

امام عبدالوہاب شعرانی نے بتادیا کہ خلاف میں تقدم کے حوالے سے افضلیت پر استدلال کرنا یہ علمی لغزش ہے کہ پہلے خلیفہ بننا صرف زمانے میں تقدم کا معنی دیتا ہے افضلیت کے معنی نہیں دیتا۔

شیخ محی الدین ابن عربی کا اسی صفحہ پر آخری سطور میں خلاصہ کلام درج ہے:

وبالجملة فلاينبغي الخوض في مثل ذالك الامع وجودنص صريح مع اناقائلون بترتيب هولاء الخلفاء الاربعة كما عليه الجمهوروانما خالفناهم في علة التقديم فهم يقولون:هي الفضل ونحن نقول:هي تقدم الزمان ولوان كل متاخر كان مفضولا لكان من تقدم محمداً صلى الله عليه وآله وسلم افضل منه ولاقائل بذالك محقق.'' ترجمہ: خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایسے معاملات میں غور وخوض نہ کرنا چاہیے، مگر نص صریحی کے ذریعے سے (کسی واضح دلیل کے ذریعے سے) باوجودیکہ ہم ان خلفائے اربعہ کی ترتیب کے قائل ہیں جیسا کہ جمہور کا مذہب ہے ہم نے مقدم ہونیکی وجہ میں جمہور کی مخالفت کی ہے وہ کہتے ہیں (کہ علتِ تقذیم) فضلیت ہے ہم کہتے ہیں یہ صرف تقدم زمانی ہے اگر ہر متاخر مفضول ہوتا تو جو محمد رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مقدم ہوا وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل ہوتا اور محققین میں اس بات کا کوئی بھی قائل نہیں۔

شیخ ابن عربی اور مذہبِ جمہور:

شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں جمہور کے ساتھ ہمارا اختلاف ہے جمہور کہتے ہیں کہ جو افضل تھا وہ پہلے خلیفہ ہوا جبکہ ہمارے نزدیک جس کا زمانہ پہلے تھا وہ پہلے خلیفہ ہوا اور یہ ترتیب خلافت ان کی عمروں کے لحاظ سے ہوئی۔ جس نے دنیا سے پہلے رخصت ہونا تھا اسے پہلے خلافت سے نوازا گیا اور جس نے بعد میں اس دنیا کو چھوڑنا تھا وہ بعد میں خلیفہ ہوا۔ شیخ اکبرؒ تقدم زمانی کو وجہ افضلیت نہیں سمجھتے جس کا ایک نتیجہ یہ ہوگا کہ خلفائے ثلاثہ جو حضرت علی مرتضیٰؓ سے زمانے میں مقدم ہیں ان کے ہاں مرتبے میں افضل نہیں ہوں گے۔

دوسرا نتیجہ یہ ہوگا کہ خلفائے راشدین کی ترتیب خلافت ہی کو ترتیب مرتبہ سمجھنا اور اس پر اجماع کا دعویٰ کرنا بلا دلیل ہوگا کیونکہ یہ مذہب جمہور ہے۔ اور مطلق جمہور دلیل شرعی نہیں ہے **''علیکم بالسواد الاعظم من شذشذفي النار''** یہ حدیث جماعت کے مقابلے میں جماعت کے ساتھ اختلاف میں مفید معنی نہیں ہے بلکہ فرد کے جماعت کے مقابلے میں اختلاف پر تنبیہ ہے۔

امام ابوبکر جصاص اپنی کتاب اصول الجصاص صفحہ 147/2 پر ارقام فرماتے ہیں: **''ستفترق امتي الى ثلاث وسبعين فرقةً كلهافي النار الاواحدة''. في اخبارنحوها يوجب تصويب الاقل و تقليل الاكثر**

فبطل اعتبار الكثرة والقلة اذا وقع الخلاف علی وجه الذی قد ذکرنا ویجب علینا حینئذ طلب الدلیل علی الحکم من غیر جهة الاجماع وقد ارتد اکثر الناس بعد وفات النبی و منعوا الصدقة و کان المحقون الاقل وهم الصحابة وقد کان اکثر الناس فی زمن بنی امیة علی القول بامامة معاویة ویزید واشباههامن ملوک بنی مروان والاقل کانوا علی خلاف ذالک ومعلوم ان الحق کان مع الا قل دون الاکثر."

ترجمہ: "میری اُمت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی سارے کے سارے جہنمی ہوں گے سوائے ایک کے" اس طرح کی احادیث میں، قلیل ترین کو حق پر کہنا پڑتا ہے اور اکثر کو قلیل کہنا پڑتا ہے۔ سوقلت وکثرت کا اعتبار باطل ہوجاتا ہے جس وقت اس طرح کا اختلاف پیدا ہوجائے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے تو طلب دلیل واجب ہوجاتی ہے حکم معلوم کرنے کیلئے جوکہ جہت اجماع سے تعلق نہیں رکھتی، اور بہت سارے لوگ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد لوگ مرتد ہوگئے اور انہوں نے صدقہ زکوٰۃ کو روک لیا، اور حق پر تھوڑے تھے اور وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ اور بنوامیہ کے زمانے میں، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید (ملعون) کی امامت کا قول کرنے والے زیادہ لوگ تھے اور اُن جیسے دوسرے مروانی بادشاہوں (کی امامت کا قول کرنے والے بھی اکثر لوگ تھے) اور تھوڑے سے لوگ اس کے خلاف تھے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ حق تھوڑے لوگوں کے ساتھ تھا نہ کہ اکثر لوگوں کے ساتھ۔

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی متوفی 638ھ نے اپنے اس آخری بیان میں واضح فرمادیا کہ میں ترتیب خلافت میں جمہور کے ساتھ ہوں مگر ترتیب افضلیت میں

میرا مذہب توقف ہے۔ اور اس سے پیشتر امام ابوالحسن علی بن اسماعیل اشعری نے بھی اپنی کتاب مقالات الاسلامین صفحہ 147/2 پر قول نمبر 5 منجانب اہل السنّت والجماعت توقف در فضلیت بیان کر کے واضح کردیا کہ وہ قوم بھی اہل السنّت ہے جو خلفائے راشدین میں سے کسی ایک کی بھی افضلیت کا قول نہیں کرتی۔ افضلیت خواہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہو یا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ضروریات دین میں سے نہیں ہے کوئی اُسے مانے یا نہ مانے اُسے سنیت سے خارج نہیں کیا جاسکتا۔

شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ کا توقف کو ترجیح دینا

شاہ عبدالحق حجۃ الحق علی الخلق محدث دہلوی قادری موسوی متوفی 1054ھ اپنی نامی گرامی کتاب تکمیل الایمان صفحہ 58 پر رقمطراز ہیں:

پس صحیح آن است که درامامت وخلافت افضلیت شرط نیست پس امامت دلیل افضلیت نتواندبود و نزدمادلیل دیگر نیست که قاطع بود ودلالت کند برتفضیل بعضے ائمه بربعضے، چه عقل رابدرک حقیقت آن راه نیست و اخباریکه درفضائل ایشان ورود یافته متعارض اندپس جزتوقف و سکوت سبیلے نبا شد.

ترجمہ: پس صحیح بات یہ ہے کہ امامت اور خلافت میں افضلیت شرط نہیں ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ امامت افضلیت کی دلیل نہیں ہوسکتی، اور ہمارے پاس کوئی دوسری دلیل نہیں ہے جو قطعی ہو اور بعض ائمہ کے بعض دوسرے آئمہ پر افضلیت پر دلالت کرے، کیونکہ عقل کو حقیقت و دریافت کرنیکی صلاحیت نہیں ہے اور جو احادیث کہ ان

کے فضائل میں وارد ہوئی ہیں آپس میں ٹکراتی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ (ایک کو دوسرے پر افضلیت دیتے ہیں) سوائے توقف اور خاموشی کے اور کوئی چارہ نہیں۔

تبصرہ:

شاہ عبدالحق جو سرزمین ہند میں صحرائے فکر کا پہلا صحرا نورد لگتا ہے وہ اپنی علمی مہارت کا رنگ دو لفظوں میں نکھار کے کہتے ہیں: امامت (خلافت) میں افضلیت شرط نہیں (ضروری نہیں ہے) تو پھر خلافت میں اول ہونے سے افضلیت پر استدلال بنائے "فاسد علی الفاسد" ہوگی جو اہل علم کے نزدیک سراسر باطل ہے۔ لہٰذا امامت وخلافت میں اولیت، دلیل افضلیت ہرگز نہیں ہوگی۔

نیز جو احادیث دربارۂ افضلیت وارد ہوئی ہیں خواہ ابوبکر صدیق ؓ کے بارے میں ہوں یا علی مرتضیٰ ؓ کے بارے میں ساری کی ساری متعارض ہیں۔ شاہ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ ایک آخری عارضہ جو برائے عدم استدلال پیش کرتے ہیں وہ اُن نصوص کے متعارض ہونیکا ہے جو دونوں دھڑوں (ابوبکر صدیق ؓ اور علی مرتضیٰ ؓ) کے حق میں وارد ہوئی ہیں۔

دوسرے متکلمین مثلاً شریف جرجانی متوفی 816ھ شرح مواقف صفحہ 404/8 فرماتے ہیں "**والنصوص المذکورة من الطرفین بعد تعارضها لاتفید القطع علی مالایخفی علی منصف، لانهاباسرها اِمّا احاد اوظنیة الدلالة مع کونهامتعارضة**" ترجمہ: دونوں دھڑوں (حضرت ابوبکر صدیق ؓ اور علی مرتضیٰ ؓ کی حمایت میں وارد ہونے والی نصوص) آپس میں

متعارض ہونیکے بعد (کسی کے حق میں بھی) اٹل حکم کا فائدہ نہیں دیتیں جیسا کہ کسی بھی منصف مزاج پر یہ امر مخفی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ ساری کی ساری روایات یا تو اخبارِ واحدہ یا ظنی الدلالۃ (غیر یقینی معنی رکھتی ہیں) ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ آپس میں ٹکراتی بھی ہیں) یہ تین عوارض برائے عدم احتجاج پیش کرتے ہیں (۱) وحدتِ خبر (۲) دلالت کی ظنیت (۳) تعارض (یعنی باہمی ٹکراؤ)

مگر شیخ محقق علی الاطلاق شاہ عبدالحق قادری موسوی محدث دہلوی بڑے حاکمانہ طور پر ایک عارضہ برائے عدم احتجاج پیش فرماتے ہیں "**اخبارِ یکہ درفضائل ایشان ورود یافتہ متعارض اند**" (ترجمہ: اور وہ احادیث جو کہ اُن (ابوبکر صدیقؓ اور علی مرتضیٰؓ) کے فضائل میں وارد ہوئی آپس میں ٹکرانے والی ہیں) یہ جملہ بول کہ شیخ محقق نے قطع خصومت کر دیا۔ اور بتا دیا کہ اگر اخبار واحدہ نہ بھی ہوتیں اور ظنی الدلالت بھی نہ ہوتیں مگر ایک آخری عارضہ جو کہ تعارض کا ہے پایا جاتا تو کسی اٹل عقیدے کی بنیاد اُن پر نہیں رکھی جا سکتی۔ یعنی اگر ادلہ شرعیہ قطعیت الدلالت بھی ہوں تو اُن میں تعارض واقع ہو جائے تو ظنیۃ الدلالۃ ہو جاتی ہیں، بنا بریں اس مسئلہ افضلیت میں توقف اور سکوت کے بغیر چارہ نہیں۔

حضرت شیخ المحققین شاہ عبدالحق محدث دہلوی "تکمیل الایمان" صفحہ 60 پر رقمطراز ہیں: **ماخود دلائل جانبین را متعارض یافتیم وایں مسئلہ ازاں قبیل نیافتیم کہ چیزے از اعمال بدآن متعلق باشد، وتوقف دروے مخل بچیزے از واجبات گردد۔** ترجمہ: دونوں

دھڑوں (قائلین افضلیت جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ) کے دلائل کو ہم نے آپس میں متعارض پایا اور ہم نے اس مسئلہ (ایک کی دوسرے پر افضلیت) کو اس قسم کا مسئلہ نہیں پایا کہ جس سے کسی عمل کا تعلق ہو، اور اس میں توقف کیا جائے تو کسی واجب کی ادائیگی رہ جائے۔

تبصرہ:

شاہ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی نے اس عبارت کا ترجمہ فارسی زبان میں پیش فرمایا ہے جو علامہ تفتازانی متوفی 795ھ نے اپنی شرح عقائد صفحہ 108 پر درج فرمائی تھی۔اور یہ امر واضح کر دیا کہ یہ عقیدہ علامہ سعدالدین تفتازانی کا انفرادی عقیدہ نہیں بلکہ ہم لوگ بھی اس عقیدے میں اُن کی حمایت کرتے ہیں یعنی اس مسئلہ میں توقف کرنا درست ہے یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے درمیان افضلیت میں خاموشی برتی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔مزید شیخ محقق علی الاطلاق نے توضیح فرمادی (تکمیل الایمان صفحہ 60) ''**جریان کلام محقق دوانی شرح عقائد عضدیہ ہم بریں نہج است** ۔علامہ جلال الدین محمد بن اسعد صدیقی دوانی متوفی 908ھ کا کلام شرح عقائد عضدیہ میں ایسا ہی ہے۔

یعنی شرح عقائد نسفی میں، علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے اظہار میں توقف اور سکوت یہ علامہ تفتازانی کا تنہا قول نہیں بلکہ محقق دوانی کا بھی یہی قول ہے۔

تکمیل الایمان صفحہ 61 پر ہے: **نظر بر احادیث و اخبار یکہ**

در فضائل و کمالات اصحاب ورود یافتہ جز توقف و امساک نیارد ۔ترجمہ: لیکن وہ ان احادیث واخبار پر نظر رکھتے ہوئے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں وارد ہوتی ہیں سوائے توقف اور خاموشی کے کچھ بھی نظر نہیں آتا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر دلائل کا جائزہ

سب سے پہلے تو ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ ہمارے علمائے کرام (جمہور اہل سنت اور علمائے عقائد) کے نزدیک وہ کونسی آیات قرآنیہ ہیں جن کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یکتائی و بے ہمتائی پر دلیل ٹھہراتے ہیں اور اُمت مسلمہ میں افضلیت مطلقہ ثابت فرماتے ہیں۔

اس سے قبل کہ اُن آیات پر گفتگو کی جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ افضلیت کی تعریف کی جائے تاکہ بات کے سمجھنے میں دقت نہ ہو۔ افضلیت ایسے وصفِ کمال کا نام ہے جو کسی ایک کے اندر پایا جائے جس میں کوئی دوسرا شریک نہ ہو۔ اگر کوئی دوسرا شریک پایا گیا تو وہ وصفِ کمال فضیلت کہلائے گا، افضلیت نہیں کہلائے گا۔

نیز افضلیت مطلقہ کا معنی یہ ہوگا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہر صفت و ہر کمال میں امت مسلمہ کے اندر لاشریک ہیں، کسی بھی خوبی اور کمال میں کوئی دوسرا اُن کے ساتھ شریک نہیں۔

لیجئے سب سے پہلی آیت جو اس باب میں پیش کی جاتی ہے وہ یہ ہے:

سَیُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ۝ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى ۝ وَمَا لِأَحَدٍ عِندَهُ مِن نِّعْمَةٍ تُجْزَى ۝ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى ۝ وَلَسَوْفَ يَرْضَى ۝ (واللیل۔۱۷ تا ۲۱)

ترجمہ: (دور رکھا جائے گا اُس سے وہ جو نہایت پرہیزگار ہے جو اپنا مال دیتا ہے اپنے دل کو پاک کرنے کے لئے اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں جس کا بدلہ اُسے دینا ہو بجز اس کے کہ وہ اپنے پروردگار کی خوشنودی کا طلبگار ہے اور وہ ضرور اُس سے خوش ہو جائے گا)

حضور سرورعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلقۂ عقیدت میں داخل ہونے والے سب انہی صفات سے متصف تھے اور ان کی اعلیٰ ترین مثال حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہٗ میں ملتی ہے۔ضیاء القرآن جلد نمبر۵ صفحہ۵۸۲،مصنفہ علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری جج شریعت کورٹ پاکستان، میں لکھا ہے کہ جو صفات ان آیات میں بیان کی گئی ہیں وہ سبھی صحابہ کرام میں پائی جاتی تھیں۔(ان کی اعلیٰ ترین مثال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں ملتی تھی) اس جملے سے انہوں نے جمہور علمائے اہل سنت کی طرف اشارہ فرمایا ہے مگر یہ ان کا حسن عقیدت ہے جیسا کہ میں بھی یہی رائے رکھتا ہوں مگر آیات مذکورہ بالا میں اس کا کوئی محل استشہاد نہیں ملتا کیونکہ "الاتقی" میں جو صیغہ اسم تفضیل کا ہے جسمیں جملہ صحابہ کرام شریک ہیں کسی ایک کیلئے کوئی وجہ ترجیح نہیں ملتی جیسا کہ اوپر گزرے ہوئے "الاشقی" میں جملہ رؤسائے مکہ مراد ہیں صرف امیہ بن خلف یا صرف ابوجہل مراد نہیں اسی طرح الاتقی سے جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مراد ہوں گے۔کیونکہ وہ سارے ان ہی اوصاف سے متصف تھے۔سواس بحث سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے افضلیت ثابت نہیں ہوتی۔

افضلیت کے بارے میں ایک ضروری وضاحت

افضلیت کی بحث چھیڑنے سے پہلے افضلیت کی تعریف اور اس کے احکام

سمجھ لینے چاہئیں تاکہ شئی مجہول پر احکام افضلیت جاری نہ کرتا پھرے۔

افضلیت کسی ایسے وصفِ کمال کا نام ہے جو کسی ایک میں پایا جائے اور کسی دوسرے میں نہ پایا جائے یا کسی دوسرے میں بھی پایا جائے مگر اس درجے کے ساتھ نہ پایا جائے جس درجے کے ساتھ اول الذکر میں پایا جائے۔

فضیلت کسی ایسے وصفِ کمال کا نام ہے جو کسی ایک میں پایا جاتا ہے مگر دوسروں سے اس کی نفی نہیں کی جاتی۔فضیلت،فضائل کی برادری سے ہے اس میں کوئی سی دلیل ظنی از قسم حدیث ضعیف بھی قابل قبول ہے بشرطیکہ مخالفت شرع کا کسی بھی وجہ سے اندیشہ نہ ہو۔مگر اس کے مقابلے میں:۔

افضلیت ایسے وصفِ کمال کا نام ہے جو کسی صاحب کمال میں بلاشرکتِ غیرے پایا جائے یعنی دوسروں میں اس وصفِ کمال کا عدم بھی ثابت کرنا پڑتا ہے اس لئے افضلیت عقائد کا مسئلہ ہے جس میں دلیل ظنی قابل قبول نہیں تو افضلیت کے لئے دو چیزوں کی بنیادی ضرورت ہوتی ہے (۱) اس وصفِ کمال کو صاحبِ کمال میں ثابت کیا جائے۔(۲) دوسروں سے اس وصفِ کمال کی نفی ثابت کی جائے اور دونوں پہلوؤں کے لئے دلائل قطعیہ درکار ہوں گے۔(ملخصاً فتاویٰ رضویہ 580/5)

نیز شریف جرجانی نے اپنی کتاب شرح مواقف صفحہ 404/8 پر اس امر کی تصریح کی ہے کہ افضلیت مسئلہ عقیدہ کا ہے جس میں دلیل ظنی قابل قبول نہیں ہوگی:

واعلم ان مسئلة الافضلية لامطمع فيها فى الجزم واليقين، اذلا دلالة للعقل بطريق الاستقلال على الافضلية بمعنى الاكثرية فى

الثواب بل مستندهاالنقل، وليسة هذه المسئلة مسئلة يتعلق بها عمل فيكتفي فيها بالظن الذى هُوَ كافٍ في الاحكام العملية بل هي مسئلة علمية يطلب فيها اليقين. والنصوص المذكورة من الطرفين بعد تعارضهالاتفيد القطع على مالايخفى على منصف، لانهاباسرها اما احاد اوظنية الدلالة مع كونها متعارضه ايضاً وليس الاختصاص بكثرة اسباب الثواب موجباً لزيادته قطعاً بن ظنا، لان الثواب تفضل من الله كما عرفته فيما سلف فله ان لايثيبَ المطيع و يثيبَ غيره وثبوت الامامة وان كان قطعيا لايفيد القطع بالا فضلية بل غايته الظن.

ترجمہ: یہ بات جان لیں مسئلہ افضلیت میں یقین وجزم کوکوئی دخل نہیں کیونکہ عقل کے لئے مستقل طور پر افضلیت کے لئے کوئی راہنمائی نہیں ملتی اکثریت ثواب کے معنی میں۔ بلکہ ثبوت اس کا صرف نقل ہے اور یہ مسئلہ ایسا نہیں (یعنی مسئلہ افضلیت) جو عمل سے تعلق رکھتا ہو جس میں ظن کو بھی کافی سمجھا جائے، جو کہ احکام عملیہ میں (فی الواقعہ) کافی ہوتا ہے بلکہ یہ مسئلہ علمیہ ہے جس میں یقین کی ضرورت ہوتی ہے)۔

اور جو نصوص دونوں طرف سے مذکور ہوتی ہیں، باہمی ٹکراؤ کے بعد، قطعیت کا فائدہ نہیں دیتیں جیسا کہ یہ حقیقت ایک منصف مزاج پر مخفی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ (ساری نصوص) یا اخبارِ واحدہ ہیں یا ظنیت الدلالت ہیں باوجود متعارض ہونے کی بھی، اور ثواب کے اسباب کی کثرت کے ساتھ مختص ہونا (فضل کی) زیادتی کا موجب ہونا قطعی امر نہیں ہے بلکہ ظنی ہے۔ کیونکہ ثواب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جیسا کہ تمہیں گزشتہ تفصیلات سے پتہ چل چکا ہے سو (اللہ تعالیٰ) کو حق حاصل ہے کہ وہ مطیع کو ثواب نہ دے اور غیر کو

ثواب عطا فرما دے اور امامت (خلافت) کا ثبوت اگرچہ قطعی ہے مگر وہ افضلیت میں قطعیت کا فائدہ نہیں دیتا بلکہ اُس (افضل ہونے) کی انتہا ظن ہے۔

اس مختصر مقدمہ سے یہ امر واضح ہو گیا کہ فضیلت کتاب الفضائل کی چیز ہے جس میں دلیل ظنی بھی قابل قبول ہے بشرطیکہ قواعد شرع میں سے کسی سے بھی متصادم نہ ہو، مگر اُس کے مقابلے میں افضلیت عقیدہ کا مسئلہ ہے جس میں کوئی بھی دلیل ظنی قابل قبول نہیں ہوگی۔

حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الاتقان فی علوم القران'' ج ۱ ص ۱۳۱ پر الاتقی پر تبصرہ فرماتے ہوئے لکھا ہے یہ آیات بالاجماع حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ کی شان میں نازل ہوئی ہیں اور ان آیات میں آپ ہی کو اتقی کہا گیا ہے یہ ان کی دلیل افضلیت ہے۔ اس جگہ انہوں نے سببِ نزول کو وجہ اختصاص قرار دیا ہے جو کہ علمائے تفسیر کے نزدیک سخت محل کلام ہے۔ جس پر آئندہ صفحات میں تفصیلی بحث ہونے والی ہے۔ اور شانِ نزول میں خصوص سبب مدارِ حکم نہیں ہوتا بلکہ عموم لفظ کا اعتبار ہوتا ہے، خصوصاً جبکہ حکم مشتق پر لگے تو مندرجہ ذیل قواعد حرکت میں آئیں گے۔

سب سے پہلا قاعدہ جو حرکت میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ جب حکم مشتق پر لگے تو مادہ اشتقاق علت حکم ہوتا ہے اب اس قاعدے کو اس آیت پر جاری کرتے ہیں۔ الاتقی، تقویٰ کے مادہ سے اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ چونکہ جہنم سے بچائے جانے کا حکم ''الاتقی'' پر لگا ہے جس کا مادہ اشتقاق تقوی ہے۔ اب علت حکم تقوی ہوگا اور وہ عام ہے جو سارے صحابہ میں پایا جاتا ہے لہٰذا اس آیت مبارکہ کی روشنی میں یہ

کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سارے صحابہ کو جہنم کی آگ سے بچائے گا اور یہی عقیدہ جملہ اہلسنت کا ہے۔

علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 685ھ) بیضاوی شریف صفحہ 4 پر ''اَلحمدللہ رب العلمین'' کی تفسیر میں ایک قاعدہ نقل فرماتے ہیں ''فان ترتب الحکم علی الوصف یشعر بعلّیتہٖ لہ'' کسی حکم کا کسی وصف پر مرتب ہونا یہ بات بتاتا ہے کہ وہ وصف اُس حکم کی علت ہے، یعنی وہ وصف پایا جائے تو حکم بھی پایا جائے گا جس کو علماء کرام کی زبان میں ''دلالۃ النص'' کہا جائے گا اور انگریزی میں اس کو (Ratiodecidandi) کہا جائے گا۔

امام جلال الدین سیوطی نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت ثابت کرنے کے لئے جو استشہاد کیا ہے وہ ناکافی ہے کیونکہ کسی کے حق میں کوئی آیت یا آیات نازل ہونا سبب تخصیص نہیں ہوتا جب تک کوئی قرینہ صارفہ موجود نہ ہو۔

علامہ زرقانی (محمد عظیم زرقانی مدرس علوم القرآن وعلوم الحدیث تخصیص الدعوۃ والارشاد) اپنی کتاب ''مناہل العرفان فی علوم القرآن'' 18/1 پر تحریر فرماتے ہیں ''ذھب الجمہور الی ان الحکم یتناول کل افراد اللفظ، سواء منھا افراد السبب وغیر افراد السبب ولنضرب لک مثلاً''

ترجمہ: جمہور کا یہ مذھب ہے کہ کسی لفظ کے مدلول کے جتنے افراد ہوتے ہیں، حکم ان سب پر مشتمل ہوتا ہے۔ اُس میں افرادِ سبب یا غیرِ افرادِ سبب سبھی برابر ہوتے ہیں ان کی مثالیں ہم آپ کو بتاتے ہیں)

امام بدرالدین زرکشی بھی اپنی کتاب ''البرہان فی علوم القرآن''

ج ا ص ۲۴ میں مثال دیتے ہیں اور علامہ زرکشی مزید کہتے ہیں: **قدجاءت آیات فی مواضع اتفقوا علی تعدیتها الی غیر اسبابها کنزول آیة الظهار فی سلمه بن صخرو آیت اللعان فی شان هلال بن امیه ونزول آیة حدالقذف فی رماة عائشة ثم تعدی الی غیر هم.**

ترجمہ: بہت سارے مقامات میں بہت ساری آیات آئی ہیں جن کے غیر اسباب کی طرف بڑھنے پر لوگوں نے (اہل علم نے) اتفاق کیا ہے جیسا کہ سلمہ بن صخر نے اپنی بیوی کے ساتھ ظہار کیا یعنی اپنی بیوی کی پشت کو حرمت میں اپنی ماں کی پشت سے تشبیہ دی پھر کسی وجہ سے ان سے ضبط نہ ہوسکا اس سے اختلاط جنسی کرلیا، حکم کفارۂ ظہار آگیا اب کفارۂ ظہار کا حکم جناب سلمہ بن صخر سے خاص رہے گا یا ہر مسلمان کے لئے وہی حکم ہوگا جو حضرت سلمہ بن صخر کے لئے تھا؟ اب جملہ اہل علم کا اتفاق ہے کہ اس میں جناب سلمہ بن صخر کا نام نہیں لیا گیا بلکہ اُس کی قسم کا نام لیا گیا لہٰذا یہ حکم ہر اس فرد کے لئے عام ہوگا جو اس قسم میں آئے گا۔

علامہ بدرالدین زرکشی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 794ھ) البرہان فی علوم القرآن 24/1 پر تحریر فرماتے ہیں (جس کا ترجمہ یہ ہے): آیت لعان ہلال رضی اللہ عنہ بن امیہ کے بارے میں (جس کا ذکر والذین یرمون ازواجھم میں موجود ہے) نازل ہوئی یعنی جو شخص اپنی نکاحی بیوی کو بدکاری کی تہمت دے اور گواہ اس کے پاس موجود نہ ہوں تو دونوں پر لعان آئے گا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہوگا کہ کیا حکم ہلال رضی اللہ عنہ بن امیہ کے ساتھ ہوگا جو اس آیت کا شانِ نزول ہیں یا ہر اس شخص کے لئے یہ حکم عام ہوگا

جو یہ کام کرے (یعنی خصوص سبب کا اعتبار ہوگا یا عموم لفظ کا؟) جملہ اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ اس میں عموم لفظ کا اعتبار ہوگا خصوص سبب کا نہیں۔

نیز جناب سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی گئی جس کا ذکر "الذین یرمون المحصنات" میں موجود ہے یعنی جو شخص کسی پاکدامن خاتون کو بدکاری کی تہمت دے اور چار شہادتوں سے ثابت نہ کر سکے تو اس پر حد قذف آئے گی یعنی اُسے اسی (۸۰) درے مارے جائیں گے۔ تو اب قابل غور بات یہ ہوگی کہ کیا حد قذف صرف حضرت سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے تہمت دہندگان کو لگائی جائے گی یا کہ قیامت تک جو بھی اس امر قبیح کا ارتکاب کرے گا اس کو بھی یہی حد لگائی جائے گی؟ یقیناً اہل اسلام کا متفقہ عقیدہ ہے کہ جملہ قاذفین کو قیامت تک ویسی ہی حد لگائی جائے گی اس میں جناب سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے قاذفین کی خصوصیت نہیں یعنی خصوص سبب کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ عموم لفظ کا اعتبار ہوگا۔

سائل کا سوال اور اس کا جواب

سائل کا سوال ہے کہ عموم لفظ کا اعتبار اس وقت ہوگا جبکہ کوئی قرینہ صارفہ موجود نہ ہوگا۔ یہاں قرینہ صارفہ موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر نے حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ اور دیگر چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو رائج الوقت قانون کے مطابق غلام تھے اور مسلمان ہونیکی وجہ سے انہیں اذیت پہنچائی جاتی تھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنے پیسے سے خرید کر آزاد فرما دیا تو اس کے بعد اُن کی شان میں یہ آیات نازل ہوئیں جس سے پتہ چلا کہ بیان عموم لفظ کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ اُن کے اوصاف مبارکہ پر حکم مرتب ہوگا عموم لفظ کا اعتبار نہیں ہوگا۔

جواباً عرض ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام لے لیا گیا ہوتا یا اُن کے کسی عمل کی تخصیص کی گئی ہوتی اور اُن کے ایسے اوصاف بیان کئے گئے ہوتے جو کسی دوسرے کے لئے ممکن نہ ہوتے تو احتمال تخصیص تھا مگر جب حکم اوصاف پر لگایا گیا تو اُن اوصاف کو علتِ حکم مانا جائے گا۔

جیسا کہ اصولیوں کا عام قاعدہ ہے کہ جب حکم مشتق پر لگے تو مادہ اشتقاق علتِ حکم ہوتا ہے چونکہ یہاں حکم مشتق پر لگایا گیا ہے لہٰذا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لئے یہ حکم مختص نہیں ہوگا بلکہ ہر وہ شخص جو ان صفات سے موصوف ہوگا وہ اس حکم کا محکوم علیہ ہوگا۔

تطبیق عملی

تطبیق عملی یہ ہے کہ "سیجنبها الاتقی" فرمایا گیا، جس کا معنی ہے کہ اس نار جہنم سے "الاتقی" کو بچایا جائے گا، جہنم سے بچائے جانے کا حکم "الاتقی" پر لگایا گیا ہے جو مشتق ہے (یعنی صیغہ اسم تفضیل کا ہے) اور اس کا مادہ اشتقاق تقویٰ ہوگا جو علتِ حکم ہوگا، حاصل یہ کہ جس میں تقویٰ پایا جائے گا اُس کو جہنم کی آگ سے بچایا جائے گا۔ چونکہ تقویٰ ہر مسلمان کے لئے عام ہے لہٰذا یہ حکم ہر مسلمان کے لئے عام ہے، کوئی وجہ خصوصیت نہیں۔

علامہ بیضاوی متوفی 685ھ نے بیضاوی صفحہ 4 پر "رب العلمین" کی تفسیر کر کے فرمایا ہے۔ "فانِ ترتب الحکم علی الوصف یشعر بعلیّة له" "حکم کا وصف پر مرتب ہونا اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ وہ وصف اُس حکم کے لئے علت کا درجہ رکھتا ہے۔ یہاں جہنم سے بچائے جانے کے حکم کو "الاتقی" پر مرتب کیا گیا ہے جس

سے ثابت ہوتا ہے کہ ''الاتقی'' ہونا علت ہے جہنم سے بچنے کی، چونکہ الاتقی ہونا ہر مومن
کے لئے ممکنات میں سے لہٰذا جہنم سے بچائے جانے کا حکم جناب ابوبکر صدیقؓ
سے مخصوص نہیں ہوگا بلکہ ہر مسلمان کے لئے عام ہوگا۔

سائل کا بڑا علمی سوال

علامہ جلال الدین محلی جو جلالین کے آخری حصے کے مصنف ہیں اور امام
جلال الدین سیوطی کے اُستاد ہیں، نے لکھا ہے کہ ''الاتقی'' میں ''الف لام'' عہدی ہے
اور معہود حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں (مناہل الفرقان فی علوم القرآن 117/1)

اسی سوال کی تائید میں ایک دوسرا سوال

علامہ جلال الدین سیوطی 911ھ ''الاتقان فی علوم القرآن''
صفحہ 31/1 پر تحریر فرماتے ہیں:۔''سیجنبها الاتقی الذی یوتی ماله یتزکی
الخ، فانها نزلت فی ابی بکر الصدیق بالاجماع فإن هذه الاية ليس
فيها صيغة عموم"اذ الالف واللام، انّما تفيد العموم اذا كانت موصولةً
او معرّفةً جمع زاد قوم اومفرد بشرط ان لايكون هناك عهد واللام
في الاتقى ليست موصولةً لانها لاتوصل بافعل التفضيل اجماعاً
والاتقى ليس جمعًا بل هو مفرد والعهد موجود خصوصاً مع مايفيده
صيغة افعل من التمييز وقطع المشاركة فبطل القول بالعموم وتعين
القطع والقصر على من نزلت فيه رضى الله عنه:
ترجمہ: ''سیجنبها الاتقی'' والی آیت حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حق میں

بالاجماع نازل ہوئی ہے۔ سو یہ آیت، اس میں کوئی صیغہ عام کا معنی دینے والا نہیں
ہے کیونکہ ''الف لام' عام ہونے کے معنی صرف اس وقت دیتا ہے جبکہ یہ (الف لام)
موصولہ ہو (یعنی اسم فعل یا اسم مفعول کے اول میں آئے جبکہ یہ دونوں صیغے حدوث
کے معنی دیتے ہوں اور وہ الف لام اجماعاً اسم تفضیل کے اول میں نہیں آتا اور لفظ
''الاتقی'' جمع بھی نہیں بلکہ وہ مفرد ہے اور عہد بھی موجود ہے خصوصاً اس کے ساتھ
ساتھ صیغہ اسم تفضیل تمیز اور قطعِ مشارکت کے معنی دیتا ہے۔ پس عموم کا قول باطل
ہو گیا اور خصوصیت قطعی ہوگئی۔ اور جن کے حق میں یہ آیات نازل ہوئیں ان کے حق
میں قصر ثابت ہوگئی (یعنی ان آیات کے مدلولات صرف اسی ذات والا صفات ابوبکر
صدیقؓ کے حق میں مقصور ہوگئے ان کے سوائے دوسرے کے لئے ان صفات و
آیات کا استعمال درست نہیں ہوگا۔

جواباً عرض ہے: سب سے پہلے تو جلال الدین محلی جو کہ علامہ سیوطی کے
اُستاد ہیں، بحوالہ محمد عظیم زرقانی ''مناہل الفرقان فی علوم القرآن'' کے سوال کا جواب
مطلوب ہے ''الاتقی'' پر ''الف لام' عہدی ہے۔

علامہ جلال الدین محلی کی وہ اپنی تحریر جو جلالین شریف کے آخری پندرہ
پاروں کی صورت میں موجود ہے دیکھیں گے کہ آیا انہوں نے ''الف لام عہدی کا
ترجمہ کیا ہے یا الف لام استغراقی کا؟ آپ اسی آیت کے ضمن میں فرماتے ہیں:

**والاية تشمل من فَعَلَ مثل فعله رضى الله عنه فيبعد عن
النار ويثاب** ۔(جلالین شریف 276/4 مصنفہ جلال الدین محلی) ترجمہ: یہ آیت

ہراس آدمی کوشامل ہے جواُن کا سا کام کرے، پس اس کو آگ سے دور رکھا جائے گا اوراس کوثواب دیا جائے گا (یعنی اس میں کسی شخص کی خصوصیت نہیں)۔

یہاں جلال الدین محلی نے الف لام عہدی کا ترجمہ نہیں کیا بلکہ الف لام استغراقی کا ترجمہ کیا ہے (یعنی یہ الف لام استغراقی ہے جو بتاتا ہے کہ اس صفت کے جتنے بھی افراد ہیں یہ ''الف لام'' ان سب کو گھیرتا ہے اس میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی کوئی خصوصیت نہیں)

''الف لام'' عہدی پر شرح وبسط سے بحث آرہی ہے۔ چونکہ ''الف لام'' عہدی علامہ جلال الدین سیوطی کا بنیادی محل استدلال ہے لہٰذا قدرے تفصیل سے اس پر بحث آرہی اور اُسے بعد میں رکھا گیا ہے، سردست یہ سمجھنا ضروری ہوگا کہ علامہ سیوطی کا اس آیت کے نزول کے بارے میں دعویٰ اجماع کہاں تک صحیح ہے؟

ایسے لگتا ہے کہ جوں جوں وقت گزرتا گیا لفظ ''اجماع'' اپنے اصلی معنی سے محروم ہوتا چلا گیا۔ لیجئے دعویٰ اجماع کی تصدیق کے لئے سب سے پہلے امام ابومنصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر ''تاویلات اہل السنۃ'' 555/10 ملاحظہ ہو:

قال بعضهم نزلت هذه الاية هي قوله عزوجل "مالاحد عنده من نعمة تجزى" في ابي بكر الصديق ؓ. وقال بعضهم هذه الاية في ابي الدحداح ؓ

ترجمہ: بعض نے کہا کہ یہ آیت جناب ابوبکر صدیق ؓ کے حق میں نازل ہوئی اور بعض نے کہا یہ آیت ابودحداح ؓ کے حق میں نازل ہوئی۔

امام ابومنصور ماتریدی جن کا سن وفات 333ھ ہے اور جملہ احناف جن کو عقیدہ میں اپنا امام مانتے ہیں چوتھی صدی کی پہلی چوتھائی تک اُن کے نزدیک تو یہ مذہب بعض کا تھا۔ بعض کے نزدیک یہ آیات جناب ابوبکر صدیق ؓ کے حق میں

نازل ہوئی تھیں اور بعض کے نزدیک جناب ابودحداح ؓ کے حق میں نازل ہوئی تھیں۔ اجماع نے کتنی ترقی کی جو چیز چوتھی صدی کے اوائل تک تو مذہب بعض تھی وہ دسویں صدی کے اوائل تک اجماعی بن گئی ہے۔ میں اور کسی سے تو کچھ نہیں کہوں گا لیکن حنفی لوگوں سے ضرور احتجاجاً عرض کروں گا کہ لفظ اجماع کا اشاعرہ کی تقلید میں اس قدر بے دردانہ استعمال نہ کریں۔

الف لام عہدی کے بعد جلد ہی یہ بحث آجائے گی کہ کیا شان نزول سبب تخصیص بن سکتا ہے بغیر کسی قرینہ صارفہ کے؟ اس پر پہلے بھی چند گزارشات آچکی ہیں۔

یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ ان آیات مبارکہ کے بارے میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے حق میں نازل ہونے پر اجماع کا دعویٰ خود اشاعرہ کے نزدیک بھی باطل ہے: **سيجنبها الاتقى الذى يوتى ماله الخ فالجمهور على انها نزلت فى ابى بكر رضى الله عنه**: شرح المقاصد 298/2 مصنفہ امام سعد الدین مسعود بن عمر بن عبداللہ تفتازانی متوفی 791/795ھ)۔ ترجمہ: یہ آیات جمہور کے نزدیک جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ ابومنصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان آیات کا نزول در بارہ ابوبکر صدیق ؓ مذہب بعض ہے۔ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مذہب جمہور ہے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ مسئلہ اجماعی ہے، ستم ظریفی کی انتہاء ہے کہ ''اجماع'' اسلام میں جو تیسرا مصدر قانون ہے اُس کو اس بیدردی سے استعمال کرنا شروع کردیا گیا ہے کہ سننے والے کا اعتماد ہی مجروح ہوجاتا ہے۔

نیز علامہ سیوطی کا دعویٰ ہے کہ اس میں کوئی صیغہ عموم کا نہیں بلکہ شان نزول سے اس کی تخصیص ہوگئی۔ لیجئے اس پر مفسرین کے نکتہ ہائے نگاہ ملاحظہ فرمائیے۔ جس سے صیغہ عموم کا بھی پتہ چل جائے گا نیز آیات کی تخصیص کا بھی پتہ چل جائے گا۔

علامہ سیوطی کے قول "ان آیات میں کوئی صیغہ عموم کا نہیں" کا جواب

☆ **والآیة تشمل من فعل مثل فعلہ رضی اللہ عنہ فیبعد عن النار ویثاب** (جلالین صفحہ 276/4 پر حاشیہ صاوی مصنفہ جلال الدین محلی)

صیغہ عموم کو ثابت کرنے کے لئے جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے اُستاد جلال الدین محلی کا حوالہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ یہ حصہ جلال الدین محلی کا لکھا ہوا ہے اور فاتحہ سے لے کر نصف قرآن تک جلالین شریف علامہ جلال الدین سیوطیؒ کی لکھی ہوئی ہے لہٰذا اس حصے کو امام جلال الدین سیوطی کی ذاتی تحریر پر بھی بالا دستی حاصل ہے اور چونکہ اس کی تدوین وتحریر کا کام بھی علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے کیا ہے لہٰذا اس حصے کو علامہ سیوطی کی تائید بھی حاصل ہے۔ یہاں جلال الدین محلی کی تحریر کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

ترجمہ: یہ آیت ہر اس آدمی کو شامل ہے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سے کام کرے (جو بھی اُن کے سے کام کریگا) اُسے آگ سے دور رکھا جائے گا اور ثواب دیا جائے گا۔

اس میں یہ امر اچھی طرح واضح ہوگیا کہ اِن آیات میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کوئی خصوصیت نہیں بلکہ یہ حکم وصف پر مرتب ہونے کی وجہ سے ہر

صاحب وصف کیلئے عام ہے جب بھی کبھی کسی میں وہ وصف پایا جائے گا اس کو اس طرح کا اجر ملے گا۔

☆ اسی نوعیت کا دوسرا حوالہ ملاحظہ فرمائیے:

تتناول الآیة غیر هما من الاشقیاء والاتقیاء بالتبعیة از لاعبرة بخصوص السببیه. وان کان المراد اعم فان اریدیهم الشقی و التقی فلا اشکال ایضاً. (تفسیر نیشاپوری صفحہ 512/6 مصنفہ علامہ نظام الدین الحسن بن محمد بن حسین القمی النیشاپوری متوفی 728ھ)

ترجمہ: آیت اُن دونوں (امیہ بن خلف و جناب ابوبکر صدیقؓ) کے سوائے بھی دوسرے اشقیا واتقیاء کو بالتبع لیتی ہے اس لئے کہ خصوص سبب کا لحاظ نہیں اگر مراد اعم ہو تو اگر ان دونوں سے شقی وتقی مراد لے لی جائے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں۔

یعنی نظام الدین نیشاپوری کے نزدیک اشقی (جو صیغہ اسم تفضیل کا ہے) سے صفت مشبہ کا صیغہ "شقی" مراد لیا جائے اور اس طرح "اتقی" سے جو صیغہ اسم تفضیل کا ہے، تقی جو صیغہ صفت مشبہ کا ہے مراد لے لیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں اور دیگر مفسرین نے بھی یہی لکھا ہے۔ تفسیر روح البیان، تفسیر مدارک، تفسیر طبری، تفسیر قرطبی، سب نے اتقی بمعنی تقی لکھا ہے یعنی بجائے صیغہ اسم تفضیل کے سب نے صیغہ صفت مشبہ کا معنی کیا ہے۔ اب شرکت قبول نہ کرنے کے لئے تو صیغہ اسم تفضیل چاہئے ہوگا۔ یہ صیغہ جات مصروف الظاہر ہیں یعنی ان کے معنی اسم تفضیل والے نہیں

ہوں گے بلکہ صفت مشبہ والے ہوں گے۔ انشاء اللہ کچھ صفحات کے بعد اتقی بمعنی تقی اور اشقی بمعنی شقی ہونے پر اور مصروف الظاہر ہونے پر علمائے عقائد کی توجیہات اور عبارات بھی پیش کی جائیں گی۔

☆ ”علامہ سیوطی کے اس قول کا جواب کہ ان آیات میں کوئی صیغہ عموم کا نہیں بلکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خصوصیت ہے“

”سیجنبھا الاتقی یعنی یباعد عنھا الاتقی المتقی، الذی یتقی الشرک“ (تفسیر سمرقندی، بحر العلوم، مصنفہ الفقیہہ الزاہد ابی اللیث سمرقندی)

ترجمہ: اسے (نار جہنم) سے دور رکھا جائے گا جو اتقی بمعنی متقی ہے جو شرک سے بچے گا۔

امام ابواللیث سمرقندی قدماء میں سے ہیں جبکہ قوم کے دانشور مقامی تعصب سے متاثر نہیں ہوئے تھے وہ لکھتے ہیں کہ ”الاتقی“ بمعنی متقی ہے جو اشتراک کو قبول کرتا ہے“

”الاتقی“ بمعنی ”تقی“ کی تحقیق

بعض بزرگانِ دین نے لکھا ہے ”الاتقی“ صیغہ اسم تفضیل کا ہے یہ صفت مشبہ کے لئے کیسے استعمال ہوسکتا ہے۔ جواباً عرض ہے کہ جن مفسرین کا اجماع سبب نزول کے حوالے سے آپ نے پیش فرمایا ہے آپ ذرا نگاہ عنایت فرمائیں اور دیکھیں کہ ان میں سے ہر ایک نے ”الاتقی“ کا معنی ”تقی“ لکھا ہے یعنی اسم تفضیل کو صفت مشبہ کے معنی میں استعمال کیا ہے کہ نہیں؟ جس جس نے شان نزول کا سبب حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بتایا ہے اُن میں سے ہر ایک نے ”الاتقی“ بمعنی ”تقی“ بتایا ہے اس کی کیا وجہ ہے کہ سبب نزول برائے ابوبکر صدیقؓ پر

اجماع تسلیم ہو گیا مگر ”الاتقی“ بمعنی ”تقی“ پر اجماع تسلیم نہیں ہوا؟ یہ تو سراسر آنکھوں پر پٹی باندھنے والی بات ہے۔

جس طرح اس آیت کے سبب نزول پر بقول تمہارے اجماع ہے یا بقول ہمارے کثرت رائے ہے اس طرح ”الاتقی“ بمعنی ”تقی“ پر اجماع یا کثرت رائے یعنی جس جس نے اس آیت کے دربارہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نازل ہونا تسلیم کیا ہے اُس نے ”الاتقی“ کا ”تقی“ کر کے واضح کر دیا کہ یہ حکم جناب ابوبکر صدیقؓ سے مختص نہیں بلکہ یہ حکم عام ہے۔ جس طرح سبب نزول میں جناب ابوبکر صدیقؓ کا ہونا جمہوری یا اجماعی ہے اس طرح اس کا حکم ہر مسلمان کے لئے جمہوری یا اجماعی ہے۔

وہ علماء تفسیر جنہوں نے ”الاتقی“ کا معنی ”تقی“ کیا ہے:

(۱) سب سے پہلے تو جلالین کو ہی لیں گے ”الاتقی“ بمعنی ”تقی“ (جلالین 275/4)

(۲) **”الاشقی“ بمعنی ”شقی“ وھو الکافر ”والاتقی“ بمعنی ”التقی“ وھو المومن** (تفسیر مدارک 813/2 مصنفہ امام عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی متوفی 701ھ) امام نسفیؒ نے ”الاشقی“ سے شقی مراد لے کر ہر کافر مراد لیا ہے اور ”الاتقی“ سے ”تقی“ ہر مومن مراد لیا ہے، ”الاشقی“ سے کوئی خاص کافر مراد نہیں اسی طرح ”الاتقی“ سے کوئی خاص مومن مراد نہیں بلکہ ہر مومن مراد ہے۔

(۳) اسی طرح امام طبری نے اپنی تفسیر ابن جریر طبری میں ”الاتقی“ کا معنی تقی کیا ہے

(۴) امام اسمعیل حقی آفندی نے تفسیر روح البیان میں ”الاتقی“ کا ترجمہ ”تقی“ کے ساتھ کیا ہے۔

(۵) امام قرطبی نے بھی اپنی تفسیر میں ”الاتقی“ کا ترجمہ ”تقی“ کیا ہے۔

(۶) امام سمرقندی نے ''(سیجنبھا الاتقی)'' یعنی یباعدعنھا الاتقی یعنی "المتقی"۔ ''الاتقی'' کا ترجمہ اسم فاعل سے کیا ہے۔

(۷) "فاِن اریدبھم الشقی والتقی فلااشکال ایضاً. ترجمہ: اگرالاشقی، ''والاتقی'' سے شقی وتقی مراد لے لی جائے تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔

اس کی وجہ سمجھ میں آنی چاہئے کہ جب مفسرین کرام کے سبب نزول پر جمہور کے جمع ہونے سے اجماع ہوگیا تو ان سبھی کے ''الاتقی'' بمعنی تقی لکھنے سے ''الاتقی'' بمعنی تقی پر اجماع کیوں نہیں ہوگیا؟ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حقائق پر فیصلے نہیں ہوتے بلکہ اپنی مرضی کے سودے ہیں کہ جو چاہا فیصلہ کرلیا۔

مگر یاد رکھیں کہ سبب نزول پر اتفاق ہونے سے تو صرف یہی فائدہ ہوگا کہ سبب نزول کو مضمون آیت سے خارج نہیں کیا جاسکتا خواہ اجماع اُمّت ہی کیوں نہ ہو جائے مگر جہاں تک ''الاتقی'' بمعنی ''تقی'' کا تعلق ہے اس میں تو جمہور کی رائے بقول تمہارے اجماع ہوجائے تو حکم کی تخصیص برائے شخص واحد بالکل ممنوع ہوجائے گی، تخصیص کسی بھی طرح ثابت نہیں ہو پائے گی یعنی ''الاتقی'' بمعنی ''تقی'' پوری اُمت کے اتقیاء کے لئے عام ہوجائے گا۔

علماءِ عقائد کی آراء ملاحظہ فرمائیے

مولانا عبدالعزیز پرہاروی اپنی کتاب ''نبراس'' شرح ''شرح عقائد'' صفحہ 358 پر لکھتے ہیں: ھذا النصوص متروکۃ الظواھر۔ اِن آیات کے ظاہری معنی ترک کردیئے گئے ہیں۔

اس ابہام کی وضاحت علامہ نسفی متوفی 710ھ نے اپنی تفسیر مدارک صفحہ 813/2 پر یوں فرمائی ''قال ابوعبیدہ :اَلاشقی بمعنی شقی والاتقی بمعنی تقّی وھوالمؤمن لانہ لایختص بالصلی اشقی الاشقیاء ولابالنجاہ اتقی الاتقیاء : ترجمہ: الاشقی کے معنی شقی ہیں اور الاتقی بمعنی تقی ہیں اور وہ (ہر) مؤمن ہے کیونکہ (جہنم) میں داخل ہونا سب سے بڑے بدبخت کے ساتھ خاص نہیں اور نہ ہی بچ جانا سب سے بڑے متقی کے ساتھ مخصوص ہے۔

امام نسفی ایک اعتراض خود وارد فرماتے ہیں اور اس کا جواب ارشاد فرماتے ہیں: وان زعمت انّہ نکرالنار فارادناراً مخصوصۃً بالاشقی فما تصنع بقولہ"سیجنبھاالاتقی" لان التقی یجنب تلک النار المخصوصۃ لاالاتقی منھم خاصۃً (تفسیر مدارک 813/2) ترجمہ: اگر تو یہ گمان کرے کہ اس (اللہ تعالیٰ) نے ''نار'' کو نکرہ بنایا تو اُس نے ایک مخصوص مراد آگ لی ہے جو کہ سب سے بڑے بدبخت کے ساتھ مخصوص ہے پھر تم اس قول باری تعالیٰ کے کیا معنی کروگے: "سیجنبھا الاتقی" کیونکہ اس نار مخصوصہ سے ہر متقی کو بچایا جائے گا نہ کہ ان میں سے سب سے بڑی متقی کو خصوصاً بچایا جائے گا۔

امام نسفی جو کہ صاحب ''کنز'' بھی ہیں بایں معنی وہ فقیہہ بھی ہیں اور اصول فقہ میں ''منار'' بھی انہی کی کتاب ہے اور اُس کی شرح بھی انہوں نے خود لکھی بایں وجہ وہ درجہ اجتہاد کو بھی پہنچتے ہیں، انہوں نے ''الاشقی'' بمعنی ''شقی'' اور ''الاتقی'' بمعنی ''تقی'' لکھا ہے جو علی وجہ البصیرت ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اگر اَشقی بمعنی شقی نہ کیا جائے تو یہ خرابی لازم آتی ہے کہ وہ جہنم کی آگ صرف سب سے بڑے بدبخت کو جلائے گی اور سب سے بڑا بدبخت کافر ہی ہوسکتا ہے۔تو حاصل معنی یہ ہوگا کہ کافر کے سوا جہنم میں کوئی نہیں جائے گا یعنی کسی گنہگار کو جہنم میں جانا نہیں پڑے گا۔حالانکہ ایک گنہگار مسلمان نے اگر گناہوں سے توبہ بھی نہ کی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شفاعت بھی نہ فرمائی اور فضل الٰہی بھی نہ ہوا تو اُس کو بھی جہنم کی آگ میں جلنا ہوگا۔اگر یہ عقیدہ رکھا جائے کہ سوائے کافر کے کوئی بھی جہنم میں نہیں جائے گا تو یہ عقیدہ مرجئہ کا ہے جس کو اہل السنّت نے بری طرح سے مسترد کیا ہے۔لہٰذا علمائے اہل سنت نے اس جگہ ''الاشقی'' کا ترجمہ ''شقی'' سے کیا جس کا مطلب ہوگا کہ آگ میں جلنا کفار کی خصوصیت نہیں بلکہ کافر بھی اور مومن مذکور بالا بھی جہنم میں جلے گا جو اہل سنت کا عقیدہ ہے۔

اس طرح علمائے اہل سنت نے ''الاتقی'' کا معنی ''تقی'' کیا ہے کیونکہ اگر ''الاتقی'' کا معنی ''الاتقی'' ہی رہے تو معنی یہ ہوں گے کہ جہنم کی آگ سے صرف وہی دور رکھا جائے گا (بچایا جائے گا) جو سب سے بڑا پرہیزگار ہوگا باقی جو چھوٹے درجے کے پرہیزگار ہوں گے (یعنی متقی ہوں گے) وہ آگ میں ڈالے جائیں گے، یہ عقیدہ معتزلہ کا ہے اہل سنت کا نہیں ہے، اس لئے ''الاتقی'' کا معنی تقی کیا گیا اس تاویل سے اہل السنّت نے جملہ مرجئہ اور معتزلہ کا رد کیا ہے۔

نیز یہ کہنا کہ ''صیغہ اسم تفضیل کا بمعنی صفت مشبہ استعمال نہیں کیا جاسکتا'' یہ بھی قلت اطلاع کی بات ہے ورنہ اس کی مثالیں جملہ اہل علم کے نزدیک مسلمہ ہیں۔

سیّد محمود آلوسی بغدادی خالدی نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر ''روح المعانی'' 151/30 پر خامہ فرسا ہیں:

''قیل فی الجواب ان المراد "بالاشقی و الاتقی" "الشقی و التقی" و شاع افعل فی مثل ذالک وفیہ قول طرفہ:

تمنی رجال اَن اَمُوتَ فاِن اُمُت

فتلک سبیل لست فیھا باوحد

ترجمہ شعر: (لوگ چاہتے ہیں کہ میں مرجاؤں، سو اگر میں مرجاؤں تو یہ ایک ایسا راستہ ہے جس میں میں اکیلا نہیں ہوں)

اس جگہ شاعر نے اوحد بمعنی ''واحد'' یعنی اسم فاعل مراد لیا ہے۔اس سے ثابت ہوا کہ اسم تفضیل کو اسم فاعل کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

الحاصل اگر ''الاشقی'' اور ''الاتقی'' سے الشقی اور التقی مراد لیا گیا ہے تو یہ عقلاً اور نقلاً درست ہے۔یہی موقف امام طبری اور امام قرطبی نے پیش کر کے یہی شعر بطور مثال پیش فرمایا ہے اور ثابت کیا ہے کہ ایسا کرنے میں نہ ہی کوئی عقلی استحالہ ہے اور نہ ہی نقلی استحالہ ہے یعنی ایسا کرنا بہر طور درست ہے۔

قواعد کی آئینی حیثیت

ایک طبقہ اہل علم کو اس بارے میں سخت احتجاج ہے کہ افعل التفضیل کبھی بھی اسم فاعل یا صفت مشبہ کے معنی میں استعمال نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ وضع واضع کے بھی خلاف ہے اور عربی ادب کے استعمال کے بھی خلاف ہے۔

جواباً عرض ہے عربی قواعد میں اسم تفضیل کے تین استعمال ہیں:

(۱) اضافت کے ساتھ (۲) ''من'' کے ساتھ (۳) ''الف لام تعریف'' کے ساتھ

جب اسم تفضیل اضافت ''ومن'' کے بغیر ہو اور معرف باللام ہو اس وقت غیر تفضیل کے لئے استعمال ہوسکتا ہے (اسم فاعل یا صفت کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے)۔

''شرح ابن عقیل'' مصنفہ بہاءُ الدین عبداللہ بن عقیل العقیلی المصری الہمدانی متوفی 769ھ 182/3 پر حوالہ ملاحظہ ہو: **ومن استعمال صیغة افعل لغیر التفضیل قوله تعالی: وَهو الذی یبدأُ الخلق ثم یعیده وهو اهون علیه (27/30) وقوله تعالی: ربّکم اعلم بکم (54/17) ای: وهو هیّن علیه وربکم عالم بکم:**

پہلی آیت میں ''اھون'' بمعنی ھیّن اور دوسری میں ''اعلم'' بمعنی عالم ہے۔ قرآن مجید کی ان دونوں آیات میں صیغہ اسم تفضیل اسم فاعل وصفت مشبہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے جب قرآن مجید میں اسم تفضیل کے اسم فاعل یا صفت مشبہ کے معنی میں استعمال ہونے کے دونمونے مل گئے پھر کیا شک باقی رہ گیا؟

اب ایک قولِ شاعر بھی ملاحظہ فرمائیے:

وإن مدّت الایدی الی الزاد لم اکن

باعجلهم اذ اجشع القوم اعجل

یہاں اعجل بمعنی عجل ہے (شرح ابن عقیل صفحہ 182/3)۔

اب جبکہ مفسرین نے ''الاتقی'' بمعنی ''تقی'' کی تائید کردی تو ابہام باقی نہ رہا۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ کے قول کا جائزہ

اب امام سیوطی کے اس قول کا جائزہ لیتے ہیں کہ ''یہ الف لام'' عہدی ہے:

''الف لام'' اپنے گھر میں یا اسمی ہوتا ہے یا حرفی۔ اسمی وہ ہوتا ہے جو اسم فاعل یا اسم مفعول بمعنی حدوث پر آتا ہے، وہ اسم تفضیل پر باجماع نحاۃ نہیں آسکتا۔ چونکہ یہ ''الاتقی'' لفظاً وظاہراً اسم تفضیل ہے لہٰذا اس الف لام کے لئے اسمی ہونا ممکن نہیں ہے۔

دوسرا الف لام حرف تعریف ہوتا ہے اور وہ دو قسم کا ہوتا ہے

(۱) عہدی (۲) جنسی

پھر عہدی کی تین اقسام ہوتی ہیں (۱) عہد ذکری، حسّی یا خارجی۔ اس عہدی کے لئے یہ تین نام استعمال ہوتے ہیں (۲) عہد ذہنی (۳) تیسرا عہد حضوری۔

اب عہد حسی، ذکری، خارجی پر گفتگو کرتے ہیں: یہ الف لام عہد ذکری (خارجی، حسّی) وہ ہوتا ہے (۱) جو اس ماہیت کی طرف اشارہ کرتا ہے جو فرد واحد میں متحقق ہوتی ہے اور (۲) خارج میں موجود ہوتی ہے (۳) اور سامع اور متکلم کے درمیان متعین ہوتی ہے (۴) نیز اس کا مدخول پہلے مذکور ہونا بھی ضروری ہوتا ہے اور اس کی علامتِ صحت یہ ہوتی ہے کہ اگر اس کو ہٹا کر اُس کی ضمیر لگادی جائے تو معنی میں خرابی لازم نہ آئے۔

الف لام عہد ذکری (خارجی، حسّی) کی تطبیق عملی

یہاں تو کوئی فرد واحد سابقہ مذکور نہیں جس میں ''الاتقی'' کی ماہیت متحقق ہو اور خارج میں موجود ہو اور سامع اور متکلم (باری تعالیٰ اور جناب رسول کریم صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم) کے درمیان متعین ہو اور معہود کو ہٹا کر اُس کی جگہ اس کی ضمیر لگائی جائے تو کوئی معنوی خرابی لازم نہ آئے اور پہلے بھی اس کا ذکر آیا ہوا ہو چونکہ یہ چار شرائط پورے ہوئے بغیر ''الف لام'' (ا) عہد ذکری (خارجی یا حسّی) قرار نہیں دیا جائے گا چونکہ یہ سارے شرائط بھی مفقود ہیں لہٰذا ''الف لام'' عہد ہونے کا قول باطل ہے۔ بنابریں تخصیص کا قول بھی باطل ہوا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ آیت جس میں ''الاتقی'' واقع ہے جناب ابوبکر صدیقؓ کی تخصیص کا فائدہ نہیں دے سکتی۔

سائل کا سوال

آپ اس ''الف لام'' کو ''مَن'' کی طرف مشیر کیوں نہیں مان لیتے جو ''امّا من اعطی واتقی'' میں آیا ہوا ہے جو کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرف اشارہ کر رہا ہے اس طرح ''الاتقی'' کی جناب ابوبکر صدیقؓ میں خصوصیت بھی ثابت ہو جائے گی اور پوری اُمت پر ان کی افضلیت بھی ثابت ہو جائے گی۔

جواب:

☆ جواباً عرض ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسے فرض کر لینے سے مسئلہ حل ہو سکتا ہے مگر مشکل یہ ہے ''الف عہد ذکری'' جس ماہیت کی طرف اشارہ کرتا ہے اس کی وحدت شرط ہے مگر جس کو آپ ''الف لام عہد ذکری'' کا مشار الیہ بنانا چاہتے ہیں وہ ''مَن'' ہے جو کہ علمائے معانی و بلاغت و علمائے صرف و نحو کے نزدیک کلمہ عام ہے جس کو علمائے اصول نے ''عام و خاص'' کے باب میں سر عنوان ذکر کیا ہے اور معنی عام کی مثال کلمہ ''ما و من'' کو قرار دیا ہے لہٰذا یہ ''الف لام'' جو ''الاتقی'' کے اول میں آیا ہوا

ہے کبھی بھی وحدت کے معنی میں ''من'' کی طرف اشارہ نہیں کر سکتا ہے لہٰذا ''الاتقی'' میں ''الف لام عہد ذکری'' کا قول بھی باطل ہوا۔ بنابریں جناب ابی بکر صدیقؓ کی تخصیص کا دعویٰ بلا دلیل ٹھہرا۔

نوٹ: الف لام عہد ذکری کا مدخول ہمیشہ واحد ہوتا ہے (رسالہ لامیہ صفحہ 3)۔ لفظاً بھی اور معنیً بھی اور لفظ ''الاتقی'' جمع معنوی ہے جیسا کہ خود ''جلالین'' میں اس کا ترجمہ کیا گیا ہے۔

☆ عہد کی دوسری اقسام بھی اس پر صادق نہیں آ سکتیں کیونکہ عہد کی دوسری قسم ''عہد ذہنی'' ہے۔ یہ لام اشارہ کرتا ہے اس ماہیت کی طرف جو کہ ذہن متکلم میں ایک مفروض فرد میں متحقق ہوتی ہے یعنی وہ فرد واقعہ میں موجود نہیں ہوتا، یہاں تو فرد نہیں بلکہ افراد ہیں اور ذہن متکلم میں نہیں بلکہ خارج میں موجود ہیں جن پر ''امامن اعطی واتقی'' دلالت کر رہا ہے لہٰذا یہ ''الف لام'' عہد ذہنی نہیں ہو سکتا جیسا کہ اخاف ان یاکلہ الذئب وانتم عنہ غافلون، میں ہے۔

☆ اسی طرح یہ ''الف لام عہد حضوری'' بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ عہد حضوری کا لام شیء مشاہد و حاضر کے لئے ہی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ زمانہ حاضر کے معنی والا لفظ ہو مثلاً: ''الیوم اکملتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ واتممت علیکم نعمتی'' یہاں ''الیوم'' مثال ہے (آج کے دن)۔

☆ یا اسمائے اشارات کے بعد جو اسماء واقعہ ہوتے ہیں جیسا کہ جاء نی ھذا الرجل (میرے پاس یہ مرد آیا)۔ یہاں ''الرجل'' میں مثال ہے۔

☆ یا کوئی اسم ''ایّ'' کے بعد آجائے مثلاً: یا ایّھا الرجل ''(اے مرد) یہاں مثال ''الرجل'' میں ہے۔

☆ یاوقتِ کلام حاضر ہونے والے اسماء پر لام آئے تو عہد حضوری ہوسکتا ہے۔ چونکہ ''الاتقی'' پر کوئی بھی تعریف صادق نہیں آئی لہٰذا یہ ''الاتقی'' عہد حضوری بھی نہیں ہوسکتا کیونکہ عہد حضوری کا خارج میں سابقہ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اور اس آیت میں سابقہ سے تعلق ہے لہٰذا تلاش کرنا پڑے گا کہ یہ ''الف لام'' کس برادری کا ہے؟

اہلِ علم نے ''الف لام'' تعریفی حرفی کی دو قسمیں بتائی (ا) پہلی قسم کا نام عہدی ہے جس کی تینوں اقسام پر گفتگو ہو چکی، جس میں ثابت ہو گیا کہ یہ ''الف لام'' کسی طرح بھی عہدی نہیں ہوسکتا۔ اب رہ گئی ''الف لام'' تعریفی حرفی کی دوسری قسم جس کا نام جنسی ہے، اب اس پر گفتگو کرتے ہیں:

''الف لام'' کی دوسری قسم کا نام جنسی ہے جس کے مدخول سے فردِ واحد مراد نہیں ہوسکتا اُس کی بھی تین اقسام ہیں:۔

(۱) قسم اول کا نام استغراقی ہے (یہ جنس کے افراد حقیقت کو گھیرنے کے لئے آتا ہے)

(۲) دوسرے کا نام بھی استغراقی ہے (جو افراد کے خصائص وصفات کو گھیرنے کے لئے آتا ہے)

(۳) الف لام استغراقی کی تیسری قسم تعریف ماہیت کے لئے آتی ہے۔

چونکہ ''الاتقی'' کا ''الف لام'' استغراقی ہے جو اپنے مدخول کے جملہ افرادِ حقیقت کو گھیرنے کے لئے آتا ہے لہٰذا اسی کی تعریف وتطبیق پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

i۔ اس ''الف لام'' کی پہلی شرط ہے، کہ اس ''الف لام'' کو ہٹا کر لفظ ''کل'' کو لگانا درست ہو۔

ii۔ دوسرا اس کے مدخول سے استثناء درست ہو۔

iii۔ جمع کو اس ''الف لام'' کے مدخول کی صفت بنانا درست ہو۔

iv۔ ''افعل التفضیل'' اس کی طرف مضاف کرنا درست ہو۔

دوسری اور پہلی شرط کی مثال: اِنَّ الانسان لفی خسر الا الذین آمنوا یہاں لفظ ''الانسان'' میں ''الف لام'' کو ہٹا کر ''کل'' لگا دیں تو معنی درست ہیں اور اس میں ''الا الذین آمنوا'' میں استثناء والی شرط بھی درست طریقے سے پائی گئی۔ جیسے کہیں: ان کل انسان لفی خسر الا الذین آمنوا۔

تیسری شرط ''الف لام'' کے مدخول کی جمع سے صفت واقعہ کی جائے تو درست ہو، اس کی مثال ''او الطفل الذین لم یظھروا'' یہاں ''الطفل'' کو موصوف قرار دے کر ''الذین'' کو اُس کی صفت قرار دیا گیا ہے۔

چوتھی شرط ''الف لام'' کے مدخول کی طرف افعل التفضیل'' کو مضاف کرنا درست ہو جیسا کہ ''افضل القوم'' ''خیر الخلق''

اب یہ چاروں قاعدے ''الاتقی'' پر استعمال کریں گے تو حقیقت، انشاء اللہ کھل جائے گی۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ہی اس ''الف لام'' کے عہدی ہونے کی مدعی ہیں جس کا مدخول ہمیشہ افراد واحد ہوتا ہے اور خود ترجمہ جو جلالین شریف میں کیا ہے وہ ''الف لام'' عہدی کا نہیں کیا بلکہ ''الف لام'' استغراقی کا ترجمہ کیا ہے: والایۃ تشمل مَنْ فَعَلَ مثل فعلہ رضی اللہ عنہ فیبعد عن النار ویثاب (جلالین شریف 276/4) ترجمہ: یہ

آیت ہر اُس آدمی کو گھیرتی جو اُن کا سا فعل کرے (رضی اللہ عنہٗ) پس اس کو آگ سے دور رکھا جائے اور اُسے ثواب دیا جائے گا۔

اب جلالین شریف کی پیش کردہ عبارت کے تحت ہم ''الف لام'' استغراقی کی مثال بذریعہ ''کُل'' کی اضافت کے پیش کرتے ہیں۔ ''سیجنبھا الاتقی'' اس جگہ ہم ''اَل'' کو ہٹا کر ''کل'' لگاتے ہیں **سیجنبھا کل اتقی** معنی وہی بن جائیں گے جو صاحب جلالین نے خود کئے ہیں۔ یعنی اس آیت سے خود جناب ابوبکر صدیق ؓ بھی مراد نہیں بلکہ ہر وہ آدمی بھی مراد ہے جو اُن کے سے کام کرے گا، جیسا جناب ابوبکر صدیق ؓ کو نارِ جہنم سے بچایا جائے گا اسی طرح ہر اس آدمی کو بچایا جائے گا جو حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی طرح کرے گا۔ اس میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی کوئی خصوصیت نہیں جس کا حاصل یہ ہوگا اس آیت سے جناب ابوبکر صدیق ؓ کی فضلیت ثابت ہوگی، نہ کہ افضلیت۔ افضلیت اس وقت ثابت ہوتی جب ان میں یہ وصفِ کمال پایا جاتا اور کسی دوسرے میں نہ پایا جاتا مگر جب دوسرے لوگ بھی اس میں شریک ہیں تو پھر یہ فضلیت ہی کہلائے گی افضلیت نہیں کہلائے گی۔

اب اس میں استثناء کا قاعدہ جاری کریں گے یعنی جب اس کا معنی عام کا ہو گیا تو پھر استثناء بھی درست ہو گیا: **سیجنبھا الاتقی الا الذین ارتدوا** ۔یعنی اس نارِ جہنم سے ہر متقی کو بچایا جائے گا سوائے ان کے جو مرتد ہو گئے۔

اب اس میں تیسرا قاعدہ جاری کرتے ہیں یعنی کسی جملے کو اس کی صفت واقع کرنا درست ہو۔ جب جلالین شریف کی عبارت کے ذریعے سے اُس کے معنی عام کر دیئے گئے تو جمع کو اس کی صفت واقع کرنا قابل اعتراض نہ رہا۔ **سیجنبھا الاتقی**

الذین استقاموا. یعنی اس نارِ جہنم سے جملہ اتقیاء کو بچایا جائے گا جو ثابت قدم رہے۔

چوتھا قاعدہ، اسم تفضیل کو اس کی طرف مضاف کرنا ہے اس میں بھی کوئی امر مانع نہیں رہا کیونکہ جب مدخول ''الف لام'' میں معنی کی عمومیت پائی گئی تو ''اسم تفضیل'' کی اضافت بھی، مدخول ''الف لام'' کی طرف جائز ہو گئی جیسا کہ خود جلالین شریف نے اسکے معنی کئے ہیں۔

جلالین شریف کا بار بار نام اس لئے جاتا ہے کہ علامہ جلال الدین محلی رحمۃ اللہ علیہ نے جو کہ جلال الدین سیوطی کے اُستاد ہیں اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے بڑے پورے اعتماد اور دھاکے سے ''الاتقی'' کے ''الف لام'' کو عہدی قرار دے کر اس آیت کو جناب ابوبکر صدیق ؓ کی خصوصیت قرار دیا ہے تو ایسی حالت میں اُن کا اپنا ترجمہ اور اپنی تفسیر ان کے بیان کے خلاف پیش کرنا معنی کو زیادہ واضح کر دیتا ہے۔

اب اسی معنی کی عمومیت کی تائید میں ایک اور حوالہ ملاحظہ فرمائیے:

''**ولسوف یرضیٰ من اتصف بھذہ الصفات**'' (تفسیر ابن کثیر 556/4 مصنفہ حافظ عماد الدین ابوالفداء اسمٰعیل بن کثیر متوفی 774ھ) ترجمہ: عنقریب وہ شخص راضی ہوگا جو ان صفات سے موصوف ہوگا۔

اور دو سطریں نیچے چل کر عماد الدین ابن کثیر کہتے ہیں ''**فان لفظھا لفظ العموم وھو قولہ تعالیٰ سیجنبھا الاتقی**'' اس آیت کے الفاظ عموم کے الفاظ ہیں۔

عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے حوالے میں بتلایا کہ اِن آیات میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی خصوصیت نہیں بلکہ جو بھی شخص ان صفات سے موصوف ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کی عطا پر خوش ہو جائے گا۔

دوسرے حوالے میں صاف طور پر بتلادیا کہ اس آیت کے الفاظ میں عمومیت ہے کوئی وجہ تخصیص نہیں۔

علامہ نظام الدین نیشاپوری اسی مقام پر تحریر فرماتے ہیں: **تتناول الاية غيرهما من الاشقياء والاتقياء بالتبعية اذلاعبرة بخصوص السبب** (تفسیر غرائب القرآن 512/6 مصنفہ علامہ نظام الدین حسن بن محمد بن حسین نیشاپوری متوفی 728ھ) ترجمہ: یہ آیت ان کے سوا دوسرے اشقیاء واتقیاء کو بھی گھیرتی ہے اور سبب کی خصوصیت کا کوئی اعتبار نہیں۔

جناب نظام الدین نیشاپوری نے واضح کردیا کہ بیان سبب نزول کی تخصیص کا کوئی اعتبار نہیں، بلکہ الفاظ میں جو عمومیت معنی پائی جاتی ہے اس کا اعتبار ہوگا۔

حاصل یہ کہ اگرچہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی مگر اس میں ان کی کوئی تخصیص نہیں ہوگی بلکہ ہر وہ مسلمان جو ان صفات سے موصوف پایا جائے گا وہ اس جزاء کا مستحق قرار پائے گا۔ بنابریں علامہ جلال الدین محلی رحمۃ اللہ علیہ یا علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا یا کسی دوسرے شخص کا دعویٰ تخصیص بلا دلیل اور خلاف ضابطہ ہوگا۔

اسی طرح علامہ سمرقندی اپنی تفسیر ''بحر العلوم'' میں تحریر فرماتے ہیں۔ **''سيجنبها الاتقى'' يعنى يباعد عنها الاتقى يعنى المتقى الذى يتقى الشرك''** (تفسیر سمرقندی (بحر العلوم) 485/3 مصنفہ ابولیث نصر بن محمد بن ابراہیم سمرقندی متوفی 375ھ) ترجمہ: اُس (نار جہنم) سے بچا جائے گا (دور رکھا

جائے گا) جو اتقی بمعنی متقی ہوگا جو شرک سے بچے گا۔

یہاں ابولیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واضح کردیا کہ یہاں ''اتقی'' سے ''متقی'' مراد ہے یعنی صیغہ اسم تفضیل کا اسم فاعل کے معنی میں آیا ہے اسم تفضیل کے معنی میں نہیں آیا اور اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جو شرک سے بچے گا، اسمیں جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کوئی تخصیص نہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ الاتقی ہیں اور ہر اتقی اکرم ہوتا ہے

بعض اہل علم حضرات ان دو آیتوں کو صغریٰ اور کبریٰ بنا کر نتیجہ منطقیہ نکالتے ہیں بایں طور کہ ''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ متقی ہیں اور قرآن نے کہا جو سب سے زیادہ متقی ہے افضل ہے''۔ وہ دونوں حوالے یہ ہیں **''سيجنبها الاتقى''** یہاں ابوبکر صدیقؓ کو الاتقی کہا (سب سے زیادہ متقی) دوسرے مقام پر فرمایا **''ان اكرمكم عندالله اتقكم''** (سب سے زیادہ عزت والا وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار رہے)۔ حاصل نتیجہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں۔

اب اس کی منطقی حیثیت پر گفتگو کریں گے۔ جب تک ''الاتقی'' جزئی حقیقی مشخص نہیں بن پائے گا اس وقت تک اس کا بطور صغریٰ کے استعمال نہیں ہوسکتا ہے۔ اب علمائے تفسیر نے مع جلال الدین سیوطیؒ وجلال الدین محلیؒ کے ''الاتقی'' صیغہ عموم قرار دیدیا تو پھر جزئی حقیقی مشخص کس طرح بنے گی کیونکہ جزئی حقیقی تو وہ ہوتی ہے جو اشتراک کو قبول نہ کرے۔ یہاں علمائے تفسیر نے بھی اور علمائے لغت نے بھی اس کو کلی قرار دیا ہے، صحت نتیجہ کا مدار تو صحت مقدمات پر ہے جب

مقدمات صادق نہیں ہوں گے تو نتیجہ صادق نہیں ہوگا۔

نیز علمائے تفسیر کے بیان کے مطابق، آپ نے اس کو جناب ابوبکر صدیقؓ کے حق میں نازل شدہ مانا اور اس پر اجماع کا دعویٰ کردیا اور جس بزرگ نے بھی اس آیت کا سبب نزول حضرت ابوبکر صدیقؓ کو قرار دیا، اُس نے ''الاتقی'' کا معنی ''تقی'' کیا، تو بقول آپ کے ''الاتقی'' کا معنی ''تقی'' ہونا بھی اجماعی تسلیم کرلیا گیا کیونکہ علمائے تفسیر نے ''الاتقی'' کے معنی ''تقی'' کرنے میں اختلاف نہیں کیا تو نتیجہ ''الاتقی'' بمعنی ''تقی'' ہونے پر بھی اجماع ہوگیا۔ تو منطق کے قواعد میں ایک قاعدہ اصول عینیت بھی ہے (Law of Identity) یعنی جس چیز کو آپ نے ایک مرتبہ جو تسلیم کرلیا ہے، وہ چیز وہی رہے گی۔ اب اس قاعدہ کی بھی آپ نے خلاف ورزی کی ہے، آپ نے شان نزول میں اجماع کو مان لیا اور اسی اجماع میں ''الاتقی'' کا معنی ''تقی'' بھی آپ نے اسی اجماع کا حصہ ہونے کی وجہ سے تسلیم کرلیا، کیونکہ جس کو آپ اجماع تسلیم کرتے ہیں اس کے دو حصے ہیں: ایک سبب نزول اور دوسرا ''الاتقی'' بمعنی ''تقی''۔ سبب نزول کو تسلیم کرنا اور ''الاتقی'' بمعنی ''تقی'' کو قبول نہ کرنا اصول اجماع کے خلاف ہے۔

تو ایک مرتبہ اس کو ''الاتقی'' بمعنی ''تقی'' تسلیم کرنا اور دوسری مرتبہ پھر ''الاتقی'' کو بصیغہ اسم تفضیل تسلیم کرلینا اصولِ عینیت (Law of Identity) کے خلاف ہے اس سے ''مغالطہء مبہم حدِ اوسط'' لازم آتا ہے جس کی وجہ سے یہ شکل عقیم ٹھہرے گی یعنی کوئی نتیجہ حاصل نہیں ہوگا۔

آپ نے منطق سے استدلال کرتے ہوئے جس کو محل استدلال ٹھہرایا ہے وہ دو قضیے ہیں: ایک حضرت ''ابوبکر صدیقؓ'' ''الاتقی'' اور دوسرا ''اِن اکرمکم عنداللہ اتقکم''۔ ان دونوں مقامات سے نتیجہ اخذ کرنے کے لئے کتب منطق میں جو شرائط ہیں وہ یہ ہیں کہ یہ شکل اول ہے جس کو کتب عربیہ ''برابابا'' کہیں گی جس کے لئے ایجاب صغری اور کلیت کبری شرط ہے۔ یہاں ''الاتقی'' میں صورت منطقیہ میں ایجاب صغری تو ہے مگر ''اِنَّ اکرمکم عند اللہ اتقکم'' میں کلیت کبریٰ کہاں؟

جس وقت سُوُرِ قضیہ کُلَّ یا کل کے مترادف مذکور نہ ہو یا مطلقاً سور قضیہ مذکور نہ ہو تو مناطقہ کے نزدیک قضیہ مہملہ ہوتا ہے اور قضیہ مہملہ مناطقہ کے نزدیک بعضیہ ہوتا ہے۔ تو اس جگہ قضیہ بعضیہ ہو کر مفید نتیجہ نہیں ہوگا، حاصل یہ کہ اس سے جناب ابوبکر صدیقؓ کی افضلیت ثابت نہیں کی جاسکے گی۔

اس قیاس کی شکل اول کی تعریف جدید منطق نے یوں کی ہے:

The first mood of the first syllogistic figure in which both premises and the conclusion are universal affirmative. ترجمہ: قیاس کی شکل اول میں دونوں مقدمات بھی کلیات ہوتے ہیں اور نتیجہ بھی اور یہ سارے مثبت ہوتے ہیں۔ (اگرچہ منطق قدیم میں صرف ایجاب صغریٰ چاہیے ہوتا ہے اور کلیت کبریٰ بھی)

ایک اور استدلال کا جواب

ایک طبقہ اہل علم نے کہا ہے کہ گو کہ یہ آیات جملہ اتقیاء کے بارے میں

نازل ہوئی ہیں مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دخول اولی ہونے کی وجہ سے ان کے حق میں حصر ثابت ہو گیا ہے۔

جواباً عرض ہے کہ ''حصر'' یا ''قصر'' یہ بلاغیوں اور نحویوں کی اصطلاح کا لفظ ہے اس لئے ضروری ہوگا کہ اس طرح کی قصر یا حصر کتب بلاغت یا کتب نحو میں دکھائی جائے مگر اس طرح کی قصر یا حصر ان دونوں علوم کی کتب میں نہیں دکھائی جاسکیں گی۔ ہاں اگر اصول تفسیر کا قاعدہ بتا کر اس کا حصر ثابت کیا جائے اور اس کا نام دخول اوّلی رکھا جائے تو اس میں دوسری آیت کا شانِ نزول مانع استدلال ہوگا، کیونکہ ''ان اکرمکم عند اللہ اتقکم'' حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہے اور اس قاعدے (دخول اوّلی) کی روشنی میں حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ متقی ہو کر سب سے زیادہ فضیلت والے ثابت ہو جائیں گے۔

کیا عموم لفظ کا اعتبار ہوگا یا خصوص سبب کا؟

بیدأن العلماء اختلفوا فی حکمه اعموم اللفظ هو المعتبر ام خصوص السبب؟ فذهب الجمهور الی انَّ الحکم یتناول کل افراد اللفظ سواء منها افراد السبب و غیر افراد السبب (مناہل العرفان فی علوم القرآن 118/1)

ترجمہ: باوجود اس بات کے کہ علمائے کرام نے (آیت یا حدیث کے حکم) میں اختلاف کیا ہے کہ آیا عموم اللفظ کا اعتبار ہوگا یا خصوص سبب کا؟ جمہور علماء کا یہ مذہب ہے کہ حکم اُن جملہ افراد پر ہوگا جو لفظ کے مفہوم میں آئیں گے خواہ وہ سبب کے افراد میں سے ہوں یا سبب کے افراد سے خارج ہوں۔

اس مسئلہ میں تقریباً سارے اسباب نزول آ جائیں گے اور یہ مسئلہ عموم لفظ کا اس وقت لاگو ہوگا جب کہ کوئی قرینہ موجود نہ ہو اگر کوئی قرینہ موجود ہو تو باجماع علماء کرام عموم لفظ کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ خصوص سبب کا اعتبار ہوگا۔ جیسا کہ لفظ اہل البیت عام ہے جملہ اہل بیت کے بارے میں، مگر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانچ شخصیات پر سمیت اپنے، نزول سے پہلے بھی چادر ڈالی اور فرمایا: ''**اللھم ھؤلاءِ اھل بیتی وھامّتی وخاصّتی اذھب عنھم الرجس وطھّرھم تطھیراً**'' (صواعق محرقہ صفحہ 141 مصنفہ امام ابن حجر مکی) ترجمہ: یا اللہ یہی میرے گھر والے ہیں اور خصوصی ہیں ان سے نجاست کو دور رکھ اور انہیں پاک کر جیسا کہ پاک کرنے کا حق ہے۔

اسی طرح سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نزول آیت کے بعد اِن نفوس قدسیہ پر چادر ڈال کر فرمایا ہے: **اللھم ان ھؤلاءِ آل محمد فاجعل صلواتک وبرکاتک علی آل محمد انک حمید مجید.** (صواعق محرقہ 142 مصنفہ ابن حجر مکی) ترجمہ: یا اللہ یہی لوگ آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں تو اپنی رحمتیں اور برکتیں آل محمد پر نازل فرما۔ تو بہت تعریف کیا ہوا اور بڑی شان والا ہے۔

چونکہ آیت کے نازل ہونے سے پہلے بھی اور نزول آیت کے بعد بھی آل محمد و اہل بیت کی تخصیص فرمائی اس لئے یہاں عموم لفظ کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ خصوص سبب کا اعتبار ہوگا۔ خصوصاً دونوں حدیثوں میں اسمائے اشارات کو مسندالیہ ٹھہرایا اس سے بھی خصوصیت حاصل ہو جاتی ہے۔ قاعدہ پیش خدمت ہے:

یُؤتیٰ بالمسندالیه اسمَ اشارۃٍ لدواعٍ یلاحظھا البلغاء

منهاتمييز المسنداليه اكمل تمييز لاقتضاءِ الحال ذالک كان يكون المقام مقام مدحٍ اوان يكون المسنداليه مختصًّابحكمٍ بديع :(المنہاج الواضح 38/2) مسندالیہ کواسم اشارہ لایا جاتا ہے کئی ایک وجوہات کے پیش نظر جن کو بلیغ لوگ مدنظر رکھتے ہیں۔ان میں سے (۱) مسندالیہ کومکمل طور پرممتاز کرنا ہوتا ہے کیونکہ حال اس بات کا تقاضا کرتا ہے جیسا کہ مقام، مقام مدح ہو۔

(۲) یا مسندالیہ کسی انوکھے حکم سے مختص ہو۔

چونکہ یہاں اہل بیت (آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا حکم تطہیر سے مختص ہونا تھا لہٰذا دونوں جگہ ھٰــؤلاء، ھٰـؤ لاء لایا گیا ہے تاکہ آل محمد کی حکم تطہیر سے خصوصیت ثابت ہوایسے حالات میں جب قرینہ،عموم لفظ کے افراد مراد لینے سے،صارفہ واقعہ ہوا ہوتو عموم لفظ کی بجائے خصوص سبب مراد لینا اجماع علما سے واجب ہوجائے گا۔

مذہب جمہور علماء میں قرینہ صارفہ کے بغیر عموم لفظ کا اعتبار ہوگا اس جگہ ہم جمہور علماءِ کرام کے مذھب کو ثابت کرنے کے لئے چند ایک قیاس اقترانی اور قیاس استثنائی کی مثالیں پیش کرتے ہیں: اللفظ العام الواردعلى سبب خاص هوالحجة وحده عندالشارع وكل ماكان كذالک يعتبر عمومه.فاللفظ العام الواردعلى سبب خاص يعتبر عمومه وهوالمطلوب:. جولفظ عام کسی خاص سبب پروارد ہووہی اکیلا ہی شارع کے نزدیک دلیل ہوتا ہے اور ہروہ لفظ جوایسا ہواس کا عموم معتبر ہوتا ہے۔اور یہی مطلوب ہے سورۃ اللیل حضرت ابوبکر صدیق ؓ اور امیہ بن خلف یا ابوجہل کے خاص سبب

سے نازل ہوئی ہے مگراس کے الفاظ عام ہیں لہٰذا یہ صرف جناب ابوبکر صدیقؓ اور امیہ بن خلف کے سبب ان دونوں کے حق میں خاص نہیں ہوگی بلکہ جوبھی ان دونوں کی صفات کا حاصل ہوگا یہ سورۃ دونوں کی صفات سے موصوف پر مشتمل ہوگی اس میں عموم لفظ کا اعتبار ہوگا خصوص سبب کا اعتبار نہیں ہوگا۔

اب اسی کا قیاس استثنائی بنائیں گے: لولم يكن اللفظ العام الواردعلى سبب خاص معتبراً عمومه لماكان لفظ الشارع وحده هُوالحجة، لكن التالِي باطل فبطل ماادّىٰ اليه وهوالمقدم و ثبت نقيضه وهو اللفظ العام الواردعلى سبب خاص يعتبر عمومه وهذا هوالمطلوب. ترجمہ: اگرکسی سبب خاص پروارد ہونے والے لفظ کا عموم معتبر نہ ہوتو صرف شارع علیہ السلام کا لفظ ہی حجت شرعیہ نہ ہوتا،لیکن تالی باطل ہے توجس کا وہ باعث بنا ہے وہ بھی باطل ہے اور وہ مقدم ہے اوراس کا نقیض لفظ عام ہے جو کسی خاص سبب پروارد ہوا ہے جس کا عموم معتبر ہوگا اور یہی ہمارا مقصود ہے۔

اس کی مزید تشریح کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ منطقی استدلال ہے اس کو منطقی علماء پرکھتے رہیں گے۔

ایک ضروری نوٹ

علامہ بدرالدین زرکشی متوفی 794ھ اپنی کتاب ''البرہان فی علوم القرآن'' 3/1-22 پر جیز تحریر میں لاتے ہیں فان محل السبب لايجوز اخراجه بالاجتهاد والاجماع : ترجمہ: محل سبب کواجتہاد اور اجماع کے ذریعے سے بھی (مفہوم آیت سے) خارج نہیں کیا جاسکتا۔

جیسا کہ ''الاتقی'' کا سبب نزول یا حضرت ابوبکر صدیق ؓ ہیں یا ابن ابی الدحداح ؓ ہیں۔ اب ''اُلاتقی'' کے مصداق سے اجتہاد یا اجماع کے ذریعے سے ان لوگوں کو خارج نہیں کیا جاسکتا، اسی طریقے سے حضرت بلال حبشی ؓ کو جو کہ ''اِنَّ اکرمکم عنداللہ اتقکم'' کی آیت کا شانِ نزول ہیں اور اس کا پہلا مصداق ہیں اس آیت کے مصداق اور مفہوم سے انہیں بھی خارج نہیں کیا جاسکتا کوئی اجتہاد سے یا اجماع اُمت کے ذریعے سے بھی انہیں خارج نہیں کرسکتا (ابوبکر باقلانی متوفی 403ھ نے اپنی کتاب ''الارشا دو التقریب ''میں بھی اس طرح لکھا ہے) جس کا حاصل معنی یہ ہوگا کہ سب سے پہلا ''اتقی'' اور سب سے پہلا ''اکرم'' اُمتِ محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں حضرت بلال حبشی ؓ ہوں گے۔ لہٰذا یہ کہنا ''کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ اس آیت کی رو سے سب سے پہلے ''اتقی'' اور سب سے افضل ہوں گے''، اصول تفسیر کی رو سے کسی طرح بھی صحیح نہیں ہوگا۔

جناب امام سمرقندی حنفی کی تفسیر بحر العلوم کو ''الاتقی'' کی تفسیر میں بڑے فخر سے جناب ابوبکر صدیق ؓ کی افضلیت کے لئے، دورِ حاضر کے دانشوروں، نے پیش کیا، مگر انہوں نے اس ذمہ داری کو پتہ نہیں کیوں قبول نہیں کیا کہ جب کوئی شخص کسی ذمہ دار بزرگ کا حوالہ پیش کرتا ہے تو اس پر یہ بھی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ شخص اس بزرگ کے حوالے کے بقیہ اجزاء بھی مطالعہ کرے اور اُن کی صحت کی ذمہ داری بھی قبول کرے۔

کتنے افسوس کی بات ہے کہ علامہ ابواللیث نصر بن محمد بن ابراہیم سمرقندی متوفی 375ھ نے تو اس آیت کو جناب ابوبکر صدیق ؓ کی فضلیت کے لئے پیش کیا ہے اور

دورِ حاضر کے مصنفین نے اس کو افضلیت کے لئے استعمال کرلیا ہے۔ افضلیت تو اس وصفِ کمال کا نام ہے جس میں کوئی دوسرا شریک نہ ہو۔ خواہ عمدگی میں مقدار میں یا انفرادیت میں، بقول امام سمرقندی کے اس وصف میں تو پوری اُمت شریک ہے ''سیجنبها الاتقی'' یعنی یباعد عنها الاتقی یعنی المتقی الذی یتقی الشرک. : تفسیر سمرقندی صفحہ 485 ترجمہ: اس سے دور رکھا جائے گا ''الاتقی'' کو یعنی دور رکھا جائے گا اس سے ''الاتقی'' کو یعنی اس متقی کو جو شرک سے بچے۔

سب سے پہلے تو آپ اس ذمہ داری کو قبول کریں کہ آپ کے پیش کردہ حوالے میں ''الاتقی'' کو اسم تفضیل کے معنی میں استعمال نہیں کیا گیا جو کہ آپ کا بنیادی محل استدلال ہے اگر وہ اسم تفضیل کے معنی نہ دے تو وہ صرف فضیلت کے معنی دے گا نہ کہ افضلیت کے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جب تک آپ عدم اشتراک ثابت نہ کرسکیں افضلیت ثابت نہیں کرسکتے۔ یہاں تو امام سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ وصف ساری اُمت کے لئے ثابت کیا ہے، نہ صرف حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے لئے۔ جب تک آپ عدم اشتراک ثابت نہ کرسکیں آپ کا جزئی حقیقی کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا۔

امام سمرقندی نے تو آپ کے ذوق کے قطعاً خلاف، اس جگہ سبب نزول کی تخصیص مان کر حکم کو مختص نہیں کیا بلکہ عموم لفظ کا اعتبار کرکے حکم کو عام قرار دے دیا۔ بتایئے اس حوالے سے کون سا مقصد پورا ہوا ہے؟

اس آیت سے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی فضیلت بسرو چشم مسلم ہے مگر افضلیت کے لئے کوئی دوسری آیت آپ کو تلاش کرنا پڑے گی۔

جلالین شریف (276/4) **الایۃ تشمل من فعل مثل فعلہ فلیبعد عن النار ویثاب.** ترجمہ: یہ آیت اس آدمی کے لئے بھی عام ہے جو حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی طرح عمل کرے گا تو اُسے آگ سے دور رکھا جائے گا اور ثواب دیا جائے گا۔ اس کی تشریح گزر چکی ہے صرف یہاں اس طرف آپ کی توجہ منعطف کرنا تھی کہ اس آیت مبارکہ میں جناب ابوبکر صدیق ؓ کی کوئی خصوصیت نہیں ہے بلکہ یہ ہر اس شخص کے لئے عام ہے جو حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی پیروی کرے گا۔

آپ نے شہاب الدین خفاجیؒ کے حاشیہ علی البیضاوی کے حوالہ جات بڑے فخر سے پیش کئے ہیں۔ اے کاش آپ اُن کے مضامین کو بالاستیعاب پڑھ لیتے، خفاجی صفحہ 369/8 تحریر فرماتے ہیں: **خصوص السبب لاینافی عموم الحکم.** سبب کا خاص ہوتا عموم حکم کو مانع نہیں ہے۔ اس جگہ شہاب الدین خفاجی افضلیت ثابت کرنے سے عاجز آ گئے کیونکہ جب حکم عام ہو گیا اور خصوصیت باقی نہ رہی تو افضلیت کس طرح ثابت ہوگی۔

"تنویر المقیاس من تفسیر ابن عباس" سے حوالہ جات پیش کئے گئے کہ "الاتقی" سے مراد جناب ابوبکر صدیق ؓ ہیں اس میں کوئی شک نہیں اس سے مراد آپ ہی ہیں مگر دیکھنا یہ ہے کہ "الاتقی" کے اس جگہ مفسرین نے کیا معنی لئے ہیں جناب ابن عباس رضی اللہ عنہما کے خطبات جو بعد میں آ رہے ہیں اُن میں آپ نے وضاحت فرمائی ہے اور جناب علی مرتضیٰ ؓ کو ساری اُمت مسلمہ میں سب سے افضل بنایا ہے۔ جہاں آپ نے تفسیر ابن عباس کا حوالہ پیش فرمایا ہے وہاں آپ کو ابن عباس ؓ کا مذہب بھی قبول کرنا پڑے گا۔

امام رازی کے حوالہ جات سے تائید حاصل ہوئی ہے یا تردید؟

حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کی چند عبارات پیش کی گئی ہیں اور اُن سے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی افضلیت پر استدلال کیا گیا ہے وہ عبارات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) **واجمعت الامۃ علی ان الافضل اما ابوبکر و علی فاذا بینا انہ لیس المراد علیًّا تعنیت الایۃ لابی بکر.** اس پر اُمت نے اجماع کیا کہ پوری اُمت سے یا ابوبکر ؓ افضل ہیں یا علی ؓ جب ہم نے بتا دیا کہ مراد علی نہیں ہیں تو آیت ابوبکر کے حق میں متعین ہو گئی (تفسیر کبیر صفحہ 187/23)

(۲) **اجمعت الامۃ علی ان افضل الخلق بعد رسول اللہ** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **اما ابوبکر واما علی.** (تفسیر کبیر 19/28) ترجمہ: اُمت نے اس پر اجماع کیا کہ حضرت رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بعد ساری مخلوق سے افضل یا ابوبکر ؓ ہیں یا علی ؓ۔

(۳) **فنقول لابد وان یکون المراد بہ ابابکر لان الامۃ مجمعۃ علی ان افضل الخلق بعد رسول اللہ اما ابوبکر ؓ او علی ؓ.** ترجمہ: ہم کہتے ہیں کہ اس سے کوئی چارہ نہیں اس سے مراد ابوبکر ہوں کیونکہ اُمت نے اس پر اجماع کیا ہے کہ ساری مخلوق سے افضل یا ابوبکر ہیں یا علی۔ (تفسیر کبیر 204/31)

تفسیر کبیر مصنفہ امام رازی کی ان تین جلدوں میں جو ذکر آیا ہے کہ اس پر اجماع اُمت ہے کہ افضل الخلق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد یا ابوبکر ؓ ہیں یا علی ؓ ہیں۔ بعد میں امام رازی نے جناب ابوبکر ؓ کی افضلیت ثابت کی۔ ہم اس کو صحابہ و تابعین آئمہ اہل بیت وعلمائے عقائد کی روشنی میں تحقیق کریں گے۔ مگر

سردست جو عصر رواں کے مصنفین نے پوری قوت کے ساتھ تفسیر کبیر کے حوالہ جات بیان کئے ہیں ان پر تبصرہ کرنا چاہیں گے۔ جب مصنفین دورِ حاضر ان حوالہ جات کو اپنی تائید کے لئے پیش کر رہے ہیں تو انہوں حوالہ جات کو صحیح تو تسلیم کرلیا ہے۔

اِب حوالہ جات پر تبصرہ کرتے ہیں:۔ جب اعلیٰحضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاوی رضویہ 582/5 پر لکھتے ہیں کہ اجماع کے خلاف اخبار واحدہ کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ قطع نظر اس بات کے کہ جناب ابوبکرؓ جناب علیؓ سے افضل ہیں یا نہیں مگر یہ تو اجماع اُمت سے طے ہوگیا کہ یہ دونوں پوری اُمت سے افضل ہیں اب بخاری کی وہ حدیث جو جناب عبداللہؓ بن عمرؓ سے مروی ہے: **كنا نخير بين الناس في زمن النبي صلى الله عليه وآله وسلم، فنخير ابابكر ثم عمر بن الخطاب ثم عثمان بن عفان رضي الله عنهم.** ترجمہ: ہم لوگ افضلیت بیان کیا کرتے تھے لوگوں کے درمیان، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں پس ہم ابوبکرؓ کو افضل کہا کرتے تھے پھر عمرؓ کو پھر عثمانؓ کو۔ مسترد ہوجائے گی۔

قواعد کے مطابق یہ حدیث قابل احتجاج نہ رہی کیونکہ یہ خبر واحد ہے۔ اور اجماع کے خلاف آئی ہے لہٰذا یہ مسترد کی جائے گی اور یہ عقیدہ بھی مسترد ہوجائے گا کہ خلفائے راشدین کی افضلیت بترتیب خلافت ہے کیونکہ ترتیب خلافت پر ترتیب مرتبہ یہ مذہب جمہور ہے۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی "تکمیل الایمان" 49 پر لکھتے ہیں:

فضلهم علی ترتیب الخلافة جمهور بر آن اند که مذکور شد.

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ کی تفسیر کبیر کی عبارات تین مقامات سے

پیش کی ہیں جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ جناب ابوبکرؓ یا جناب علیؓ باجماع اُمت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد جملہ مخلوقات سے افضل ہیں لہٰذا کسی تیسرے کا نام درمیان میں لینا اجماع اُمت کے خلاف ہے لہٰذا یہ جتنے حوالے خلفائے ثلاثہ کے جناب مرتضیٰؓ سے افضلیت کے بارے میں پیش کئے جاتے ہیں وہ غیر اصولی غیر آئینی ہوں گے کیونکہ وہ اخبار واحدہ یا جمہور اہلسنت کا عقیدہ ہیں مگر اس کے برعکس حضرت ابوبکرؓ و حضرت علیؓ کی افضلیت بر جملہ خلائق بعد از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اجماعی عقیدہ ہوگا۔ اب رہ جاتی ہے بات کہ ان دو میں سے ایک کی افضلیت، یہ اُمت کا اجماعی عقیدہ نہیں بلکہ امام رازی کا قول ہے جس کو صحابہ کرامؓ اور اہل بیت عظام اور ائمہ عقائد کی روشنی میں پرکھا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ اب جتنے بھی مباحث حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کی حدیث مرویہ بخاری کے تحت چھیڑے جائیں گے وہ سارے کے سارے اسی قاعدے کے مطابق مسترد ہوجائیں گے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی افضلیت کی دوسری آیت

جناب ابوبکر صدیقؓ کی افضلیت کے بارے میں جو دوسری آیت پیش کی جاتی ہے۔ وہ یہ ہے: **وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا** (سورہ نور۔۲۲) ترجمہ: تم سے جو اہل فضل ہیں (دولت دنیا میں یا دین میں) اور تونگر ہیں اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ وہ اقارب کی اور مساکین اور اللہ کے راستے میں ہجرت کرنے والوں کی امداد نہیں کریں گے۔ انہیں چاہئے کہ انہیں معاف کردیں اور درگزر کریں۔

یہ آیت مبارکہ جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی، اس کا شانِ نزول حسب ذیل ہے:۔ سیّدہ طیبہ طاہرہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو جب تہمت دی گئی تو تہمت دینے والوں میں مسطح رضی اللہ عنہ بن اثاثہ بھی شامل ہو گئے تھے جو کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خالہ زاد بہن کے صاحبزادے ہو کر جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے رشتے کے بھانجے لگے، یہ بدری بھی تھے اس لئے بڑے عظیم صحابہ کرام میں سے تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی ان کی مالی مدد کرتے تھے اور اس طرح وہ پلے پوسے بھی تھے، جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جلال میں آ کر یہ قسم فرمالی کہ میں آئندہ اس کی مالی امداد نہیں کروں گا کیونکہ اُس نے میری پرورش کی ہتک کی ہے اور ناشکری کا مظاہرہ کیا ہے بنابریں وہ میری ہمدردیوں کا حقدار نہیں ہے۔

تبصرہ: شاہکار صحابیت کے قربان جاؤں، انہیں اولوا الفضل کہا گیا، اُن کے اولوا الفضل ہونے میں کیا شک ہے مگر اس سے فضیلت ثابت ہوتی ہے، افضلیت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ افضلیت تو اس وصفِ کمال کا نام ہے جس میں دوسرا شریک نہ ہو خواہ بوجہ انفرادیت کے یا بوجہ زیادت فضل کے۔ مگر اس میں تو صیغہ ہی جمع کا ہے جس میں انفرادیت کا مفہوم نہ مل پائے گا۔ ''اولوا'' ذو کی جمع ہے، اور آگے جتنے بھی صیغے مقابلے میں آ رہے ہیں سارے کے سارے جمع ہی ہیں اور جمع کا تقابل جمع سے آ جائے تو قاعدہ تقسیم عمل میں آئے گا جس کا مقصد یہ ہوگا کہ جتنے بھی اہل فضل و تونگر ہیں اپنے اپنے اقرباء سے ایسا سلوک نہ کریں۔ جب اس میں انفرادیت نہیں ہوگی تو افضلیت کس طرح ثابت ہوگی۔

نیز حکم وصف پر مرتب ہوا ہے لہٰذا وہ وصف علّتِ حکم قرار پائے گا اولوا الفضل ہونا

علت حکم ہے بنابریں جو بھی اولوا الفضل میں سے ہوگا وہ اس امر کا مامور ہوگا اس میں جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خصوصیت نہیں، جب خصوصیت نہیں تو افضلیت نہیں، فضیلت بلاشبہ مسلمہ ہے، نہ ہی شانِ نزول میں کوئی شک ہے نہ ہی فضیلت میں کوئی شک ہے۔

مزید برآں ''اولوا الفضل'' میں جو لفظ ''فضل'' آیا ہوا ہے اس سے تفسیر جلالین نے (اولوا الفضل) ای اصحاب الغنی کہہ کر تفسیر کی، یعنی اس کا معنی صاحب فضیلت نہیں بلکہ صاحبِ دولت ہے۔ جس سے کوئی علمی یا روحانی برتری نہیں مراد لی جائے گی۔ بلکہ دولتِ دنیا مراد لی گئی ہے کیونکہ روحانی فضیلت کا موقعہ نہیں بلکہ دنیاوی ثروت براہ راست دخیل ہے کسی کی مالی مدد کرنے میں براہ راست مال کو دخل ہوتا ہے لہٰذا بذریعہ سیاق و سباق یہی معنی موزوں و برمحل ہیں۔ اگرچہ ''فضل'' کے معنی روحانی فضیلت بھی ہے اور مالی برتری بھی مگر قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی لفظ مشترک آ جائے تو ایک معنی متعین کرنے کے لئے قرینہ صارفہ چاہئے۔ یہاں ''فضل'' لفظ مشترک ہے جو کہ فضل روحانی یا فضل مالی کے معنی میں مشترک ہے مگر یہاں مسطح رضی اللہ عنہ بن اثاثہ پر مال خرچ کرنے کی بحث ہے لہٰذا یہ قرینہ صارفہ حالیہ اور مقالیہ کا کردار ادا کریگا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس سے مالی برتری مراد ہوگی علمی اور روحانی فضیلت مراد نہیں ہوگی۔

بالکل جلالین کے مطابق، امام بغوی (ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء الشافعی متوفی 516ھ) نے یہی معنی لکھا ہے۔ **ولا یاتل اولو الفضل منکم والسعة، یعنی اولوا الغنی والسعة یعنی ابابکر الصدیق** (معالم التنزیل صفحہ 284/3 ترجمہ: تم میں سے اہل فضل اور اہل قدرت کوئی قسم نہ کھائیں۔ یعنی دولتمند

لوگ اور اصحاب وسعت قسم نہ کھائیں (یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اولوا الفضل کا ترجمہ دولتمند کیا ہے۔ کیونکہ فضل کا ترجمہ فضل وشرافت بھی ہے اور دولت بھی ہے جب قرینہ صارفہ موجود ہو تو ایک معنی کا تعین کیا جائے گا۔ جیسا کہ سورۂ جمعہ میں ہے: فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ (سورہ جمعہ۔۱۰) فضل بمعنی الرزق تفسیر مدارک 684/2 اطلبوا الرزق. (جلالین 175/4) ترجمہ: رزق تلاش کرو۔

اس جگہ امام بغوی نے معالم التنزیل 315/4 پر لکھا ہے: وابتغوا من فضل اللہ (10/62) یعنی الرزق، ترجمہ: اللہ کا فضل تلاش کرو یعنی رزق تلاش کرو

چونکہ جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جناب مسطح بن اثاثہ سے مال روکنے کی قسم کھائی تھی اور مال روکنے کا عہد کر لیا تھا لہٰذا یہ قرینہ صارفہ ہے فضل بمعنی مال ہونے کے لئے۔

آیت مذکورہ یقیناً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے اور آپ اُمتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں صاحب فضل وشرافت ہیں مگر مطلوب افضلیت ثابت کرنا ہے جو کہ فضیلت کے ذریعے ثابت نہیں ہو پائی گی کیونکہ یہاں جو فضائل بیان کئے گئے ہیں وہ بصیغہ ہائے جمع بیان کئے گئے ہیں جس سے فردِ واحد مراد لینا نہ عقلاً درست ہے نہ نقلاً۔

جہاں تک فضیلت کا تعلق ہے وہ تو خبر واحد یا حدیث ضعیف سے بھی ثابت ہو جائے گی کیونکہ فضیلت باب فضائل کی چیز ہے خواہ فضائل اعمال میں سے ہوں یا فضائل اشخاص۔ اس میں تو جملہ ظنیات قابل احتجاج ہو سکتے ہیں مگر افضلیت تو باب عقائد کی چیز ہے جس میں قطعیات کا ہونا ضروری ہے۔

﴿عظمتِ اہلبیت بزبانِ نبوت﴾

اول من اشفع لہ یوم القیمۃ من امتی اہل بیتی ثم الاقرب فالاقرب من قریش ثم الانصار ثم من امن بی واتبعنی من الیمن ثم من سائر العرب ثم الاعاجم ومن اشفع لہ اولا افضل، رواہ الطبرانی فی الکبیر والدارقطنی فی الافراد والمخلص فی الفوائد عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما.

﴿ترجمہ﴾

(روزِ قیامت میں سب سے پہلے اہل بیت کی شفاعت فرماؤں گا۔ پھر درجہ بدرجہ زیادہ نزدیک ہیں قریش تک۔ پھر انصار۔ پھر وہ اہل یمن جو کہ مجھ پر ایمان لائے اور میری پیروی کی۔ پھر باقی عرب۔ پھر اہل عجم۔ اور میں جس کی شفاعت پہلے کروں وہ افضل ہے۔ اس کو روایت کیا ہے طبرانی نے کبیر میں اور دارقطنی نے افراد میں اور مخلص نے فوائد میں ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے)

(فتاوٰی رضویہ ج ۲۳ ص ۲۳۲ حدیث نمبر 89)

Qadria Jilania Publications

Darul Uloom Qadria Jilania
Waltham Stow, London.